نقشِ آزاد

یعنی

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور کے وہ مکاتیب
جو میرے نام آئے نیز بعض دوسری تحریرات و مکاتیب

غلام رسول مہر

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں وہ مزا نہ رہا

(حسرت موہانی)

ILMI KITAB KHANA
Urdu Bazar, Jama Masjid,
DELHI.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشراں گرہ از زلفِ یار باز کنید　　　　شبے خوش است بہ ایں قصہ اش دراز کنید

مولانا ابوالکلام مرحوم و مغفور کے یہ تبرکات جو "نقشِ آزاد" کے نام سے منظرِ عام پر آرہے ہیں، کسی طویل تمہید و تعارف کے محتاج نہیں۔ میں بی، اے کے آخری سال میں تھا جب علم و ادب کے نادر جواہر پارے میرے دامنِ عقیدت میں فراہم ہونے لگے تھے اور لطف و نوازش کا ابرِ گوہر بار اس وقت تک برابر موتی برساتا رہا جب تک ان میں اور مجھ میں موت کی دیوار حائل نہ ہوگئی۔ چوالیس سال کی مدت ایک عمر ہے، جو ان نوادر کے حفظ و نگہبانی میں بسر ہوئی حق یہ ہے کہ حاصلاتِ حیات میں ان سے گراں بہا متاع اور کوئی نظر نہیں آتی۔

اب یہ چھپے رہنے کے بجائے چھپ رہے ہیں، شاید یہ سمجھا جائے کہ اس طرح میں اپنے دیرینہ رابطۂ نیاز کے لئے ایک دستاویز مہیا کردینے کا خواہاں ہوں۔ حاشا وکلا ثم حاشا وکلا۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اس محبوب وجود کی زبانِ قلم پر جو کچھ جاری ہوا اسے محفوظ ہوجانا چاہیئے۔ اس لئے کہ پھر ایسی چیزیں شاید ہی مل سکیں۔ زمانہ خدا جانے کب سے گردش میں ہے اور کب تک گردش میں رہے۔ عام لوگ بھی پیدا ہوتے رہیں گے اور بلند منزلت شخصیتوں کے ظہور کا دروازہ بھی بند نہ ہوگا، لیکن خیرہ ذوقی و حقیقت ناشناسی کے جس تاریک عہد سے ہم گذر رہے ہیں اسے پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا امید ہوسکتی ہے کہ مولانا کے پایہ کی یا ان سے ملتی جلتی کوئی شخصیت پھر جلوہ افروزِ بزم و انجمن ہوگی۔ اور جو مند ان کے

قیمت چھ روپے

ناشر

کتاب منزل لاہور

مطبع :- علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ۔ لاہور

بھی اللہ تعالےٰ کی رحمت کا کرشمہ سمجھتا ہوں اور تحدیث نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا غالباً غیر مناسب نہ سمجھا جائے گا کہ اتنے مکاتیب بھی بہت کم اصحاب کے پاس ہوں گے نیز ۱۹۱۴ء سے مولانا کی حیات مستعار کے آخری دور تک اس سلسلۃ الذہب کے امتداد کی مثال بھی شاید ہی مل سکے۔

مکاتیب کے علاوہ بھی مولانا کی تحریرات کا خاصا ذخیرہ میرے پاس محفوظ تھا جن میں سے بعض اسی مجموعہ میں شامل کردی گئی ہیں۔ میری کتاب "غالب" ان کے ملاحظہ سے گذری تو فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا مفصل سوانح عمری لکھی جارہی ہے تو بہت سی ضروری باتیں لکھ بھیجتا۔ پھر میں نے ان کے ارشاد کے مطابق کتاب کا ایک نسخہ بیچ میں سادہ اوراق لگوا کر بھیج دیا جو کم و بیش تین سال ان کے پاس رہا۔ جب کبھی فرصت ملتی، وہ سادہ اوراق پر کچھ نہ کچھ تحریر فرما دیتے۔ اس طرح تین سال میں بہت کچھ لکھا گیا جو سب کا سب غالب سے متعلق تھا۔ عادت شریف یہ تھی کہ کوئی مبحث شروع فرماتے تو ضمنی گفتگوؤں کے سلسلے میں مختلف وادیوں کے اندر پھر نکلتے اور ہر تحریر نئے معلومات کا ایک دلآویز مرقع ہوتی۔ میں نے ان تحریرات کو مناسب ترتیب کے ساتھ پیش نظر مجموعہ کا حصہ دوم بنا دیا ہے۔

"حصہ سوم" ان تحریرات پر مشتمل ہے، جو میرے نام نہ تھیں تاہم کسی نہ کسی وجہ سے میرے پاس پہنچ گئیں اور محفوظ رہیں۔ ان ہی میں وہ چند مکاتیب بھی شامل کردیئے گئے ہیں جو خواجہ حسن نظامی مرحوم نے ۱۹۱۶ء میں ایک مجموعہ کے ساتھ چھاپے تھے۔ ان میں سے بعض مکاتیب "الہلال" سے پیشتر کے ہیں اور اس دور کے مکاتیب بہت کم یاب ہیں۔ اندیشہ تھا کہ وہ کہیں ضائع نہ ہو جائیں۔

وجودِ مبارک سے قریباً نصف صدی تک مزین رہی، وہ اسی سج دھج اور اسی شان وشکوہ سے دوبارہ آرائش پاسکے گی۔

ہزار نقد بہ بازارِ کائنات آرند!
کسے بہ سکۂ صاحب عیارِ ما نہ رسد

علاوہ بریں اگرچہ یہ تعداد میں زیادہ نہیں اور اس غرض سے نہ لکھے گئے تھے کہ کبھی اشاعت پذیر ہوں گے تاہم ان میں مولانا کے کمالِ علم وفضل اور یگانگیٔ اسلوبِ تحریر کے بیسیوں نادر مرقعے دیکھے جاسکتے ہیں، نیز مرحوم کے سوانحِ حیات اور فضائلِ اخلاق وعادات کا بھی خاصا قیمتی سرمایہ ان میں موجود ہے ظاہر ہے کہ ایسے مجموعے کا نہ چھپنا اور تلف ہوجانا ہرگز مناسب نہ تھا۔

مکاتیب میں متعدد مقامات تشریح کے متقاضی تھے۔ میں نے اپنے اندازہ کے مطابق جابجا مناسب توضیحی حواشی لکھ دیئے تاکہ خوانندگانِ کرام کو کسی مطلب کے سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔ بعض مقامات پر نام یا الفاظ وفقرات حذف کر دینے پڑے اور ان کی جگہ نقطے لگا دیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح مکاتیب کے نفسِ مطالب پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

اتنا اور عرض کر دوں کہ انتہائی احتیاط واہتمام کے باوجود تمام مکاتیب محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کا ایک حصہ یقیناً ضائع ہوگیا۔ جو قیمتی کتابیں اور دوسری ضروری تحریرات میرے وطن میں پڑی تھیں۔ وہ سب ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہوگئیں اور ایک ورق بھی مجھے نہ مل سکا۔ پھر کم وبیش چار مرتبہ مولانا کو اسیری سے سابقہ پڑا۔ اسا دور میں نامہ وپیام کا انقطاع ناگزیر تھا۔ بہ ایں ہمہ وجوہ جو کچھ محفوظ رہ گیا، اسے

فہرست

ابھی بہت سے مضامین و مقالات کو ترتیب و تہذیب کے بعد شائع کرنا ہے ان میں سے بعض کے مسودات بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہ کام زیادہ غور و کاوش کا محتاج ہے۔ اور اس میں کچھ وقت لگے گا۔

مزید کیا عرض کروں؟ خواجہ شیراز کی زبان مستعار لے کر یہ کہنے کا موقع تو باقی نہیں رہا کہ:-

خیز تا از درِ مے خانہ کشادے طلبیم
بر درِ دوست نشینیم و مرادے طلبیم

اس لئے کہ جس "دوست" کا دروازہ آرزوؤں کا مامن اور مرادوں کا ملتجا تھا، وہ اب ایسی جگہ جا بیٹھا ہے، جہاں موت کی وادی سے گزرے بغیر پہنچنے کی کوئی صورت نہیں۔ البتہ یہ کہہ سکتا ہوں:-

تا بود نسخۂ عطرے دلِ سودازدہ را
از خطِ غالیہ سائے او سوادے طلبیم

مسلم ٹاؤن۔ لاہور
۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۵ء

مہر

حصّہ اوّل

حصہ سوم

(۱)

رجب ۱۳۳۲ھ (مئی ۱۹۱۴ء)

عزیزی الاعز ثبتنا اللہ وایاکم علی جادۃ العلم والعمل

آپ کے دونوں خط[1] پہنچے۔ میں سفر میں رہا اور خط لکھنے کی بالکل مہلت نہیں ملی۔ آج صبح سے اسی کام میں مصروف ہوں۔

الحمد للہ آپ کا جواب میری توقع اور امید کے عین مطابق تھا۔ اگر غفلت طاری نہ ہوئی تو میں آپ کے اندر عظیم الشان مستقبل کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ ہر وقت اسے پیش نظر رکھیے کہ استقامت

---

[1] یہ پہلا نہیں دوسرا مکتوب گرامی ہے جیسا کہ دوسرے پیرے کے پہلے فقرے سے ظاہر ہے۔ افسوس کہ پہلا مکتوب ضائع ہو گیا۔ پہلی جنگ یورپ کے دوران میں مولانا کو صوبہ بنگال سے اخراج کا حکم ملا تھا (۳۰ مارچ ۱۹۱۶ء) اور وہ کلکتہ چھوڑ کر رانچی (صوبہ بہار) چلے گئے۔ وہاں انھیں نظر بند کر دیا گیا اور ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے۔ ان کے بیشتر کاغذات قبضے میں لے لیے گئے تھے۔ انھیں کاغذات میں جماعت "حزب اللہ" کا رجسٹر بھی تھا جس میں تمام ارکان جماعت کے نام اور پتے درج تھے۔ چنانچہ ہر صوبے کی خفیہ پولیس نے اپنے اپنے ہاں کے ارکان کا تعاقب شروع کر دیا۔ میں بھی "حزب اللہ" کا رکن تھا۔ پولیس نے میرے متعلق بھی چھان بین شروع کر دی۔ میں گھر پر موجود نہ تھا۔ عزیزوں نے مولانا کے متعلق میرے تمام کاغذات اور "الہلال" کے ضبط شدہ پرچے بہ نظر احتیاط زمین میں دفن کر دیے۔ خاتمہ جنگ کے بعد یہ کاغذات نکال لیے گئے تو پہلا مکتوب مل سکا۔ وہ بہت مختصر تھا، پانچ چھ سطر سے زیادہ کا نہ ہوگا۔ لیکن اب اس کا کوئی بھی فقرہ ذہن میں محفوظ نہیں۔

اس مکتوب کے ورود کے وقت میں بی اے کی آخری جماعت میں پڑھتا تھا اور خیال یہ تھا کہ امتحان سے فارغ ہو کر مولانا کی خدمت میں پہنچوں گا۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں "الہلال" دو ہزار کی ضمانت ضبط ہونے کے باعث بند ہو گیا۔ میں مئی ۱۹۱۵ء میں امتحان سے فارغ ہوا۔ مولانا نے "البلاغ" جاری کیا نیز جماعت حزب اللہ کے مختلف ارکان کی تربیت کے لیے "دار الارشاد" قائم کر دیا۔ پھر انھیں اخراج اور نظر بندی کی منزل پیش آ گئی۔

وہ نظر بندی سے رہا ہوتے ہی ترک موالات کی تحریک میں مصروف ہو گئے۔ نومبر ۱۹۲۱ء میں انھوں نے جمعیۃ العلماء کے اجلاس لاہور کی صدارت فرمائی۔ یہاں سے واپس کلکتہ پہنچے تو ۹- دسمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار ہو گئے۔ مقدمہ چلا اور ایک سال قید کی سزا ہوئی۔ رہائی کے بعد ان سے بلا واسطہ رابطہ کی نوبت آئی۔

تساہل نہ کیجئے۔ "زمیندار" میں سالک صاحب موجود ہیں اور لاہور میں مزید مدد بھی انھیں مل سکتی ہے لیکن اخبار "خلافت" کے لیے کوئی انتظام نہیں۔ اتنی بڑی رقم اس کے لئے خرچ ہو رہی ہے، جتنی شاید آج تک کسی اردو اخبار کے لیے خرچ نہیں ہوئی، لیکن اچھے ایڈیٹر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی بہتر نتیجہ حاصل نہیں۔ امید ہے کہ حتی الوسع آپ کوتاہی نہ کریں گے۔ وہاں ضرورت فوری ہے مجھے بذریعہ تار جواب دیجئے۔ نیز مسٹر عثمان سوبانی دفتر "بمبئی کرانیکل" بمبئی کو بھی بذریعہ تار اپنی مستعدی اور میرے جانے سے مطلع کیجئے۔

فقیر ابوالکلام کان اللہ لہٗ

---

(۳)

۱۹۲۳ء

محبی فی اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط پہنچا، اللہ تعالیٰ آپ کی نیتوں کو اپنی راہ میں قبول فرمائے۔ خلافت کمیٹی میں آپ کا رہنا نہایت مستحسن تھا، لیکن "زمیندار" کی بقا بھی ضروری ہے اور اگر آپ دیکھتے ہیں کہ اس کے لئے آپ کی خدمات ناگزیر ہیں تو اس کو ترجیح دیجئے، لیکن جو کچھ کیجئے مولوی عبدالقادر صاحب[۵] سے مشورہ کیجئے۔ ان کی رائے عین میری رائے ہے اور ان شاء اللہ وہ کسی ضروری معاملے سے ناواقف نہ ہوں گے۔

سے پہلے پہل نومبر ۱۹۲۱ء میں "زمیندار" میں آیا۔ سالک صاحب میرے آنے سے پیشتر گرفتار ہو چکے تھے۔ پھر میرے عزیز اس تعلق کو جاری رکھنے میں مزاحم ہوئے اور مجبوراً مجھے "زمیندار" چھوڑنا پڑا۔ چند روز بعد دو ہزار کی ضمانت طلب ہوئی اور "زمیندار" پندرہ بیس روز بند رہا۔ ضمانت داخل کر دینے کے بعد دوبارہ جاری ہوا تو عزیزوں کو راضی کر کے میں نے اوائل فروری ۱۹۲۲ء میں پھر زمیندار کی ایڈیٹری سنبھال لی۔ ۱۹۲۲ء کے اواخر میں سالک صاحب ایک سال کی قید پوری کر کے واپس آ گئے تھے لہٰذا مولانا کی رائے یہ تھی کہ مجھے بمبئی چلے جانا چاہیے اور سالک صاحب "زمیندار" کو بخوبی چلاتے رہیں گے لیکن اس زمانے میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم اور مولوی اختر علی خاں دونوں قید تھے وہ حالات ایسے تھے کہ مجھے معذرت کرنی پڑی جیسا کہ مولانا کے اگلے خط سے واضح ہے۔

۵ مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم و مغفور جو اس زمانے میں مجلس خلافت پنجاب کے صدر اور قومی تحریک کے بہت بڑے ستون تھے۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے یہ بھی عرض کیا تھا کہ مولانا عبدالقادر بھی بمبئی جانے کے بجائے میرا یہاں رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ نہ محض موصوف بلکہ ان کے پورے خاندان کے ساتھ مولانا کے تعلقات بہت گہرے تھے۔

اصل کار رہے۔ اگر ایک آدمی فوج کی نوکری قبول نہیں کرتا تو کوئی جرم نہیں لیکن اگر سپاہی بن کے
اور میدان جنگ میں آکر پیچھے ہٹتا ہے تو اس کی سزا موت کے سوا کچھ نہیں ہوتی:

ہاں، رہ عشق است کہ رفتن نہ دارد بازگشت!

جرم را ایں جا عقوبت ہست، استغفار نیست

دریا میں اُترنے سے پہلے سب کچھ سوچ لینا چاہیے لیکن جب اُتر گئے تو پھر موجوں کا شکوہ فضول ہے اور کبھی بھی سنا نہ جائے گا۔ ممکن ہے پہلے ہی غوطے میں خونخوار نہنگوں سے سامنا ہو جائے لیکن جو شخص سمندر میں کودتا ہے، اسے نہنگوں کے وجود سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے:

میں سمجھتا ہوں کہ آپ میری باتوں کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔ بہرحال واقعات بہترین معیار ہمارے ارادوں اور ہماری استقامت کی آزمائش کے لئے ہیں۔ آپ مندرجہ ذیل امور کا جواب دیں۔

۱۔ آپ نے یا آپ کے بزرگوں نے آپ کی تعلیم کے متعلق کیا ارادہ کیا ہے اور کب تک جاری رہے گی؟
۲۔ آپ کے بزرگوں میں سے کون کون بزرگ موجود ہیں؟
۳۔ آپ کو میں اگر کچھ دنوں کے لیے بلاؤں تو معاً آسکتے ہیں یا نہیں؟
۴۔ آپ کی شادی ہو گئی ہے یا نہیں؟

فقیر ابوالکلام

(۲)

۲۴۔ رپن اسٹریٹ کلکتہ
۲۴۔ جولائی ۱۹۲۳ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اخبار "خلافت" روزانہ جو مرکزی خلافت کمیٹی کی جانب سے بمبئی میں جاری ہے آج کل سخت بدنظمی کی حالت میں ہے۔ بدنظمی انتظام اور پریس کی نہیں ہے تحریر اور ایڈیٹری کی ہے۔ اس وقت تک چودھری عبدالغنی ایڈیٹر رہے۔ ان پر مقدمہ چلا ہے اور اب کوئی شخص موجود نہیں۔ تنخواہ نہایت معقول ہے، اتنی جتنی شاید اردو اخبارات میں نہ دی جاتی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بالفعل اس کی ایڈیٹری کا چارج لے لیں۔ اگر کسی وجہ سے لاہور نہ چھوڑ سکیں تو عارضی طور پر ہی سہی لیکن

مطابق احوال وظروف کی خصوصیات" بنا دیا" کی" صاف بعد کو لکھی ہوئی یا پیچھر بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے ؛

۴۔ جس طرح پچھلے دو نمبر ناتمام چھپے۔ اسی طرح اس نمبر میں بھی۔ خلافت کی بحث کے بعد عصمت پاشا کی تقریر کا ذکر تھا۔ یہ پورا حصہ حذف کر دیا ؛

حیران ہوں کہ مضمون کہاں بھیجوں۔ یہ کیسی مصیبت ہے کہ ہندوستان بھر میں ایک اخبار بھی ایسا نہیں، جہاں چار سطریں قرینے سے نکل جائیں۔ بوجوہ میں ہمیشہ "زمیندار" کو ترجیح دینا چاہتا ہوں، چنانچہ "خلافت" بمبئی کو باوجود شدید اصرار کے لقیہ حصہ نہیں بھیجا۔ لیکن افسوس ہے کہ وہاں[1] نہ تو بجز ابتدا کے ایک صفحہ کے گنجائش ہے اور نہ کوئی نگران کار۔ سوچ رہا ہوں کہ اب "ہمدم" کو بھیجوں۔ شاید وہاں کچھ اہتمام ہو[2] ؛

(۵)

"زمیندار" کی جدید ترقی اور تکمیل پر ارکان دفتر مستحق مبارکباد ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ملک پوری گرمجوشی کے ساتھ اس نئے دور کا استقبال کرے گا اور بہت جلد اس کی[3] مقبولیت اور اشاعت اس درجے تک پہنچ جائے گی، جس کا وہ فی الحقیقت مستحق ہے[5] ؛

ابوالکلام

لہ یعنی "زمیندار" میں۔ کہ یہ اس مضمون کا ذکر ہے، جو منصب خلافت کی تشریح پر مولانا نے تحریر فرمایا تھا۔ بہت طویل تھا اور اس میں معاملے کے تمام اطراف پر سیر حاصل بحث فرمائی تھی۔ مضمون کی نگرانی اور تصحیح میں یقیناً تساہل ہوا اور اس کے لیے اسی زمانے میں معذرت کر دی گئی تھی ؛

سے "زمیندار" پہلے ۲۲ × ۱۸ سائز پر چھپتا تھا۔ ۱۹۲۴ء میں ہم نے (مہر، شفاعت اللہ خاں، سالک اور مرتضیٰ احمد خاں میکش) اس کا سائز بڑھا کر ۲۹ × ۲۲ کر دیا۔ مولانا نے یہ اعلان اسی موقع پر بھیجا تھا ؛

کلکتہ سے مولوی محمد اکرم خان صاحب نے "زمانہ" جاری کیا تھا لیکن آج تک اسے کوئی ایڈیٹر نہیں ملا۔ کیا لاہور میں کوئی صاحب اس کام کے لیے اہل مل سکتے ہیں؟

فقیر ابوالکلام

---

(۴)

۱۷ جون سنہ ۱۹۲۴ء

حبی فی اللہ۔ السلام علیکم

میرے مضمون کا "زمیندار" میں جو حشر ہوا، وہ ناقابل برداشت ہے اول تو کتابت اور چھپائی کا یہ حال ہے کہ نصف عبارت ناقابل قرأت ہے پھر جابجا مضمون کے حصص میں اضافہ، کتابت کے اغلاط، کاتب صاحب یا مصحح کی اصلاحات۔

۱۔ ابتدا کے دو ٹکڑوں کا خاتمہ اس پر ہوا تھا کہ "آئندہ حسب ذیل امور پر نظر ڈالی جائے گی" پھر ان امور کی تفصیل تھی۔ "زمیندار" میں صرف "حسب ذیل" تک چھپ گیا۔ اس کے بعد مواد کا حصہ نہ تو اس نمبر کے کسی دوسرے حصے میں آیا اور نہ اس کے بعد چھپا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بعد کے حصے کے ساتھ پہلے حصے کا کوئی ربط باقی نہ رہا۔ یہ کیسا افسوسناک تساہل ہے؟

۲۔ اس کے بعد نیا سلسلہ شروع ہوا تو عبارت ابتدا ہی میں خبط کر دی گئی۔ سب سے مقدم بات یہ ہے کہ "موجودہ ترکی حکومت الخ" کی جگہ عبارت یہ ہے کہ الخ" سے مضمون شروع ہوتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے عبارت اس قدر مسخ ہو گئی ہے کہ اس کے تصور سے اذیت ہوتی ہے۔ تعجب ہے کہ "زمیندار" میں متعدد حضرات اہل قلم موجود ہیں، پھر مضامین کی یوں مٹی پلید کی جاتی ہے۔

۳۔ جابجا کاتب صاحب کی اصلاحات نے عبارت کی رہی سہی نوعیت بھی ختم کر دی "اسلام کی مطابق احوال و ظروف خصوصیات" ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ تو اسلام کی

براہ عنایت "زمیندار" کے خوش نویسوں اور مصححوں تک میری التجا پہنچا دیجئے کہ اس مضمون کے ساتھ خدارا یہ سلوک نہ کیا جائے۔ جو الفاظ و ترکیب اُن کے خیال میں ٹھیک نہ ہوں، انھیں بجنسہٖ نقل کردیں اور شائع ہونے دیں۔ ذمہ داری صاحب مضمون کی ہے نہ کہ کاتبوں اور مصححوں کی۔

اور اگر یہ اصلاحات آپ کی جانب سے یا دوسرے ایڈیٹروں کی جانب سے تھیں تو قطع نظر اس کے کہ یہ میری توقعات کے کس درجہ خلاف ہے، صرف اس پر اکتفا کروں گا کہ اس مضمون میں یا آئندہ کسی میرے مضمون میں ایسی تبدیلیاں نہ کی جائیں مجھے امید ہے بالتصریح میری اس خواہش کے اظہار کے بعد ضرور آپ حضرات اس کا خیال رکھیں گے۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے کئی بار خیال آیا کہ آپ کو تحریر وانشاء کے بارے میں بعض باتیں لکھوں۔ آپ کی ترقی ذوق سے حد درجہ مسرور ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس باب میں مزید پختگی اور انسجام پیدا ہو۔ بہ وقت فرصت انشاء اللہ کبھی لکھوں گا۔ سالک صاحب کو سلام پہنچا دیجیے۔ فقیر ابوالکلام

ملہ یہ مکتوب میرے نام تھا اور آخری سطور میں مولانا نے میری ہی تحریر کے متعلق حسن ظن کریمانہ کا اظہار فرماتے ہوئے مزید پختگی اور انسجام یعنی روانی کی خواہش ظاہر کی تھی، لیکن جس ہدایت نامے کو اُنھوں نے وقتِ فرصت پر ملتوی فرمایا تھا، اس کا موقع نہ ملا۔

یہ بھی عرض کردوں کہ مولانا نے مضمون میں جن تبدیلیوں کی شکایت کی، ان کے ذمہ دار ہم لوگ تھے۔ انگریزی حکومت کی مخالفت کے جوش میں انگریزوں کا طریق خطاب بھی ہمیں یہ سخت ناپسندیدہ معلوم ہوتا تھا چنانچہ "مسٹر" کی جگہ "جناب" لکھتے اور مادادوں کے انگریزی ناموں کی جگہ بھی اپنے وضع کردہ نام استعمال کرتے حالانکہ مولانا کے مضمون میں اس نوع کے تصرفات کا نہ ہمیں حق تھا اور نہ یہ طرز عمل مناسب سمجھا جاسکتا تھا۔ اگلی تحریر بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔

(۶)

۳۰۔ ستمبر ۱۹۲۵ء

جی فی اللہ — السلام علیکم

ایک سلسلہ مضمون بھیجتا ہوں۔ بہت طویل ہو گیا ہے اور ابھی بڑا حصہ مباحث کا باقی ہے۔ اس کی مسلسل اشاعت کا ایسا انتظام کیجئے کہ "زمیندار" کے ہر نمبر میں کافی حصہ نکل جائے اور نامناسب طریقے پر اِدھر اُدھر منتشر ہو کر لطف مطالعہ ضائع نہ ہو جائے۔ مضمون میں جا بجا سرخیاں ہیں اور مباحث کے ٹکڑے ہیں۔ ہر نمبر میں کوشش کی جائے (مضمون) ایسے مقام پر ختم ہو، جس کے بعد سے کوئی نیا عنوان شروع ہوتا ہو اور کوئی ٹکڑہ بیان و بحث کا پورا آسکے۔ مقصود یہ ہے کہ کوئی ٹکڑہ تشنہ نہ رہے۔

مشکل یہ ہے کہ "زمیندار" میں بجز پہلے صفحہ کے گنجائش نہیں۔

مختلف وجوہ سے میرا طرزِ عمل یہ ہے کہ اگر کوئی تحریر لکھوں تو صرف "زمیندار" ہی میں بغرضِ اشاعت بھیجوں۔ لیکن پچھلی دفعہ ایک تحریر سی آر۔ داس کی نسبت بھیجی تھی۔ اِس میں نہیں معلوم "زمیندار" کے خوش نویس صاحب نے یا مصححین نے یا ایڈیٹر والے نے جا بجا اس قدر تبدیلیاں کر دی تھیں کہ کسی طرح بھی انھیں اتفاقی سہو کتابت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

صاف معلوم ہوتا تھا کہ جو ترکیب و الفاظ ان کی سمجھ میں غلط یا غیر فصیح ہوتے انھیں بطور اصلاح بدل دیا گیا۔ حتیٰ کہ بعض مقامات میں تو پورے جملے کی نشست ہی مسخ ہو گئی۔ علاوہ بریں جہاں کہیں مسٹر یا ہیجس لیٹو کا ونسل کا لفظ آیا تھا وہاں "جناب" اور "مجلسِ شوریٰ" کر دیا گیا تھا۔ مثلاً جناب داس، جناب ٹیگور اور مجلسِ شوریٰ بنگال۔

(۸)

۱۱۔ بالی گنج سرکار روڈ کلکتہ

۳۱۔ مارچ ۱۹۳۶ء

السلام علیکم   جی فی اللہ

کئی دن سے خیال کر رہا تھا آپ کو خط لکھوں۔ اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ دہلی کے مشورہ کے مطابق "زمیندار" میں اعلان کر دیا گیا اور دو طرفہ سلسلہ بند ہو گیا۔ جیسا کہ میرا خیال تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ طرفِ ثانی کے لیے گنجائش باقی نہ رہی اور نزاع ختم ہو گئی۔ ویسے بھی مجھے امید دلائی گئی تھی کہ آئندہ "ہمدرد" میں اس جھگڑے کو طول نہ دیا جائے گا۔[1]

---

[1] جھگڑے سے اشارہ اس بحث و نزاع کی طرف ہے جو "زمیندار" اور "ہمدرد" میں سلطان عبدالعزیز ابن سعود فرمانروائے نجد کے ملک الحجاز بن جانے پر چھڑ گئی تھی۔ مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی رائے یہ تھی کہ حجاز کا انتظام ایک بین الاقوامی اسلامی مجلس کے حوالے کیا جائے اور اس مقدس خطے کو جس میں حرمین شریفین واقع ہیں، حکمرانوں کی کشاکش سے باہر رکھا جائے۔ مجلس خلافت نے بھی اسی مضمون کی قرارداد منظور کر رکھی تھی۔ سلطان ابن سعود نے حجاز کو شریفی خاندان سے نجات دلا دی تو خود اہل حجاز کے اصرار پر اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو حرم پاک میں اس کی بادشاہی کی بیعت ہو گئی۔ سلطان کہتا تھا کہ عالم اسلام کے بعض حصے اجنبیوں کے تابع ہیں۔ مثلاً ہندوستان پر انگریز مسلط ہیں اور مصر بھی انگریزوں کے تابع ہے۔ ان اقطاع کے مسلمان ایک آزاد خطے کا انتظام سنبھالنے یا اس انتظام میں شریک ہونے کے اہل نہیں۔ البتہ انتظامات حج کی سہولتوں کے سلسلے میں دنیائے اسلام کوئی مجلس بنا لے تو اس کے مناسب مشوروں کو جامۂ عمل پہنانے کا بندوبست ضرور ہو جائے گا اور سلطان کی

(۷)

کاتب صاحب اور مصحح صاحب سے گذارش۔

۱۔ براہ عنایت مضمون میں کسی طرح کی اصلاح نہ فرمائیں۔ اگر کوئی ترکیب اور لفظ آپ کی تحقیق میں غلط یا غیر فصیح ہو تو اس کی ذمہ داری صاحب مضمون پر ہے، آپ پر یا اخبار پر نہیں ہے۔ اس کی تصحیح نہ کی جائے۔ سکوت ممکن نہ ہو تو حاشیہ پہ تصحیح کردی جاتے لیکن خدارا اصل عبارت میں کانٹ چھانٹ نہ ہو۔

۲۔ مضمون میں اگر کوئی انگریزی لفظ آیا ہے تو براہِ عنایت اس میں بھی تبدیلی نہ کی جائے۔ مثلاً اگر کہیں کمیٹی ہے تو اسے مجلس نہ کر دیجیے۔ مسٹر ہے تو اسے جناب سے نہ بدل دیجیے۔

۳۔ "کہ" "کے" اور "کو" کے استعمال کی جو صورت تراکیب میں ہو اس کی بھی اصلاح نہ کیجیے۔ مثلاً اگر کہیں آپ "کو" "کہ" بیانیہ چھوٹا نظر آتے تو اسے غلطی کتابت نہ سمجھیے، قصداً چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسی طرح رہنے دیا جائے یا مثلاً اس طرح کی اصلاح نہ کر دیا کیجیے کہ "جس کے کام کو مقاصد کے مطابق پاتے ہیں" یہاں "کو" قصداً نہیں بولا جاتا۔ سہو نہیں ہے۔ یا مثلاً اس جملے میں کہ "حقیقتِ حال بالکل منقلب کر دو" حقیقت حال کے بعد "کو" نہ بڑھا دیجیے۔

۴۔ مثال دینا مشکل ہے اس سے پہلے سی۔ آر۔ داس والا مضمون اصلاحات و تغیرات سے چھلنی ہو چکا ہے پس براہ کرم میرے مضمون کی غلطیاں درست نہ کی جائیں بجنسہٖ نقل ہو۔ امید ہے اس کا اب پوری طرح خیال رہے گا۔

ابوالکلام

میں نے ایک مختصر اطلاع پریس میں دے دی ہے۔ بالفعل اس قدر کافی ہے بس آپ بھی اس اطلاع سے زیادہ شائع نہ کریں۔ مندرجہ صدر تفصیلات آپ کو شخصاً لکھ رہا ہوں۔ ان امور وافکار کی بالفعل اشاعت نہیں کرنی چاہیے۔ ممکن ہے مؤتمر پر ایک تحریر لکھ کر بغرض اشاعت آپ کو بھیج دوں کیونکہ اس مقصد قدیم وعظیم کے متعلق بہت کم صحیح خیالات قائم کرنے کا لوگوں کو موقع ملا ہے۔

میرے اس خیال کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے کہ صحیح طور پر افکار ومقاصد کے واضح نہ ہونے سے یہ تمام الجھاؤ پیدا کر دیا۔ اگر امیر ابن سعود پر ابتدا ہی میں یہ طریق صحیح واقع ہمارا مسلک واضح ہو جاتا، تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ غیر مطمئن ہو کر مستعجل ہو جاتا۔ فی الحقیقت انتظار میں خود اس کا اور تمام عالم اسلامی کا فائدہ تھا۔ اب بھی اگر افہام وتفہیم کا سلسلہ جاری رہے تو حالات اپنا صحیح مجریٰ اختیار کر لے سکتے ہیں۔

میں سر دست مولوی عبدالرزاق صاحب کو بھیج رہا ہوں اور انشاء اللہ اگر توفیق الٰہی ساز گار ہوئی تو ذی قعدہ تک خود بھی قصد کروں گا[۱]۔

مولوی ظفر علی خاں صاحب اگر لاہور میں ہوں تو سلام شوق پہنچا دیجئے اور کہیے حسب وعدہ ۱۹۔ اپریل کو دہلی میں مرکزی خلافت کمیٹی کا اور ۱۸۔ کو ورکنگ کمیٹی کا جلسہ قرار پایا ہے۔ تاکہ کاونسلوں کے معاملے پر اور ملک کے اندرونی تعمیری کاموں پر غور کرے۔ اب آپ کی سعی وتدبیر کا "نقطۂ ماسکہ" یہ ہونا چاہیے کہ تمام

---

[۱] مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اس سال حجاز گئے تھے۔ مولانا نہ جا سکے۔ البتہ مولانا محمد علی مرحوم، مولانا شوکت علی مرحوم، مولانا محمد عرفان مرحوم، محترم شعیب صاحب قریشی ایک وفد کی صورت میں حجاز گئے تھے اور حج کے موقع پر مؤتمر میں شریک ہوئے تھے یہاں صرف یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عالم اسلام کی کوئی نمائندہ مجلس ترتیب نہ پا سکی اس کے وجوہ واسباب کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

میں نے جو آخری خط براہِ راست امیر ابن سعود کو بھیجا تھا[۱] اس کے جواب میں ایک تار ملا ہے۔ غالباً خط متعاقب آرہا ہوگا۔ موتمر کرنے کے لیے وہ مستعد ہیں تاکہ وہ حجاز کی اصلاح و ترقی و حفاظت پر غور کرے۔ ۲۰ ذی قعدہ (۱۳۴۴ھ) یعنی ۲۔ جون (۱۹۲۶ء) تاریخ قرار دی ہے باقاعدہ دعوت مختلف ممالک و جماعات کو بھیجی جا رہی ہے۔ میں آج انھیں ایک مفصل ٹیلی گرام بھیج رہا ہوں اور چاہتا ہوں خلافت کمیٹی کی جانب سے بہ غرض تشویق و ترغیب مصر، افغانستان، ترکی، ایران وغیرہ بلاد اسلامیہ کو پیغامات بھیجے جائیں۔ وقت کم ہے اور ابھی موتمر کے دائرہ بحث کا مسئلہ مزید وضاحت طلب ہے۔ تاہم کم سے کم آئندہ حج کے موقع پر ایک ابتدائی کانفرنس منعقد کی جاسکتی ہے؛ جو مجوزہ موتمر کا باقاعدہ فیصلہ کرے۔ اس کے لیے ایک اسٹینڈنگ کمیٹی کا انتظام ہو اور آئندہ حج کے موقع پر مطلوبہ درجہ اہمیت اور اجتماع کی کانفرنس منعقد ہو سکے۔ اسلام کی بین القومی موتمر بجائے خود اس درجہ اہم معاملہ ہے کہ دفعتہً اس کا وجود میں آجانا ممکن نہیں۔ تدریج و ترتیب ناگزیر ہے۔ اس سال اگر بنیاد پڑ جائے اور ایک باقاعدہ ابتدائی کانفرنس ہو جائے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

حکومت اس مجلس سے پورا تعاون کرے گی۔ "زمیندار" میں جو کچھ لکھا جاتا تھا اس کا مفاد یہ تھا کہ سلطان کی مخالفت کے بجائے افہام و تفہیم اور تعاون سے اصلاحی قدم اٹھایا جائے مولانا نے اور بعض دوسرے اکابر نے فرمایا تھا کہ "زمیندار" میں رد و کد کا سلسلہ بند کر دیا جائے اس پر عمل ہوا اور معاملات روبہ اصلاح ہونے لگے

[۱] امیر ابن سعود سے سلطان عبدالعزیز مرحوم بن عبدالرحمٰن آل سعود مراد ہے۔

دونوں طیار ہیں۔ میں نے کہا اگر واقعی ایسا قصد ہے تو دو باتوں پر غور کر لینا ضروری ہے: اول یہ کہ کوئی طریقہ عمداً ایسا اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے "زمیندار" کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ مہر صاحب اور سالک صاحب کو چاہیے، مولوی ظفر علی خاں صاحب سے گفتگو کر کے باہمی رضامندی کے ساتھ علیحدہ ہوں۔ ثانیاً ایک کافی رقم کا انتظام ضروری ہے۔ بغیر اس کے اخبار نکال دینا صحیح نہ ہوگا۔ اول الذکر معاملے کے متعلق اُنھوں نے جو کچھ کہا وہ قابلِ اطمینان نہ تھا۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ مہر صاحب کو بُلا کر ان سے بھی گفتگو کر لی جائے۔ انھوں نے آپ کو تار بھی بھیجا تھا، لیکن آپ نہ آسکے۔ اب پھر فیروز پور سے ان کا خط آیا ہے کہ اس کا فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ میں نے ضرورت محسوس کی کہ انھیں جواب دینے کے ساتھ یہ راہ راست آپ کو بھی لکھوں۔ آپ کو یاد ہوگا ستمبر میں جب آپ دہلی میں ملے تھے تو آپ نے مولوی عبدالقادر کی زبانی مجھ سے مشورہ چاہا تھا اور میں نے یہی رائے دی تھی کہ سر دست "زمیندار" میں مشغولیت جاری رکھی جائے تا آنکہ کوئی بہتر صورت نکل آئے۔ میں بھی آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ:۔

۱۔ زمیندار سے ایسی حالت میں علیحدہ نہیں ہونا چاہیے کہ "زمیندار" کو نقصان پہنچے۔ علانیہ گفتگو کر کے اور مناسب انتظام کے بعد علیحدہ ہونا چاہیے۔

۲۔ میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی کہ آپ کو بالاستقلال اپنی کسی صحیح اور ترقی کناں مشغولیت میں دیکھوں۔ اگر روزانہ اخبار کے اجراء کا مصمم ارادہ کر لیا ہے تو اس میں شک نہیں، ملک کو اس وقت جن چیزوں کی نہایت سخت ضرورت ہے اُن میں اولین روزانہ اخبارات ہیں۔ اردو میں اس وقت تک روزانہ اپنے کمتر سے کمتر معنوں میں بھی وجود پذیر نہ ہو سکا۔ دہلی سے ایک اچھا اخبار نکل سکتا ہے۔ میں وقت کے تقاضے سے مجبور ہو کر ارادہ کر چکا ہوں کہ کسی نہ کسی طرح چند اخبارات جاری

ممبران پنجاب اکثرہم اللہ تعالیٰ) شریک ہوں اور غور وفکر کے بعد مسائل کا فیصلہ کریں۔ مجھے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ مناسب فیصلہ ہو جائے گا۔ جو گفتگو اس باب میں دہلی میں ہوئی تھی وہ کفایت کرتی ہے، ضرورت اعادہ نہیں:

امید ہے آپ بھی اس موقع پر دہلی آئیں۔ یقین کریں کہ آپ کو عزیز رکھتا ہوں اور متمنی ہوں اللہ تعالیٰ مزید توفیق علم وعمل دے اور خدمات شائستہ قوم وملت کا وسیلہ بنائے۔ والعاقبۃ للمتقین۔ سالک صاحب کو بھی سلام پہنچائیے امید ہے بہ عافیت ہوں گے:

فقیر ابوالکلام

(۹)

کلکتہ ۱۹۔ جنوری ۱۹۲۷ء

جی فی اللہ السلام علیکم

ایک عرصے سے شفاعت اللہ خاں صاحب کہہ رہے ہیں کہ ان میں، آپ میں اور سالک میں کوئی مشورہ ہوا ہے اور مصمم قصد ہے کہ لاہور یا دہلی سے ایک روزانہ اخبار مشترکہ کوشش سے جاری کیا جائے۔ جب پچھلے دنوں میں نے دہلی جانے کا قصد کیا تھا تو میں نے ان سے کہا تھا میں خود تو اس کی ذمہ داری نہیں لوں گا، لیکن جس قدر مدد دے سکتا ہوں، دوں گا لیکن وہ وقت مع اپنے ارادوں کے نکل گیا۔ اس مرتبہ جب دہلی میں وہ ملے تو انھوں نے کہا کہ اس بارے میں وہ بہت کچھ طیاریاں کر چکے ہیں اور آپ اور سالک صاحب

(۱۰)

۲۷ء

عزیزی السلام علیکم

خط پہنچا۔ رمضان نے مہلت نہ دی کہ بہ اطمینان جواب دیتا آج عید ہے یہ پہلا خط آپ کے جواب میں لکھ رہا ہوں۔ افسوس ہے آپ نے اجتنبوا کثیرا من الظن ، ان بعض الظن اثم الخ کی تعمیل ضروری نہ سمجھی۔ آپ کے خط کے مجموعی اسپرٹ نے میرے لئے تعجب و افسوس دونوں کا باعث ہوئی ۔

آپ نے پہلے بطور خود یہ مقدمہ فرض کرلیا ہے کہ میں نے آپ کے کسی خط کا جواب نہیں دیا۔ پھر بہت سے عقائد و اصول اس پر متفرع کرتے چلے گئے ہیں سب سے پہلے یہ بات صاف ہونی چاہیئے کہ خط کے جواب نہ دینے سے مقصود کیا ہو اگر خط سے مقصود وہ خط ہے جو میرے خط کے جواب میں آپ نے غالباً جنوری میں بھیجا تھا تو یہ قطعاً غلط ہے کہ میں نے اس کا جواب نہیں بھیجا۔ جس دن وہ خط پہنچا ہے اسی دن میں نے جواب لکھا ہے اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دوسرے دن روانہ کردیا گیا ہے اور اگر جواب نہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ اس خط میں میں نے دہلی آنے اور آپکو بذریعہ تار اطلاع دیکر بلوانیکا جو وعدہ کیا تھا، اس میں تاخیر ہوئی تو اس میں شک نہیں کہ ضرور تاخیر ہوئی لیکن قصداً نہیں ہوئی۔ کانگرس اور لیگ کی مفاہمت میں جانا ضروری تھا اور سمجھتا تھا کہ اس موقع پر آپ سے بھی بسہولت ملاقات ہوجائے گی لیکن کلکتہ میں پریس کے انتظامات نے مہلت نہ دی۔ پھر بعض اعزہ کی علالتوں سے پریشانی رہی۔ اس کے بعد رمضان آگیا سفر میں روزہ رکھ نہیں سکتا اور ترک طبیعت پر شاق گزرتا ہے، اس لیے سفر پر طبیعت مائل نہ ہوئی اور اسی لئے آپ کو بلانے کا بھی موقع نہیں نکلا ۔

کر دیجیے جائیں۔ بالفعل کلکتہ سے روزانہ اخبار جاری کر رہا ہوں اور دہلی سے اجرا کا سامان ممکن ہے۔ آپ اور سالک صاحب نے شفاعت اللہ خاں صاحب سے مل کر اگر یہ کام کرنے کا ارادہ کر لیا ہے تو بالتفصیل لکھیے۔ اس کے بعد میں لکھوں گا کہ کونسی صورت پیش نظر ہے۔

مولوی شفاعت اللہ خان کو بھی لکھ رہا ہوں۔ کاتبوں کی ضرورت کا کلکتہ اور لکھنؤ سے انتظام ہو چکا ہے لیکن اگر کوئی اچھا خوش نویس پنجاب سے آنے کے لئے طیار ہو تو ضرور لکھئے۔[1]

فقیر ابوالکلام

---

[1] ابتدا میں "زمیندار" سے علیحدگی کا خیال بھی نہ تھا اس لیئے کہ مقصود خدمت تھا اور اس کے لیئے "زمیندار" میں مناسب ذرائع موجود تھے۔ پھر آہستہ آہستہ حالات نے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، ایسی صورت اختیار کر لی کہ ہمارے لیئے "زمیندار" سے تعلق قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔ شفاعت اللہ خاں صاحب بہت پہلے الگ ہو چکے تھے۔ سالک صاحب نے رخصت لے لی تھی اور میں نے بھی رخصت کے لیئے درخواست دے دی تھی۔ مولانا ظفر علی خاں کو ہماری علیحدگی منظور نہ تھی لیکن وہ خواہش و عزم کے باوجود حالات کی درستی پر بھی قادر نہ تھے۔ میں نے اور سالک صاحب نے تو آخر میں فیصلہ کر لیا تھا کہ نیا اخبار جاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ہمیں "زمیندار" کو چھوڑ کر علمی و ادبی مشاغل اختیار کر لینے چاہئیں۔ مارچ ۱۹۲۷ء میں اچانک ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ ہم دونوں کو بیک وقت استعفیٰ دینا پڑا۔ اس کے بعد ہماری خواہش اور مشورے کے بغیر باقی عملے کا بیشتر حصہ بھی مستعفی ہو گیا۔ عملے میں ایڈیٹر اور مترجم بھی تھے اور کاتب بھی۔ یہ ذمہ داری سر پر آ پڑی تو آٹھ روز کے اندر اندر ہم نے "انقلاب" کے اجرا کا بندوبست کر لیا۔ جس کا پہلا پرچہ ۲ اپریل ۱۹۲۷ء کو شائع ہوا۔ ان مشغولیتوں میں مجھے مولانا کے گرامی نامے کا جواب دینے کی فرصت نہ مل سکی۔

نئی قسم کی غیر متوقع اسپرٹ کا اظہار میرے لئے تکلیف دہ ہوا۔ ممکن ہو تو مجھے اس کا سبب بتلایئے۔ کم از کم یہ تو معلوم کر لوں کہ میری کن باتوں سے یہ اثرات آپ پر طاری ہوئے؟ آپ نے یہ بھی نہیں لکھا کہ نئے اخبار کا انتظام کیوں کر ہوا ہے اور کہاں تک ہوا ہے۔ اگر کوئی امر مانع ہو تو اسکی تفصیلات بھی لکھیئے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ علیحدگی کے بعد اب "زمیندار" سے کسی طرح کے رقیبانہ طرزِ عمل کا رکھنا ہر اعتبار سے غلط اور مضر ہوگا۔ اخبار تجارت بھی ہے اور قومی خدمت بھی۔ تجارت کا حال معلوم ہے کہ ایک ہی بازار میں کپڑے کی بیس دکانیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی جلی ہوتی ہیں اور ہر صاحبِ دوکان اپنا رزق حاصل کر لیتا ہے قومی خدمات کے اعتبار سے تو تعداد و کثرت محمود و مطلوب ہے نہ کہ موجب تحاسد و نزع، پھر کیوں نزع و مخالفت ہو؟

مولوی ظفر علی خاں صاحب نے "زمیندار" میں جو کچھ لکھا ہے، وہ میری نظر سے گزرا ہے اگر وہ اس طرزِ عمل پر قائم رہے تو یقیناً تعریف و تحسین کے مستحق ثابت ہونگے۔

آپ نے "پیغام" کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں میرے مضامین نہیں نکلے اس لئے لوگوں کو اس پر توجہ نہ ہوئی۔ یہ بات نہیں ہے۔ مضامین کی اشاعت بغیر اس کے بے محل ہے کہ وہ ابتدائی مراحل سے گزر جائے اور کافی حلقۂ اشاعت پیدا ہو جائے۔ اب بتدریج شائع ہونگے۔ اسے قلتِ اشاعت کی شکایت نہیں ہے۔ اشخاص کی قلت موجب تعب ہے[1]

ابوالکلام

---

[1] اب بالکل یاد نہیں آتا کہ میں نے کیا لکھا تھا اور کس وجہ سے یکایک ایسا انداز اختیار کیا جسے مولانا رحمہ جیسی شفیق شخصیت نے خلافِ توقع قرار دیا لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شفقت و نوازش کے بھروسے پر کوئی نالائقی سرزد ہوئی ہوگی۔ نیز یہ پہلا مکتوب ہے جس میں مولانا نے از راہِ شفقت "عزیزی" کہکر شرفِ امتیاز بخشا۔ اس سے پیشتر وہ تمام مکاتیب میں (بہ استثنائے مکتوب اوّل) جی فی اللہ کہہ کر خطاب فرماتے رہے اور خط و کتابت میں ان کا عام طریقہ یہی تھا۔

بالفرض قصداً تاخیر ہوئی لیکن پھر بھی وہ نتائج کہاں سے اخذ کئے گئے جنکے بیان میں آپ نے اس قدر ادیبانہ سرگرمیوں کا اسراف کیا ہے؟ داد و دہش کی نمائش، کاسۂ گدائی، آپکی امداد و اعانت کی حقیقت، رائیگاں بخششی، دستِ سوال اور کیا کیا ترکیبیں ہیں، جو اس عجیب و ضخیم خطاب میں صرف کی گئی ہیں۔ بھلا کاسۂ گدائی اور دستِ سوال کا اس سے کیا علاقہ اور خدیو داد و دہش کی نمائش کا یہاں کیا سوال؟ اگر میں نے داد و دہش کی نمائش کی ہوتی تو آپ کو حق تھا کہ اس نمائش پر ملامت کرتے اور اس کی "حقیقت" معلوم کر لینے پر سجدۂ شکر بجا لاتے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ موجودہ صورتِ حال کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ کس نے نمائش کی؟ کس نے امداد کا اظہار کیا؟ میں نہیں سمجھ سکتا کن تاثرات نے آپ کو اس طرزِ کلام پر مائل کیا؟ یا تو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یا کوئی خاص حالت آپ پر طاری ہو گئی ہے۔ مجھے آپ سے یکایک اس طرزِ کلام کی اُمید نہ تھی۔ میں آپکا خط واپس بھیجتا ہوں۔ ممکن ہے آپ غور کر سکیں کہ کن خیالات و تاثرات کے ماتحت یہ اسلوبِ بیان پیدا ہوا؟

باقی رہا "زمیندار" سے علیحدگی اور اخبار کے اجراء کا معاملہ، تو اس میں شک نہیں میرے خیال میں وہی صورت زیادہ مناسب تھی جو میں نے آپ کو لکھی تھی۔ اسمیں ضرورت اور معیشت سے زیادہ مقصد کا عنصر کام کر رہا تھا۔ لیکن اب کہ آپنے علیحدہ ہو کر فوراً نہ صرف اخبار کا انتظام شروع کر دیا ہے، شاید یہ مشورہ بعد از وقت ہو۔ یہ حالات ادھر کیا پیش آئے؟ مجھے معلوم نہیں، البتہ یہ حقیقت واضح تھی کہ "زمیندار" کا تعلق چل نہیں سکتا تھا۔ بہتر تھا کہ کسی بہتر اور اقرب الی المقصد طریقِ عمل کے حصول کے بعد یہ قدم اُٹھایا جاتا، مگر اب جبکہ اُٹھ چکا ہے تو بجز اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ خدا آپ کو کامیاب فرمائے۔ البتہ اجراء کار کے بعد بھی اگر ممکن ہو تو اس مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کیجئے۔ آپ یقین کیجئے میں آپ کو عزیز رکھتا ہوں اور اس لئے آپ کی جانب سے یکایک ایک

اخبارات میں فوائد اور دلچسپی کی اتنی باتیں ہوتی ہیں کہ اگر کسی ایک اخبار ہی سے کالم نصف کالم کا مواد اخذ کر لیا جائے تو اُردو روزانہ کے دو تین کالموں کے لئے بہترین ذخیرہ مہیا ہو جا سکتا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ تو یہ ہوگا کہ دس پندرہ روپے ماہوار کا خرچ گوارا کر کے انگلستان کے چند رسائل اور اخبارات منگوا لیئے جائیں لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو خود ہندوستان کے انگریزی اخبارات کافی ہیں۔ "اسٹیٹسمین" "انگلش مین" "ٹائمز" "آف انڈیا" "مدراس ٹائمز" اور "پایونیر" میں بے شمار چیزیں کام کی ہوتی ہیں اور اُردو اخبار کا ایک قلم بھی انھیں مس نہیں کرتا۔ خصوصاً "اسٹیٹسمین" اور "انگلش مین" کے ہفتہ وار پرچوں میں تو اس قدر مفید معلومات ہوتی ہیں کہ صرف انھیں کا اقتباس ہفتہ بھر تک کام دے سکتا ہے۔

اُردو میں صرف ترجمہ اور اقتباس سے اس قدر مفید اور دلچسپ اخبار بن سکتا ہے کہ اس کا ہر نمبر پڑھنے والوں کے لئے فوائد و معلومات کا ایک درس ہو۔

عام مسلمانوں کو بلاشبہ سیاسی و معاشرتی معلومات سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے لیکن اگر ہماری اخبار نویسی مقاصد سے خالی نہیں ہے تو ہمیں پیدا کرنی چاہیئے۔ عوام کی دلچسپی کی چیزیں لکھی جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مفید سیاسی معلومات بھی ان تک پہنچا دی جائیں۔ دنیا کے ہر گوشہ میں زمانہ کی رفتار تیز ہے، ہندوستان کیلئے سست نہیں ہو سکتی یہاں بھی وقت تیزی کے ساتھ نکل جائے گا۔ اور مسلمان اس منزل پر بہت جلد اپنے آپ کو پائینگے جہاں خود ہندوستان کی اسلامی زندگی کے لئے انھیں اپنی عدم استعداد پر متاسف ہونا پڑیگا ضرورت ہے کہ لوگوں میں مسائل و حوادث کے فہم و نظر کا صحیح سیاسی ذوق پیدا ہو جائے اور ایسی چیزیں ان کی معلومات میں لائی جائیں جن سے ان کی ذہنیت میں بلندی و متانت پیدا ہو، دنیا کی عام سیاسی و معاشرتی حالت، دنیا کی مختلف قومی تحریکات، علمی و تمدنی تغیرات، مغرب و مشرق کی کشمکش ... گوشے مشرقی ممالک و اقوام کی نئی سرگرمیاں اور اسی

(١١)

١٦ر اپریل ۱۹۲۷ء

عزیزی   السلام علیکم

پچھلے خط کا جواب آپ نے اب تک نہیں بھیجا۔ غالباً اخبار کے اہتمام میں مشغول ہیں، میں نے مولوی عبدالرزاق صاحب سے کہہ دیا تھا کہ آپ کے نئے اخبار کے جتنے پرچے آئیں فائل بنا کر رکھ دیں تاکہ میں بوقت فرصت دیکھ سکوں۔ آج شب کو دیکھنے کی مہلت ملی۔ اس وقت نماز صبح کے بعد قلم اٹھایا تو سب سے پہلے یاد آئے۔ چند امور جو ذہن میں آئے لکھتا ہوں۔

۱۔ "انقلاب" کے پانچ نمبر تھے جو میری نظر سے گزرے۔ آپ نے "زمیندار" سے الگ ہو کر نیا اخبار جاری کیا، لیکن اس سے زیادہ کوشش نہ کی کہ "زمیندار" کی ہو بہو ایک دوسری شکل ہو۔ جہاں تک مسلک کا تعلق ہے، ضرورت نہ تھی کہ کسی تغیر کا اعلان کیا جاتا۔ لیکن کوشش کرنی تھی کہ اس سطح سے نسبتہً بلند سطح لوگوں کے سامنے آئے جو "زمیندار" کی قائم ہو چکی ہے۔ جہاں تک روزانہ اخبار کا تعلق ہے اُردو میں اس وقت تک کوئی بلند کام انجام نہیں پایا اور سعی و تلاش کا پورا میدان باقی ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی محنت گوارا کریں تو کم از کم زمیندار کی سطح سے ایک بلند سطح قائم ہو جائے اور جو لوگ "زمیندار" خریدتے ہیں، وہ بھی "انقلاب" کی ضرورت محسوس کریں۔

مثلاً اس پر قناعت نہ کیجیے کہ تار کی خبروں کا ترجمہ کر دینے اور ایڈیٹوریل صفحے کے لکھ دینے کے بعد ایڈیٹوریل اسٹاف کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ مواد اخبار میں ہونا چاہیے اور اس کا بآسانی انتظام ہو سکتا ہے۔ عام انگریزی

لکھا کرتے ہیں۔ پہلے صفحے کی گنجائش اچھی خاصی ہے، جو نصف کے قریب لوح میں ضائع چلی جاتی ہے۔ اس میں گنجائش نکالئے اور کم از کم دو تین کالم اس قسم کے تراجم و مطالب کے لئے مخصوص کر دیجئے۔ [۱]

۲۔ آپ نے یہ بہت ہی بہتر کیا کہ باوجود "زمیندار" سے علیحدگی کے تلخ حالات کے، کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس سے چشمک و رقابت پائی جاتی ہو۔ امید ہے آئندہ بھی شدت کے ساتھ اسی مسلک پر قائم رہیں گے۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے بھی "زمیندار" میں مخالفت کی جگہ موافقت و مساعدت کی اسپرٹ ظاہر کی۔ مجھے امید ہے کہ وہ بھی اس پر قائم رہیں گے۔

۳۔ باوجود آپ کی کوشش و محنت کے مجھے اندیشہ ہے کہ آپ نے علیحدگی اور اجراء اخبار میں جلدی کی۔ خدا کرے جلد از جلد آپ کامیاب ہوں۔ اب چونکہ اخبار جاری ہو چکا ہے، اسے جاری ہی رہنا چاہئے اور راہ کی تمام مشکلات دور کرنی چاہئیں۔ اگر آپ نے اپنے حالات لکھے تو جو کچھ سمجھ میں آئے گا، لکھوں گا۔ [۲]

---

[۱] مولانا نے اردو اخبار نویسی کے متعلق ۱۹۲۶ء میں جو کچھ فرمایا تھا، وہ میرے نزدیک آج بھی اتنا ہی مفید اور قابل عمل ہے جتنا کہ پہلے تھا۔ "انقلاب" یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ اس نے ان گراں قدر ارشادات پر پورا پورا عمل کیا، لیکن اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ "انقلاب" نے خالص سیاسی، انتظامی اور دستوری مسائل پر مفصل مباحث کا آغاز کیا۔ ترک موالات کے دور میں جن جذباتی مضامین و مقالات کا عام رواج ہو چکا تھا، ان کی جگہ ٹھوس قومی اور ملکی مباحث کی طرح "انقلاب" ہی نے ڈالی اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ صرف تحدیث نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا غالباً بیجا نہ سمجھا جائے گا کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے "انقلاب" کی آواز کو پذیرائی کا شرف بخشا۔

[۲] "انقلاب" کے اجراء کی پوری تفصیل، یہاں تک کہ فراہمی سرمایہ کی کیفیت بھی میں نے مولانا کی خدمت میں عرض کر دی تھی۔

طرح کی ضروری معلومات سے اگر مسلمانوں کے اخبارات خالی رہیں تو یہ ان کی ذہنی پستی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگا۔

اس سے بھی بڑھ کر روزانہ اخبارات کے لئے لکھنے کی جو چیزیں ہیں وہ ملک کی سیاسی حالت و نوعیت ہے۔ ہندؤں کے مقابلے میں بہ حیثیت جماعت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ان کے (ہندؤں کے) عوام ملک کی سیاسی حالت سے جس قدر واقفیت رکھتے ہیں اس قدر ہمارے (مسلمانوں کے) خواص بھی نہیں رکھتے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اگرچہ ہندؤں کے مقابلے میں شور و غل بہت مچایا جاتا ہے۔ لیکن سیاسی مقابلہ و کشاکش کی صحیح استعداد پیدا کرنے کی کوئی فکر نہیں کرتا۔ ہندوستان جدید سیاسی اور کانسٹی ٹیوشنل زندگی اختیار کر چکا ہے۔ آئندہ جو کچھ بھی ہوگا، نیابتی اور انتخابی اصولوں پر ہوگا اور زندگی کے ہر میدان میں وہی جماعت کامیاب ہوگی جو سیاسی زندگی کے لئے صحیح اور طاقتور لوائے نامہ اپنے ساتھ رکھے گی۔ نوکریوں اور ترقہ وارانہ حقوق کا تمام تر دارومدار اسی پر ہے۔ بس ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کی سیاسی تعلیم و ترقی کے لئے بہ کثرت مضامین لکھے جائیں۔ انھیں بتلایا جائے کہ ہندوستان کا نظامِ حکومت کیا ہے؟ مستقبل کے تغیرات کیا کیا متوقع ہیں؟ دنیا کے موجودہ سیاسی اصولِ مملکت کس طرح ہندوستان پر منطبق ہوسکتے ہیں۔ نیابتی اور انتخابی اصولوں سے کیا مقصود ہے؟ اور مسلمان کیونکر ہندوستان میں ایک طاقتور نیابتی زندگی حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ مباحث اس قدر سہل اور پیش پا افتادہ ہیں کہ بغیر کسی محنت و کاوش کے لکھے جا سکتے ہیں۔ کم از کم دوسرے تیسرے دن بہ عنوان مختلف اس کا کوئی نہ کوئی پہلو واضح کرنا چاہیئے۔ صرف شدھی اور سنگھٹن کو پیٹتے رہنے سے مسلمان طاقتور نہیں ہو جائیں گے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ چیزیں اس طرح نہ لکھی جائیں کہ لوگ اُکتا جائیں۔ آپکو اخبار چلانا اور عوام ہی میں مقبول بنانا ہے۔ ایڈیٹوریل کالموں میں وہ سب کچھ لکھتے رہیں، جو

(۱۲)

کلکتہ

۲۷ اپریل ۲۷ء

عزیزی السلام علیکم

خط پہنچا۔ ایک لمحے کے لئے بھی تصور نہ کیجئے کہ کسی عذر خواہی کی ضرورت ہے جس وقت تک خدمت حق و ملت کا وہ رشتہ برقرار ہے، جس نے آپ کو مجھ سے وابستہ کیا تھا۔ اس وقت تک آپ کی کوئی بھی بات میرے دل کو برگشتہ نہیں کر سکتی اور الحمدللہ یہ تو کوئی ایسی بات بھی نہ تھی جو لائق اعتبار ہو۔ البتہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ نے سب کچھ لکھا مگر یہ عقدہ حل نہیں کیا کہ جس خط کے جواب نہ ملنے کی شکایت کی گئی تھی وہ کونسا خط ہے۔ اور اس کا مضمون کیا تھا؟ یہی بات میں نے آپ سے دریافت کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ ادھر آپ کا کوئی خط بھی مجھے ایسا نہیں [illegible] جواب نہ دیا گیا ہو۔ برخلاف اس کے میرے اس مفصل خط کا جواب آج تک نہیں ملا جو میں نے غالباً جنوری میں آپ کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔

اس بات سے نہایت خوشی ہوئی کہ شفاعت اللہ صاحب آپ کے ساتھ "انقلاب" کی مساعی میں شریک ہوگئے۔ انشاء اللہ ان کی مستعدی و تجربہ کاری سے اس کام کو پوری مدد ملے گی۔

انقلاب کے لئے سرمایہ کا جو انتظام کیا گیا۔ اگر وہ پوری طرح وجود میں آجائے تو کافی تھا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ نصف سے زیادہ وعدے عموماً ناقابل اعتماد ہوتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا بہ حالت موجودہ کہاں تک ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ کوئی نہ کوئی دوسری صورت نکالنی چاہیئے تاکہ اخبار کو اس کے ابتدائی دور میں مشکلات

گزشتہ خط کا جواب وصول نہیں ہوا ۔

فقیر ابو الکلام

مولوی عبدالرزاق اس وقت تک نوجوانی کے حدود کے اندر ہیں اس لئے طبیعت میں نوجوانی کی جرأتیں تیز ہیں ۔ انھیں آپ سے شکایت ہے کہ آپ نے ان کا ایک مضمون نقل کیا مگر ظاہر یہ کیا کہ نقل نہیں ہے ۔ وہ صرف اتنی سی بات پر اس درجہ متاثر ہوئے کہ جب آپ کے "انقلاب" کا ذکر کرتا ہوں، جوش میں آجاتے ہیں۔ ہر چند ان سے کہتا ہوں، یہ اخبارات کے اخذ و نقل کی معمولی باتیں ہیں مگر وہ نہیں مانتے چونکہ مشرب وہابیت کی گرمجوشیوں میں وہ آپ کے خواجہ تاش ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ آپ دونوں معاملہ طے کر لیں۔[1]

---

[1] برادر مکرم مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی شکایت بالکل بجا تھی، لیکن حوالہ نہ دینا صرف اتفاقی فروگزاشت کا نتیجہ تھا، ارادے کو اس میں کوئی دخل نہ تھا اور اس فروگزاشت کے لیے ان سے معافی مانگ لی گئی تھی ۔

آج میں نے مسٹر ایبٹ نامی ایک امریکی ایجنٹ کو اشتہارات کے لیے "انقلاب"
کا نام بھی نوٹ کرا دیا ہے۔ وہ غالباً آپ سے مقدار اشاعت وغیرہ دریافت
کرے گا۔ آپ مناسب جواب دیدیجئے گا۔ یہ شخص مجھ سے مشورہ لینے کے لئے آیا
تھا، میں نے مناسب موقع دیکھ کر بعض اخبارات کے نام نوٹ کرا دیئے۔

ابوالکلام

---

(۱۳)

کلکتہ

۲۹، ستمبر ۱۹۲۷ء

عزیزی السلام علیکم

بہتر تھا کہ شملہ میں آپ مجھ سے مل لیتے "بہتر تھا" یعنی آپ کے لئے بہتر تھا۔ یہ مقصود نہ تھا کہ اپنی کسی غرض سے آپ کو شملہ تک آنے کے مصارف سے گرانبار کروں۔

میں شملہ ۱۷ کو پہنچا اور ۲۲ تک ٹھہرا۔ ۲۱ کو ایک خط ملا جو کوئی صاحب ہوٹل میں دے گئے تھے۔ کھولا تو آپ کا خط غالباً آپ کے بھائی کے نام تھا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں۔ کہ میری موجودگی سے مطلع کیا جائے۔ اولاً تو جس موجودگی کی اطلاع بذریعہ تار آپ کو ۱۶ تک مل چکی تھی۔ اسکی مزید تحقیق کی علت ناقابل فہم ہے ثانیاً قیام شملہ کے ایک ہفتہ گذر جانے کے بعد ۲۱ کو اظہار آمادگی میرے لئے کیا سودمند ہو سکتا تھا، میں کمیٹی[1] کے اختتام کے بعد ٹھہر نہیں سکتا تھا مجبوراً عدم اجتماع پر قناعت کی۔
میں نے اپنے طور پر آپ کے اور مولوی عبدالقادر صاحب کے نہ آنے کی علت سمجھ لی ہے

[1] مولانا ایک کمیٹی کے اجلاس کیلئے شملہ تشریف لائے تھے اور اس موقعہ پر مجھے بھی بلایا

باقی نوٹ صفحہ ۲۸ پر

پیش نہ آئیں۔ اب مواعید کے حصول کی ایک آخری کوشش کیجئے پھر نتیجہ سے اطلاع دیجئے۔۔۔ ؁ کے متعلق جو کچھ میرے علم میں ہے۔ یہ ہے کہ تنخواہوں کے دینے میں بلا وجہ تساہل کیا جاتا تھا۔ اور حصول زر کے لئے ہمیشہ ایسی کوشش جاری رہتی تھی جو اصول کے اعتقاد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ خصوصاً وہ کوششیں جو الفضل اور توفیق شریف سے حصول زر کیلئے یکے بعد دیگرے کی گئیں۔ اس سے زیادہ کوئی بات میرے علم میں نہیں آپ کے اخبار نکالنے کے بعد انکا جو کچھ طرز عمل رہا۔ وہ بھی مجھے معلوم نہیں۔۔۔۔ میں انہوں نے جو مضمون لکھا تھا۔ وہ میری نظر سے گذرا تھا۔ اور اس میں کوئی بات مخالفانہ نہ تھی۔ اگر ممکن ہو تو تفصیلات سے مطلع کیجئے۔

حالات کی نوعیت سے یقیناً قطع نظر نہیں کیا جا سکتا تاہم میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ لوگ اپنی جانب سے کسی حالت میں بھی مخالفت نہ کریں۔ اور صرف اپنے کام کی تحسین و تکمیل میں مشغول رہیں۔ یو جوہ یہ نہ صرف آپ کے کام کے لئے بلکہ بہ حیثیت مجموعی مفاد عامہ کے لئے بھی ضروری ہے آپ نے اگر مضبوطی کے ساتھ یہ مسلک اختیار کر لیا تو یقین کیجئے کہ بہر حال میں کامیابی آپ ہی کے لئے ہوگی۔ گو ابتدا میں تشویش خاطر کے اسباب پیدا ہوتے رہیں۔

۵۔ ہم نے "انقلاب" کیلئے فراہمی سرمایہ کی یہ تجویز سوچی تھی کہ اپنے ایک سو دوستوں کی فہرست تیار کی اور ان سب سے کہد یا کہ ایک ایک سو روپیہ فوراً دیدیں بعض دوستوں نے تین تین بلکہ پانچ پانچ حصوں کی رقمیں دیدیں۔ اور ایک دورہ نہیں کم و بیش ساڑھے تین ہزار کی رقم فراہم ہو گئی اسی کی بنا پر اخبار جاری ہو البعض احباب نے اپنے حصے بعد میں ادا کئے لیکن اس فہرست کی پوری رقم نہ فراہم ہوئی اور نہ ہم فراہمی کا اہتمام کر سکے اخبار جاری ہو گیا تو ہمارا پورا وقت اسی کی نذر ہوتا رہا۔

مسٹر سری نواس آئینگر پریسیڈنٹ، کانگرس نے ایک تجویز پیش کی تھی کہ جہانتک گاؤکشی کا تعلق ہے، ہندوؤں کو مسلمانوں پر کوئی شرط عائد نہیں کرنا چاہیے اور جہانتک میوزک کا تعلق ہے مسلمانوں کو بھی یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ مسلمان ممبروں نے بالاتفاق اسے منظور کرلیا لیکن ہندو ممبروں نے بالاتفاق اس سے اختلاف کیا۔ سب کمیٹی کے مسلمان ممبروں نے یہی تجویز اپنی جانب سے پیش کر دی، جو رپورٹ میں موجود ہے۔

اس پر بحث کرنی چاہیئے اور دونوں جماعتوں کے نقطۂ نظر کا فرق واضح کرنا چاہیئے۔

مولوی صاحب[1] سے اگر ملاقات ہو تو سلام پہنچا دیں اور کہیں مقصود صرف یہ تھا کہ ایک مدت کے بعد ملاقات ہو جائے۔ اس کے سوا کوئی بات پیش نظر نہ تھی۔

ابوالکلام

---

(۱۴)

۸ راگست ۲۸ء

عزیزی،

کچھ معلوم نہیں آپ کس حال میں ہیں، کچھ عرصہ ہوا مولوی محی الدین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب سے دریافت کیا تھا، لیکن تفصیلی حالات معلوم نہیں ہوئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے دہلی نہ آنے کا فیصلہ کر کے غلطی کی ہے۔ آپ صرف گرد و پیش سے متاثر ہیں اور مستقبل کے لئے کوئی نگاہ نہیں رکھتے۔ تاہم اصل مقصد سلامتی و فلاح ہے جہاں اور جس حالت میں حاصل ہو، اس کو ترجیح ہے۔ اس بارے میں میری جانب سے متعدی

---

[1] مولوی صاحب سے مراد مولانا عبدالقادر قصوری ہیں۔

یہ خط اس لئے لکھا تھا۔ تاکہ شملہ کے بعد از وقت خط کا جواب بھیجدوں، امید ہے۔ اپنے کاموں میں مشغول و مسرور و مطمئن ہوں گے۔

شملہ کمیٹی کی تمام تجاویز شائع ہو چکی ہیں۔ یہ یہ امر اس لئے شائع کرائی گئیں تاکہ رائے عامہ کو نظر و بحث کا موقع ملے خاموش نہیں رہنا چاہیئے بلکہ دو پہلوؤں پر بہ تفصیل و بہ دفعات بحث کرنی چاہیئے۔

۱۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تجاویز کا موازنہ کر کے دکھلانا چاہیئے۔ کہ مسلمانوں کی سپرٹ کس درجہ کشادہ دلی، معقولیت اور حریت عمل و فکر پر مبنی ہے اور ہندوؤں کی تجاویز میں کس درجہ تنگ دلی اور غیر منطقی تضاد فکر اور ناہمواری پائی جاتی ہے۔

۲۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لئے ضروری تھا کہ جہاں تک مذہبی جھگڑوں کا تعلق ہے پہلی کانفرنس دہلی کی تجاویز کو بنیاد بحث قرار دیتے کیونکہ جس نقطے تک وہ پہنچ چکے ہیں (گو عمل کی توفیق نہ ملی ہو) اس سے آگے بڑھنا یا اقلاً اس پر قائم رہ کر مزید طرق مصالحت پر غور کرنا چاہیئے۔ نہ کہ پیچھے ہٹنا چاہیئے لیکن یہ بات نظر انداز کر دی گئی ضرورت ہے کہ آئندہ اس غلطی سے احتراز کیا جائے جہاں تک مذہبی نزاعات کا تعلق ہے۔ دہلی کی تجاویز بنا کار ہیں۔ اِلّا یہ کہ مزید اصلاح و عملیت کے لحاظ سے نظر ڈالی جائے۔ آئندہ سلسلہ بحث پولٹیکل نزاعات سے شروع ہونا چاہیئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷) تھا مجھے خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ وہ نہ آسکیں اور شملہ کا سفر میرے لئے دورانِ سر اور امتلا کی وجہ سے اس درجہ تکلیف دہ تھا کہ انتہائی مجبوری کے بغیر اس پر آمادہ نہ ہو سکتا تھا میں نے اپنے بھائی کو شاور زندہ دہرم پور خط لکھا کہ شملہ پہنچکر مولانا کی تشریف آوری کے متعلق تار کے ذریعے سے اطلاع دیجائے اسے شملہ پہنچنے میں دو روز کی دیر ہو گئی۔ اس اثنا میں وہ کام پورا ہو گیا جس کیلئے مولانا آئے تھے میرے شملہ پہنچنے میں اسلئے تاخیر ہوئی تھی۔ کہ مولانا کی تشریف آوری کا یقین۔ کئے بغیر سفر کیلئے تیار نہ ہو سکتا تھا۔ معلوم نہیں ان کے ذہن مبارک میں میرے اور مولانا عبد القادر قصوری کے نہ پہنچنے کی کیا علت آئی تھی۔

دفتر قائم ہو جائے۔

بغیر اس کے کہ مرکزی کمیٹی کی رائے لی جائے محض ورکنگ کمیٹی کے ممبروں سے رائے لے کر (اور وہ بھی تحریراً) مکان خریدا جا رہا تھا۔ لیکن میں نے شوکت صاحب کو لکھا کہ یہ کارروائی قطعاً غلط ہوگی۔ اگر ایسا کرنا ہے تو ضروری ہے کہ مرکزی کمیٹی کا جلسہ کر کے استصواب کر لیا جائے۔

انگورہ فنڈ ایک خاص مقصد کے لئے موہوب مال ہے۔ اور وہ بغیر رائے عامہ کے استصواب کے شرعاً و قانوناً کسی دوسرے کام میں خرچ نہیں کیا جا سکتا۔ بلاشبہ اگر یہ فیصلہ کر لیا جائے کہ اسے خلافت کمیٹی کے کاموں کے لئے خرچ کرنا چاہئے تو پھر اس کا تصرف قابل اعتراض نہ ہوگا۔ غالباً ۱۵ کو یہ چیز جلسہ میں آئیگی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مرکزی کمیٹی کے تمام ممبر اس میں شریک ہوں اور معاملہ پر غور و بحث کر کے ایک آخری فیصلہ کر دیں۔ آخر یہ منحوس سوال کا معاملہ کب تک اس طرح معلق پڑا رہے گا۔؟

میں چاہتا ہوں کہ آپ اور مرکزی کمیٹی کے تمام ممبران پنجاب اس موقع پر ضرور شریک ہوں۔ اس مسئلہ کے علاوہ کانسٹی ٹیوشن کا معاملہ ہے اور وہ بھی بنگال اور پنجاب کے لئے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔

یاد رکھئے کہ اس معاملے کے متعلق سردست اخبار میں ایک نقطہ نہیں لکھنا چاہیے ایسا کرنا سخت غلطی ہوگی۔ جب تک کوئی تجویز بہ حیثیت تجویز کے پیش نہیں ہوتی ہے یا محض ذاتی طور پر بعض اشخاص کے ذہن میں ہے، کسی طرح جائز نہیں کہ پبلک میں اس پر ردوکد کی جائے ـــــ ضرورت اس بات کی ہے کہ مجوزہ جلسے میں شریک ہونا چاہیے امید ہے کہ آپ اخبار میں اس کا کوئی تذکرہ نہ کریں گے۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

تھی، اصرار نہ تھا۔

سردست ایک نہایت ضروری معاملہ مرکزی خلافت کمیٹی کا آئندہ اجلاس ہے جو ۲۵ اگست کو دہلی میں منعقد ہو رہا ہے۔ اس سال کمیٹی کا کوئی اجلاس نہیں بلایا گیا تھا اور بظاہر پورا سال اسی عالم میں نکل جانے والا تھا۔ لیکن چونکہ کانسٹی ٹیوشن کمیٹی کا معاملہ پیش آگیا۔ نیز ایک خاص تجویز جو سوامل[1] فنڈ (SAW MILL) کے تصرف کے لئے کی گئی تھی اس پر میری جانب سے اعتراض ہوا، اس لئے جلسہ کا اعلان کیا گیا ہے۔

غالباً سوامل والا معاملہ اس میں پیش کیا جائے یہ انگورہ فنڈ کا تقریباً سترہ لاکھ روپیہ نقد تھا۔ جو لکڑیوں کی فروخت سے حاصل ہوا تھا اور ہلال احمر کو نہیں بھیجا گیا تھا خلافت کمیٹی یکے بعد دیگرے بہ اسم قرض روپیہ لیکر خرچ کرتی رہی۔ اور اب یہ تجویز درپیش ہے کہ بقیہ روپیہ (بہ اسم قرض) لے کر بمبئی میں ایک مکان خرید لیا جائے تاکہ مرکزی کمیٹی کا مستقل

---

[1] انگورہ فنڈ کا روپیہ سیٹھ چھوٹانی مرحوم کے پاس جمع تھا۔ انھیں کاروبار میں خسارہ ہوا تو اس سرمائے پر بھی زد پڑی۔ خسارے کی وجہ بھی یہ تھی کہ انھوں نے تحریک خلافت میں پیشقدمی کی تھی۔ اسی بناء پر حکومت کے مخالفانہ اثرات نے انھیں نقصان کا ہدف بنا دیا۔ انکے پاس آرے کا ایک بہت بڑا کارخانہ رہ گیا تھا۔ وہی انگورہ فنڈ کے بدلے میں مجلس خلافت کے حوالے کر دیا۔ اس کارخانے نیز لکڑی کی فروخت سے سترہ لاکھ روپے وصول ہوئے اس میں سے کچھ سرمایہ مجلس خلافت نے قرض لیکر خرچ کر دیا۔ مولانا شوکت علی مرحوم کی خواہش تھی کہ باقی روپے سے بمبئی میں ایک مکان خرید لیا جائے جو مجلس خلافت کے لئے مستقل دفتر کا کام دے۔ مولانا ابوالکلام کی رائے تھی کہ یہ روپیہ ایک خاص مقصد کے لئے جمع ہوا تھا اور اس کی حیثیت موہوب مال کی ہے لہذا بسال رائے عامہ کے استصواب کے بغیر شرعاً اور قانوناً کسی دوسرے کام میں صرف نہ ہونا چاہیئے۔ بہرحال مولانا شوکت علی مرحوم نے مجلس کی منظوری سے مکان خرید لیا جو اب تک دفتر خلافت کے نام سے موجود ہے۔

(۱۶)

۲- اسٹور روڈ کلکتہ۔

۲۵ / ۷ / ۳۲ء

عزیزی،

بیماری کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ لیکن کتاب بھجوا دی تھی۔ مجھے خیال نہیں، جو نسخہ مولوی شفاعت اللہ نے آپ کو بھیجا تھا اس پر میں نے کچھ لکھا تھا یا نہیں؟ لیکن اگر نہیں لکھا تھا تو غالباً اس لیے کہ میں نہیں سمجھتا تھا آپ اب اس کے خواہشمند ہوں گے۔ جو شخص آٹھ سال سے مسلمانانِ ہند کے حقوق ہندوؤں کے ہاتھ فروخت کرتا رہا ہو جس نے تحفظِ حقوق کے ہر موقع پر ایمان فروشی کی ہو اور جو گاندھی کے چیلوں اور امینوں میں داخل ہو، اس کی تحریر آپ کے لئے کیوں کر موجبِ برکت و افتخار ہو سکتی ہے؟ لیکن چونکہ آپ نے خواہش ظاہر کی ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں مجھے تامل ہو۔ میں نے ایک دوسرے نسخے پر حسبِ خواہش تحریر لکھ کر بھجوا دی ہے۔[1]

---

[1] اختلاف کے دور میں خط و کتابت کا سلسلہ بھی بڑی حد تک منقطع رہا۔ ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں لندن گیا اور واپس آیا تو بمبئی میں جہاز پر مولانا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جس جہاز میں گاندھی جی واپس آ رہے تھے مجھے محض اتفاق سے اسی جہاز پر میں پورٹ سعید سے سوار ہوا۔ مولانا کانگریس ورکنگ کمیٹی کے دوسرے ممبران کے ساتھ گاندھی جی سے بات چیت کے لئے جہاز پر پہنچے تھے۔ [illegible] معلوم ہوا مولانا کی طرف سے ترجمان القرآن کی دو جلدیں آئی تھیں، ایک میرے لئے اور دوسری [illegible] صاحب کے لئے۔ میری جلد پر مولانا کی طرف سے [illegible] تحریر تھی اور [illegible] کے دستخط تھے۔ جب میں نے [illegible] ان کی خدمت میں [illegible] زبان کا جو نسخہ مرحمت [illegible] (باقی اگلے صفحہ پر)

(۱۵)

۲۔ اسٹورروڈ، بالی گنج، کلکتہ

۱۲ر اگست ۱۹۲۸ء

عزیزی،

ایک معاملہ کے لئے تھوڑی سی زحمت دینی چاہتا ہوں۔ منشی محمد دین صاحب خوش نویس نے دہلی میں کہا تھا کہ وہ لاہور جا رہے ہیں اور متن کی کتابت کے لئے کاپیاں لاہور بھیج دی جائیں۔ میں انھیں دو خط لاہور کے پتہ پر لکھ چکا ہوں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ آپ براہِ عنایت دریافت کر کے لکھئے کہ وہ لاہور میں ہیں یا نہیں؟ ان کا پتہ اندرون لوہاری دروازہ، گلی سرکی بندان دفتر خوشنویسان ہے[۱]

"انقلاب" عرصے سے آپ نے بھیجنا بند کر دیا ہے، اس لئے نظر سے نہیں گزرتا۔ لیکن امید ہے سب و شتم میں آپ کی جانب سے کوئی کوتاہی نہ ہوتی ہوگی۔ معلوم نہیں، مقدار کا اب کیا حال ہے۔ روزانہ، یا ہفتہ وار یا بحساب فی ماہ[۲]!

قند آمیختہ با گل نہ علاجِ دلِ ماست
بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

---

[۱] منشی محمد دین مرحوم مشہور خوش نویس تھے اور مولانا ان سے "ترجمان القرآن" جلد اول کا متن لکھوانا چاہتے تھے۔ [۲] یہ نہرو رپورٹ کا دور تھا، جس کے سلسلہ میں "انقلاب" کو کانگریس اور اس کے کارفرماؤں کی روش سے اختلاف پیدا ہوا۔ اور حالات کے تقاضے کی بناء پر اختلاف نے خاصی شدت اختیار کر لی۔ فرائض عامہ کی بجا آوری میں انسان اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق دیانتداری سے کام کرنا چاہے تو بعض اوقات نہایت محبوب و عزیز تعلقات کی پوری نگہداشت نہیں ہوسکتی۔ مجھے پبلک زندگی میں اسی موقع پر نہیں بلکہ بارہا اس قسم کی آزمائشوں سے سابقہ پڑا۔

ہاں، جہاں تک حسنِ کتابت کا تعلق ہے آپ کو سالک صاحب کا توفیق تمامیری[1] کر لینا چاہیے۔ البتہ آپ کی تسکینِ خاطر کے لئے یہ بات کفایت کرتی ہے کہ موجودہ زمانہ میں بدخط ہونا نہ صرف موجب قدح نہیں بلکہ موجب بزرگی ہے۔ سر والٹر اسکاٹ کو معذرت کرنی پڑی تھی کہ وہ بدخط نہیں ہے۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۱۷)

کلکتہ۔

۱۷ر جنوری ۱۹۳۷ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ گزشتہ جولائی میں یہ شکایت محسوس ہوئی تھی لیکن دو چار دن کے معالجے سے دور ہوگئی۔ اب پھر عید کے بعد عود کر آئی اور پہلے سے شدید تر۔ بہرحال اب اللہ کا فضل ہے تھوڑی سی خلش جو باقی رہ گئی ہے، امید ہے دو چار دن میں دور ہو جائیگی[2]۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[1] سالک صاحب کا خط اتنا عمدہ ہے کہ ان کی تحریر حسنِ کتابت کا ایک نادر مرقع ہوتی ہے اور میں ان کے مقابلے میں بدخط ہوں۔ مولانا نے سالک صاحب کے خط کی ستائش فرمائی اور لطیفے کے طور پر میری بدخطی کیلئے تعریف کا دوسرا پہلو پیدا کر دیا۔ [2] مولانا کو عرق النساء کی شکایت پیدا ہوئی تھی۔ یہ خبر شائع ہوئی تو میں نے (باقی اگلے صفحہ پر)

زمینِ عشق بہ کونین صلح کل کردیم
تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

عزیزمن! محض باتوں سے تو کچھ بنتا نہیں۔ اصل چیز عمل ہے۔ آج مسلمانوں کی زندگی وسعادت میں کوئی کام اس درجہ اہم اور ضروری نہیں ہے جس قدر یہ کام کہ قرآن کی تعلیم اپنی حقیقی شکل و نوعیت۔ نمایاں ہو اور مسلمانوں میں اس کی عالمگیر اشاعت عمل میں آئے۔ کہہ آپ نے "ترجمان القرآن" کے لئے کیا کیا؟ کیا آپ کا فرض نہیں تھا کہ ملک کو کام کی اہمیت و ضرورت کے مطابق توجہ دلاتے؟ یہ میں اس لئے نہیں لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اس کی اب ترغیب دوں اور آپ اس کے لئے مضامین لکھیں یقیناً آپ اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ میں اپنی مصنفات کی اشاعت کے لئے اس کا محتاج نہیں ہوں ملک میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو میرے[۵۱] قلم سے نکلی ہوئی چیزیں پڑھنا چاہتی ہے اور وہ ہر حال میں پڑھتی ہے اور شاید اردو مطبوعات کی سطح میں "ترجمان القرآن" پہلی کتاب ہے جسے لوگوں نے اس قدر ذوق و عشق کے ساتھ خریدا ہو۔ پڑھا ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ لوگوں نے کہاں تک ادائے فرض کی کوشش کی اور اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا ہنگامہ جو بلند کیا جاتا ہے وہ کہاں تک با معنی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) تو میں واقعی ایک گراں قدر عطیہ سمجھتا۔ مولانا نے ازراہ نوازش دوسرا نسخہ اپنا تحریر اور دستخط سے مزین فرما کر بھیج دیا۔

۵۱ بلاشبہ مولانا کی تحریرات ہماری یا کسی دوسرے فرد یا گروہ کی تحسین یا سفارش کی محتاج نہ تھیں بلکہ ہمارے جیسے ہزاروں افراد ان کی سفارش کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے تھے۔

گھنٹے خرچ کیے جائیں۔ میرے لئے اس طرح کا علاج کم از مرض نہیں، بلکہ اس سے بھی اشد ہے۔

اس مرتبہ پھر مصر ہیں اور مجبوراً آمادہ ہو گیا ہوں کہ مرض کے شدائد کی طرح علاج کے شدائد کا بھی متحمل ہو جاؤں۔ میرے لئے دواؤں کی تلخی، تلخی نہیں ہے آپریشن کی سختی، سختی نہیں ہے۔ وقت کا مسلسل خرچ کرنا ناقابل برداشت ہے، لیکن کیا کیا جائے ؎

گر نہ ستانی بہ ستم می رسد

میں طبی علاج سے بے خبر نہیں ہوں۔ طب پڑھی بھی ہے اور پڑھائی بھی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہاں بھی مہینوں کا سوال ہے اور ہر معاملہ تنقیہ سے شروع ہوتا ہے[1] بہرحال اگر اس بارے میں حکیم صاحب معجن کا آپ نے ذکر کیا ہے کوئی مشورہ دے سکیں تو شکر گزار ہوں گا۔[2]

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

خون کا امتحان کیا گیا اور معلوم ہوا کہ یورک ایسڈ کا چنداں اندیشہ نہیں لیکن اطباء تو زیادہ تر خون کی رقت و غلظت کی طرف جاتے ہیں۔ اسے اہمیت نہیں دیتے بہرحال ممکن ہے یہ بات رائے قائم کرنے میں کچھ مدد دے۔

---

[1] یہ اس لئے فرمایا کہ میں نے عرض کیا تھا، ایک بلند پایہ طبیب میرے عزیز دوست ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تفصیلات معلوم ہوں تو آپ کا علاج کریں [2] یہ شفاء الملک حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نظامی تھے۔ انہوں نے بڑی محبت اور توجہ سے علاج کیا۔ جیسا کہ اگلے خطوط سے واضح ہوگا۔

(۱۸)

۱۵ / فروری ۱۹۳۵ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ اس اخلاص و محبت کے لئے اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے۔ مجھے پہلے پہل یہ شکایت گزشتہ جولائی میں محسوس ہوئی۔ ایک دن صبح اٹھا تو بائیں ران میں درد تھا۔ پہلے خیال ہوا جیسے کچھ درد ہو گیا ہے، لیکن جب دوسرے دن اور بڑھ گیا تو عرق النساء کی طرف ذہن منتقل ہوا۔ کیوں کہ اس کا درد اوپر سے نیچے کی طرف اترتا ہے۔ اور یہی علامت (نسے) روماٹزم سے ممتاز کرتا ہے۔ بہرحال ڈاکٹروں سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی اور اس کے لئے دوا تجویز کی۔

دو مختلف گولیاں تھیں لیکن ان کے استعمال سے فوراً درد میں کمی شروع ہو گئی اور دو دن بعد بالکل رفع ہو گیا تھا۔

اس کے بعد افاقہ رہا لیکن ۱۴ جنوری کو پھر اچانک عود آیا۔ اس مرتبہ پہلے سے زیادہ سخت تھا اور صرف پاؤں پر زور ڈالنے ہی سے محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ بیٹھنے اور لیٹنے کی حالت میں بھی خصوصاً شب کے وقت۔ جو گولیاں پہلے کھائی تھیں وہی ڈاکٹروں نے تجویز کیں۔ لیکن اس مرتبہ دیر میں اثر ہوا۔ ڈاکٹر مجھے دو تین ہفتہ بستر پر رہ کر مستقل علاج کے لئے وقت نکالوں۔ آج کل مسلسل فاقہ، تنقیہ اور مالش پر زور دے رہے ہیں۔ اور الکٹرک باتھ کو بھی مفید بتلاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ خود بخود [illegible] کہ ایک ماہ تک روزانہ سلسلہ جاری رکھا جائے اور پرہیز کی

---

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] بیماری کی تفصیل سے آگاہ فرمایا ہے۔ مولانا نے یہ مختصر سا جواب ارسال [illegible] لکھا [illegible] فرمائیں [illegible] ان کے لئے [illegible] ملاحظہ فرمائیے۔

(۲۰)

۱۴ جولائی ۱۹۳۵ء

عزیزی،

خط پہنچا، مرض کی تفصیلات پڑھ کر نہایت قلق ہوا۔ میرا خیال تھا کہ آشوب کی معمولی شکایت ہے۔ آج کل آنکھوں کا بہترین ڈاکٹر کلکتہ میں ہے۔ اگر آپ اکتوبر میں یہاں چند دنوں کے لئے آجاتے اور اسے دکھاتے تو عجب نہیں کہ علاج کا بہتر سامان ہو جاتا بہرحال خدا کرے جو علاج سردست جاری ہے پوری طرح کامیاب ثابت ہو اور تمام شکایتیں دور ہو جائیں۔

"ترجمان القرآن" کی دوسری جلد "مدینہ پریس" بجنور میں چھپ رہی ہے۔ کتابت کے لئے یہاں کاتب بلا لیا ہے۔ پینتالیس کاپیاں جا چکی ہیں اندازاً پچھتر چھپ چکے ہیں متن اور ترجمہ چونکہ ایک ہی آدمی لکھ رہا ہے اور نوٹس کی وجہ سے ہر صفحہ میں تین قلم ہو گئے ہیں، اس لئے رفتار سست ہے۔ تاہم امید ہے اکتوبر میں نکل جائے۔ یہ جلد چھ سو صفحوں پر ختم ہو رہی ہے۔ اور بارہ پاروں کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ تیسری میں بقیہ دس پارے ہوں گے۔ چونکہ کتابت و طباعت کا سلسلہ جاری رہے گا اس لئے امید ہے آئندہ فروری تک تیسری جلد بھی نکل جائے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

اگر آپ وہاں علاج میں مشغول نہ ہوتے تو میں کہتا، اسی وقت کلکتہ آجائیں۔ آج کل یہاں میڈیکل کالج میں دو شخص ہیں اور دونوں سب سے بہتر ماہر امراض چشم تسلیم کئے جاتے ہیں[۱]۔

---

[۱] میں پہاڑ پر تھا اور وہاں، تین ماہر ڈاکٹروں کے مشورے سے علاج ہو رہا تھا۔ اسی لئے فرمایا کہ علاج شروع نہ ہوتا تو کہتا کہ اسی وقت کلکتہ آجاؤ۔

(۱۹)

۲۲ جولائی سنہ ۱۹۳۵ء

عزیزی،

میں نے لکھا تھا جونہی بارش کا موسم شروع ہوگا حکیم صاحب کی دوا استعمال کرنا شروع کروں گا۔ اور نتیجہ سے مطلع کروں گا۔ اب میں نے دوا ختم کر لی ہے۔ یہ موسم بنگال میں بہت مرطوب ہوتا ہے۔ اندیشہ تھا کہ شاید مرض عود کرے۔ ابھی الحمد للہ کہ اس وقت تک کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دوا کا اثر کیا ہوا کیونکہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ شکایت مسلسل نہیں رہتی۔ نہ کہ مرض کی حالت میں استعمال کی گئی تھی۔ جب شروع کی گئی تو شکایت نہ تھی۔ اور اب بھی نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آگے چل کر بھی رکتی ہے یا نہیں۔ اگر حکیم صاحب کہیں تو خون کا امتحان پھر کرایا جا سکتا ہے اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ قبل از استعمال حالت بدستور باقی ہے یا اس میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ آپ نے میرے پچھلے خط کا جواب نہیں دیا۔ غالباً وجہ یہ ہے کہ آپ لاہور میں نہیں تھے۔ امید ہے آنکھوں کی تکلیف اب دور ہو چکی ہو گی۔ اور بخیر و عافیت ہوں گے[1]۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ابوالکلام

---

[1] مجھے سنہ ۱۹۳۴ء میں آشوب چشم کا عارضہ ہوا تھا۔ جس نے مدت مدید تک مجھے پریشان رکھا سنہ ۱۹۳۵ء میں کم و بیش چھ مہینے میں نے پہاڑ پر بسر کئے۔

بھی شائع کر دیا جائے گا۔

کتاب آئندہ ماہ میں نکل جائیگی۔ شاید جلد سازی کچھ وقت اور لے لے۔

والسلام علیکم

ابو الکلام

میری صحت کے لئے آپ نے جس محبت و اخلاص سے پرسش کی ہے اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ جناب حکیم صاحب کو بھی میرا پیام شکریہ پہنچا دیجئے۔

---

(۲۲)

۵ ر ستمبر ۱۹۳۵ء

عزیزی،

خط پہنچا حکیم صاحب کا اور آپ کا شکر گزار ہوں جو دوائیں آپ نے بھیجی تھیں، میں نے استعمال کر لی تھیں کیونکہ یہ محبت کا تحفہ تھا اور "جوہر منقّی" نافع ہو یا نہ ہو، لیکن جوہر محبت کے نفع میں کوئی شبہ نہیں،

ایں نسخہ از بیاض مسیحا نوشتہ اند!

ادھر ایک مرتبہ خلش محسوس ہوئی تھی، لیکن میں نے بڑھنے نہ دی۔ ایک گولی جو ڈاکٹروں نے تجویز کی ہے اور فوری تاثیر رکھتی ہے، استعمال کر لی۔ اب جاڑے میں عود کا اندیشہ تھا لیکن اس وقت تک شکایت محسوس نہیں ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ "جوہر منقّی" اور "معجون عشبہ" نے ضرور کچھ نہ کچھ اثر کیا ہے[۱]۔ مرض کی نوعیت ایسی ہے کہ جب تک کافی عرصہ کیلئے حالت

---

[۱] حکیم صاحب مرحوم جو دوائیں بھجواتے رہتے تھے، ان میں سے جوہر منقّی اور معجون عشبہ خاص طور پر قابل ذکر تھیں۔ یہ دوران علاج میں مسلسل استعمال ہوتی رہیں۔

(۲۱)

۲۵۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء

عزیزی،

دوا کے لئے آپ کا اور حکیم صاحب کا شکر گزار ہوں۔ اب موسم بدلا ہے اور پتہ چلے گا کہ شکایت کا کیا حال ہے۔ بارش میں ایک مرتبہ خلش ہوئی تھی لیکن علاج سے دور ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کامل عطا فرمائے۔ "ترجمان القرآن" جلد دوم اعراف سے مومنون تک کا حصہ آگیا ہے اور اب صرف فہرست اور دیباچہ کی کتابت باقی ہے۔ اس جلد میں تشریحات کی مقدار بہت بڑھا دی ہے، حتیٰ کہ یہ پوری طرح تفسیر کا کام دے گی۔ مثلاً توبہ کے آخر میں بتیس صفحے، یونس کے آخر میں دس صفحے، ہود کے آخر میں نو صفحے، یوسف کے آخر میں بیس صفحے، نحل کے آخر میں آٹھ صفحے، مزید مباحث تفسیر کے ہیں۔ اسی طرح اسریٰ، کہف، طٰہٰ، انبیاء، حج کے آخر میں تفصیلات بڑھا دی گئی ہیں۔ کہف کا آخری حصہ غالباً چالیس صفحہ تک پہنچ گیا ہے۔ کیونکہ اصحاب کہف، ذوالقرنین اور یاجوج و ماجوج کے مباحث بغیر اطناب کے حل نہیں ہو سکتے تھے۔ انبیاء کا آخری نوٹ بھی بارہ تیرہ صفحوں سے کم نہ ہوگا۔ اور چونکہ یہ فٹ نوٹ کے خفی قلم میں لکھے گئے ہیں اور ہر صفحہ میں چھتیس سطریں ہیں اس لئے انہیں متوسط کتابت والے متن کا سہ گنا حصہ سمجھنا چاہیئے۔

جو مہمات پہلی جلد میں رہ گئے تھے، یعنی بہ خیال اختصار انھیں چھوڑ دیا گیا تھا، وہ بھی ان سورتوں کے ضمن میں آگئے ہیں۔

تیسری جلد کی کتابت کا سلسلہ بھی برابر جاری رہے گا اور امید ہے کہ آئندہ آٹھ مہینوں میں یہ کام ختم ہو جائیگا۔

چونکہ کثرت سے لوگ دریافت کر رہے ہیں۔ اس لئے میں آج ایک مختصر اطلاع دے رہا ہوں کہ اخبارات میں بھیج دی جائے۔ چند دنوں کے بعد ایک مفصل اعلان

(۲۱۴)

۲؍ جنوری ۱۹۳۶ء

عزیزی

جس تحریر کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ ذہن میں ہے، مگر تفصیلات معلوم نہیں اگر آپ نے دربار آگرہ کا ذکر کیا ہے تو محض قیاس ہی کی بنا پر ہوگا۔ اب آپ نے اس باب میں کاوش کی ہے اور تاریخوں کا تطابق ڈھونڈا ہے تو یقیناً آپ کو رائے قائم کرنے کا بہتر موقع حاصل ہے۔ تاریخیں دیکھیے اور ان کی مناسبت سے قصیدے کا موقع متعین کیجیے۔ قصیدے میں غالباً اخبار لدھیانہ کا حوالہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے دربار پنجاب میں نہ ہوگا، ورنہ اس کی اطلاع اخبار کے ذریعہ کیوں ملتی؟ غدر کے بعد چھوٹے بڑے متعدد دربار ہوتے رہے ہیں بہت ممکن ہے کوئی صوبہ کا دربار رہا ہو۔[۱]

۱؎ نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے پاس غالب کے اردو دیوان کا ایک نسخہ تھا جس میں کچھ غیر مطبوعہ غزلیں بھی سادہ اوراق پر درج تھیں اور دو قصیدے بھی مولانا نے ان غیر مطبوعہ اشعار کی نقل کرا لی تھی۔ اور یہ اشعار بالاقساط "الہلال" کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوئے۔ ایک قصیدہ ۱۷؍ جون ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں چھپا تھا اور اس پر مولانا نے ایک مفصل مقالہ لکھا تھا۔ اس میں فرمایا تھا کہ قصیدہ ۱۸۶۰ء کے دربار آگرہ میں پڑھا گیا۔

میں نے تحقیق کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ قصیدہ ۱۸۶۵ء میں ڈونالڈ میکلوڈ لفٹنٹ گورنر پنجاب کے لئے لکھا گیا تھا۔ ۱۳؍ جنوری ۱۸۶۵ء کو دہلی میں ایک دربار ریل کے افتتاح کے لئے منعقد ہوا تھا۔ تو اس میں مرزا غالب بھی شریک ہوئے لیکن انھیں نہ سابقہ قاعدے کے مطابق نشست ملی اور نہ خلعت ملا۔ پھر دربار کی روداد اخبار لدھیانہ میں شائع ہوئی تو اس میں مرزا غالب کا نام بھی صحیح نہ لکھا تھا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر مرزا نے (باقی اگلے صفحہ پر)

نہ دیکھ لی جائے تاثیر و عدم تاثیر کا قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

آپ کے اس خط سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی شکایت اصلاً آنکھوں کی نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے جس کے اثرات کا انتہا د آنکھوں میں ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر اور اطباء کونسا مرض تجویز کرتے ہیں؟ اصل سوال صحت تشخیص کا ہے۔ کیا آپ مطمئن ہیں کہ تشخیص کا مرحلہ طے ہو گیا؟ اکثر حالات میں غلطی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

"ترجمان القرآن" کا معاملہ صاحب مطبع کے ہاتھ میں ہے سورۂ مومنون پر جلد ختم کر دی گئی۔ اب تیسری جلد کے لئے سورۂ نور کی کتابت ہو رہی ہے وہاں صرف دیباچے اور فہرست کا مرحلہ باقی تھا۔ اگرچہ بہت دیر ہوئی جب بھی اس ماہ کے آخر تک نکل جانا چاہیے۔ میں نے انھیں لکھ دیا ہے کہ تکمیل کے بعد کچھ نسخے بذریعہ پارسل بھیجدیں تاکہ مال گاڑی کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ جونہی پارسل آیا، آپ کے لئے ایک نسخہ فوراً بھیجدیا جائے گا۔

آپ اس کام میں جو دلچسپی لے رہے ہیں، اس سے زیادہ اور کونسی بات ہو سکتی ہے، جس کے لئے آپ کو لکھوں؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب حکیم صاحب کو پیام سلام و تشکر پہنچا دیں، نیز سالک صاحب کو۔

ابوالکلام

خط و کتابت کیجئے اور میرا حوالہ دیجئے۔

آپ نے خوب کیا ہے کہ تحریرات سے حالات کا استنباط کیا۔ یہ سوانح نگاری کی سب سے بہتر اور مستند قسم ہے۔ ف۱

مولانا حالی کی سب سے بہتر کتاب "حیات سعدی" ہے اور سب سے کمتر یادگار "غالب"۔ — مجھے بالکل معلوم نہیں کہ مولانا ابراہیم صاحب نے کوئی کتاب لکھی ہے اور "ترجمان القرآن" کے کسی مقام پر اعتراضات کئے ہیں عرصہ ہوا امرتسر کے ایک صاحب نے جو شال فروش ہیں اور ہر سال یہاں آتے ہیں یہ ذکر کیا تھا کہ مولانا ابراہیم شاکی ہیں۔ انھوں نے "ترجمان القرآن" کے بارے میں کوئی خط لکھا تھا مگر جواب نہیں ملا چونکہ مجھے ان کا کوئی خط نہیں ملا تھا اس لئے متعجب ہوا اور خط لکھ کر دریافت کیا کہ کب خط لکھا تھا اور معاملہ کیا ہے؟ مولانا ممدوح نے جواب میں اس خط کی نسبت تو کچھ نہیں لکھا لیکن مبہم طور پر کسی تحریر کی طرف اشارہ کیا جس کا پروف انھیں ملنے والا تھا اور جونہی ملے گا، وہ مجھے بھیج دیں گے۔ نیز اپنی علالت کا عذر کیا۔ اس کے بعد نہ تو ان کا کوئی خط آیا اور نہ وہ پروف ملا۔ میرے ذہن سے بھی یہ بات اتر گئی۔ اب آپ نے لکھا تو خیال ہوتا ہے شاید ان کا اشارہ اس کتاب کی طرف ہوگا۔

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد دوبارہ مولانا ممدوح کلکتہ آئے، مجھ سے ملاقات بھی ہوئی اور انھوں نے اس معاملے کا کوئی ذکر نہیں کیا نہ کتاب ہی کے بارے میں کچھ کہا۔ ف۲

ف۱ یہ میری کتاب "غالب" کی طرف اشارہ ہے۔

ف۲ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی مرحوم و مغفور جس زمانے میں تفسیر سورہ فاتحہ مرتب فرما رہے تھے میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ مولانا آزاد کی تفسیر (مشمولہ "ترجمان القرآن" جلد اول) پر بعض شبہات وارد کئے جاتے ہیں ان کا بھی ازالہ فرمادیں۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب نے اس سلسلہ میں بجائے کسی اثر کے ماتحت مناظرانہ رنگ کا تنقیدی تبصرہ کرنا اور اپنی تفسیر میں ایک جگہ یہ بتایا کہ بعض امور کی توضیح کے لئے مولانا آزاد کو خط بھیجا

طالب مرحوم کے نسخے سے جس قدر کلام ملا ہے وہ غالباً "الہلال" میں بہ دفعات شائع ہو چکا ہے۔ دو قصیدے تھے، دو غزلیں تھیں ایک:-

آپ نے "مَسَّنِیَ الضُّر" کہا ہے کہ نہیں؟
یہ بھی اے حضرت ایوبؑ گلا ہے کہ نہیں؟

اور دوسری ۱؎

تو اس کو کہتے ہیں اہل سخن، سخن تکیہ ۲؎

یہ دونوں غزلیں "الہلال" میں نکل چکی ہیں۔ شاید غدر کے بارے میں ایک اردو قطعہ بھی تھا۔

صاحب "سرِوشِ سخن" ۲؎ غالب کے شاگرد تھے۔ ان کا نواسہ ہونا میرے علم میں نہیں ہے، لیکن ان کے تفصیلی حالات آپ کو مرزا محمد عسکری جھوائی ٹولہ لکھنؤ سے مل جائیں گے ان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) یہ قصیدہ مع شکایت لفٹنٹ گورنر کو بھیجا۔ اپنی تحقیق کے متعلق میں نے مولانا کو اطلاع دی تو اس کے جواب میں یہ تحریر آئی۔ بعد کے ایک مکتوب میں بھی اس معاملہ کا ذکر ملے گا۔ ۱؎ "سخن تکیہ" والی غزل ۲۲ جولائی ۱۹۱۳ء کے "الہلال" میں شائع ہوئی تھی۔ "مَسَّنِیَ الضُّر" والی غزل کی نقل مولانا کے پاس تھی لیکن اس کی اشاعت کی نوبت نہ آئی کہ "الہلال" ضبطی ضمانت کی وجہ سے بند ہو گیا۔ مولانا کا احساس یہی تھا کہ غزل شائع ہو چکی ہے۔ نیز اس کی ردیف میں مولانا کو اشتباہ ہوا۔ اصل مطلع یوں تھا:

آپ نے "مَسَّنِیَ الضُّر" کہا ہے تو سہی
یہ بھی اے حضرت ایوبؑ گلا ہے تو سہی

۲؎ اس سے مراد سید فخرالدین حسین سخنؔ دہلوی ہیں، میں نے مولانا کے ارشاد کے مطابق مرزا عسکری مرحوم کو خط لکھا تھا۔ مطلوب حالات تو معلوم نہ ہو سکے لیکن مرحوم کے ساتھ خاصی دیر تک خط و کتابت جاری رہی۔

بارہ دن تک خلش رہی۔ اب افاقہ ہے مگر دوا استعمال کر رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا جوہر منقی وغیرہ زیادہ موثر ثابت نہ ہو سکے۔ ممکن ہے زیادہ عرصے تک استعمال کرنے کی ضرورت ہو۔ بہرحال اب اس کی فکر نہ کیجیے۔ اپنے علاج کی فکر کیجیے۔ اگر ہومیوپیتھک کا کوئی بہتر ڈاکٹر موجود ہے تو ضرور اس کا علاج کیجیے۔ خود میرے علم میں بعض حیرت انگیز علاج آچکے ہیں۔ مثلاً پکے ہوئے جگر کا بغیر عمل جراحی درست ہو جانا۔ اس طریق علاج میں اصل کار دوا اور مرض کا کامل تطابق ہے اگر مطابقت ٹھیک ہو جائے تو چند خوراکیں ہی کافی ہو جاتی ہیں۔

نیز احتیاط کی بھی ضرورت ہے۔ دوا کے استعمال سے دو گھنٹے پہلے اور دو گھنٹے بعد حقہ، سگرٹ کا استعمال قطعاً نہیں ہونا چاہیے۔ تمباکو دوا کا اثر کمزور کر دیتی ہے۔

کیا یہ شبہ لاحق ہوا ہے کہ تفسیر سورۂ فاتحہ میں ایاک نعبد و ایاک نستعین کا ٹکڑہ مستقلاً کیوں نہیں لیا گیا۔؟ لاہور سے ایک صاحب نے یہ بات لکھی تھی۔

ابوالکلام

---

(۲۴)

۱۵ر جنوری ۱۹۳۶ء

عزیزی، السلام علیکم

خط پہنچا۔ میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ آپ کا اشتباہ سخت تعجب کا موجب ہوا۔ اگر "ترجمان القرآن" کے مطالعے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایمان بالرسل ضروری نہیں اور اسلام کا نظام عبادت ہنگامی ہے تو پھر میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا[۱]۔ مجھے تسلیم

۱؎ شبہات مولانا نے خود درج کر دیئے یعنی سورۂ فاتحہ کے خلاصہ مطالب سے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان بالرسل ضروری نہیں اور اسلام کا نظام عبادت ہنگامی ہے۔ مولانا کی اس تحریر کے بعد اپنے فہم کی نارسائی اور اپنے علم کی بے مائیگی پر حد درجہ ندامت ہوئی۔

بہرحال اگر آپ مجھے لکھیں، کیا شکوک ہیں تو میں انھیں رفع کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ لکھتے ہیں کہ عرصے سے آپ کو وہ شکوک درپیش ہیں۔ کیا اس صورت میں یہ بہتر نہ تھا کہ مجھے لکھ دیتے؟ کتاب کو نکلے ہوئے پانچ برس ہو گئے۔[۱]

حکیم صاحب کو میرا تشکر و امتنان پہنچا دیجئے۔ جس صورت حالات کا انتظار تھا، وہ رمضان شروع ہوتے ہی آ گئی، یعنی درد کا دورہ ہوا اور تمام پچھلے دوروں سے سخت تر۔ تقریباً دس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵) مگر اس کا جواب نہ ملا۔

میں نے مولانا سے اس باب میں استفسار کیا تو یہ جواب وصول ہوا۔ بحث کو مکمل کرنے کیلئے یہاں عرض کر دینا چاہتا ہوں، میں نے مولانا محمد ابراہیم صاحب میر کو مولاناؒ کا خط دکھا کر پوچھا کہ آپ کلکتہ میں مولانا سے ملے تو سب کچھ پوچھ کیوں نہ لیا۔ انہوں نے فرمایا کہ بے شک مولانا کے ساتھ ملاقات کا فیصلہ ہو چکا تھا لیکن رات کے وقت میرے پاؤں میں تکلیف ہو گئی اور نقل و حرکت خالی از تعب نہ رہی نیز ایک رفیق سے مولانا کے ساتھ گفتگو کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا زحمت اٹھا کر جاؤ گے، مگر نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔ میں اس رائے سے متاثر ہوا اور نہ گیا۔ یہ تمام حالات میں نے ایک مرتبہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر کے بیان کے مطابق "انقلاب" میں بھی شائع کر دیئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر مولانا کی خدمت میں خط بھیجنے اور جواب نہ آنے کا ذکر اپنی تفسیر میں فرما چکے تھے۔ اور یہ حصہ چھپ چکا تھا، کہ انہیں کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ملاقات کے لئے مولانا سے کہہ دینے کے باوجود بوجوہ مذکورہ مل نہ سکے اور ان امور کا ذکر کتاب میں نہ آ سکا۔ اس لئے کہ وہ پہلے چھپ چکی تھی۔ اس سلسلہ میں بعض تفصیلات اگلے مکاتیب میں ملیں گی۔

[۱] ان کا ذکر اگلے مکتوب کے حاشئے میں آئے گا۔

کہہ سکتے ہیں کہ اصل دین توحید ہے؟ یہ تو بہر حال کہنا ہی پڑے گا۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اصل دین کے باب میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آپ نے یہ بات نظر انداز کردی کہ خاتمہ کے مجمل خلاصے کا مطلب پوری کتاب کی تفصیلات پیش نظر رکھ کر قرار دیا جاتا ہے۔ خاتمے کی دفعات اس لئے ترتیب دی گئی ہیں کہ تمام عقائد و اعمال کی فہرست پیش کردی جائے۔ بلکہ کوئی خاص مقصد پیش نظر ہے اور اس مقصد پر زور دیتے ہوئے دکھلایا گیا ہے کہ دعوتِ قرآنی کا کیا حال ہے؟ وہ مقصد یہ ہے کہ اگر دینی صداقت کی کوئی عالم گیر حقیقت ہوسکتی ہے تو وہ وہی ہے جو قرآن نے پیش کی ہے اور کسی طالب حق کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس دعوت سے روگردانی کرکے دینی صداقت کا مقام حاصل کرسکے۔

غالباً یہ اشتباہ اس لئے ہوا کہ کتب توحید و عقائد پیش نظر نہیں، مگر میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، جو میں نے لکھی ہے۔ تیرہ سو برس سے تمام مسلمانوں کا متفقہ اعتقاد یہی ہے کہ اصل دین توحید ہے اور تمام انبیاء اسی کی دعوت و تلقین کے لئے مبعوث ہوئے۔

اچھا فرض کر لیجیے کہ یہ جملہ بجائے خود موجب تردد ہوسکتا ہے۔ لیکن جو شخص یہ جملہ پڑھے گا علاوہ تفسیر فاتحہ کے وہ تمام مقامات بھی پڑھے گا جہاں پوری تفصیل کے ساتھ دکھلایا گیا ہے کہ قرآن کے نزدیک نہ صرف انبیاء پر ایمان نہ لانا کفر ہے۔ بلکہ کسی ایک رسول سے انکار بھی کفر ہے۔ مان لیجئے یہ مقامات بھی اس کے فہم و اذعان کے لئے کافی نہ ہوں۔ لیکن آخر اسی کتاب میں بقرہ کے بھی نوٹس ہیں، عمران، نساء، مائدہ، انعام کے بھی نوٹس ہیں اور ان میں بے شمار آیات ایمان بالرسل اور ایمان بالکتب وغیرہا کے بارے میں موجود ہیں نیز ان کی تشریحات ہیں۔ آخر یہ سب کچھ بغیر کسی مفہوم و معنی کے ہے؟

باقی رہا نظام عبادت کا مسئلہ تو یہ پہلے سے بھی زیادہ حیرانی کا موجب ہے! کاش آپ

کر لینا چاہئیے۔ کہ ان ساری باتوں میں سے ایک بات بھی میں نے اس کے صفحات پر نہیں لکھی، جو مجھے لکھی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں!

آپ نے تفسیر فاتحہ کے خاتمہ کا حوالہ دیا ہے، میں نے اس وقت از سر نو اس پر نظر ڈالی، لیکن کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جو اس اشتباہ کا موجب ہو سکے۔ غالباً اس کا یہ جملہ موجب تردد ہوا ہے کہ اصل دین توحید ہے، لیکن اگر یہ جملہ موجب تردد ہو سکتا ہے تو یقیناً قرآن کی بے شمار آیتیں بھی ہو سکتی ہیں، کیونکہ ان سب میں یہی بات کہی گئی ہے۔ ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً ان اعبدوا اللہ الخ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھوداً او نصاریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین، بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ولقد ارسلنا نوحاً الیٰ قومہ فقال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ الخ

کیا ہم ان آیات سے اور ان کی ہم معنی آیات سے یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ قرآن کے نزدیک ایمان بالرسل ضروری نہیں؟ یقیناً نہیں کر سکتے، کیونکہ اسی قرآن نے بے شمار مقامات پر خود بتلا دیا ہے کہ ایمان باللہ کی تفصیل کیا ہے۔ اور نہ صرف "ایمان بالرسل" بلکہ ایمان بالکتب، و بالملائکہ و بالیوم الآخر اس میں داخل ہے اور اسی لئے جب کبھی "ایمان اور عمل" کہا جائے گا تو ایمان سے مقصود یہی ایمان ہوگا، نہ کوئی دوسرا ایمان اور عمل سے مقصود وہی اعمال ہوں گے جنھیں اس نے عمل صالح قرار دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ "عدم تفریق بین الرسل" بھی اس میں داخل ہے اور کوئی "ایمان بالرسل" جو تفریق بین الرسل کے ساتھ ہو، قرآن کے نزدیک ایمان نہیں۔ وہ کہتا ہے اس زنجیر کی ایک کڑی کا انکار سب کا انکار ہے۔

پھر اگر قرآن کی آیات کا مطلب مقرر و معلوم ہے تو پھر یہ جملہ کہ "اصل دین توحید ہے" یا "اصل دین" ایمان اور عمل ہے" کیوں موجب تردد ہو؟ بہ حیثیت مسلم ہونے کے ہم اور کیا

آدمی جواب کے لئے ٹکٹ بھیج دیتا ہے تو میری مصیبت بہت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ میرا جواب بھیجنا اس لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا ٹکٹ واپس کر دوں۔ مجھے اس سے سخت چڑ ہے کہ جواب کے لئے ٹکٹ آئے۔ اگر مولوی صاحب ممدوح کا خط مجھے ملا ہوتا اور اس میں ٹکٹ ہوتا تو کم از کم اس ٹکٹ کو واپس بھیج دینا میرے لئے اس درجہ ضروری تھا کہ کسی طرح تساہل نہیں کر سکتا تھا۔ ٹکٹ لیکر رکھ لینا نہ صرف جواب نہ دینا ہے۔ بلکہ مالی خیانت بھی ہے۔ میں حتی الوسع اس کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ چونکہ مولوی صاحب کا یہ بیان ہے اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ سمجھ لوں انہوں نے خط لکھا ہوگا۔ مجھے ملا نہیں۔ اس میں مشکل یہ ہے کہ میرے نام کے خطوط ضائع نہیں ہوتے۔ تمام ہندوستان میں پھر کر مجھے مل ضرور جاتے ہیں۔ ممکن ہے یہ ایک مستثنیٰ واقعہ ہو۔ لیکن اس کے بعد تو مولوی صاحب سے بارہا ملاقات ہوئی ایک مرتبہ ایک مجلس میں کئی گھنٹے یکجائی رہی۔ تعجب ہے کہ انہوں نے اس کا اشارہ تک نہیں کیا۔

چونکہ آپ لکھتے ہیں کہ کسی وجہ سے انھوں نے مناظرانہ اسلوب اختیار کیا ہے اس لئے براہِ عنایت مجھے کتاب نہ بھیجئے۔ میرا نہ دیکھنا ہی بہتر ہے۔ ۱۹۱۸ء سے میں نے جن تین باتوں کا عہد کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی شخص کو جو مناظرانہ طریق پر میرے خلاف کچھ لکھے گا نہ تو جواب دوں گا، نہ اس کی شکایت سے اپنے نفس کو آلودہ ہونے دوں گا۔

۲۔ صاحبِ "سروشِ سخن" کے لئے میں نے میرزا محمد عسکری صاحب کا حوالہ اس لئے دیا کہ مجھے یاد پڑتا ہے، خود ان کا کوئی دور کا رشتہ صاحبِ "سروشِ سخن" سے تھا۔ یہ سخن کے ایک عزیز غالباً داماد مولوی خلیل احمد ہیڈ ٹرانسلیٹر ہائیکورٹ کلکتہ تھے۔ مرزا عسکری کی ان سے عزیز داری تھی۔ مولوی خلیل احمد کے پاس غالباً آپ کے متعدد خطوط بھی تھے جو انہوں نے مجھے دکھلائے تھے، مگر افسوس میں نے ان کی نقل حاصل نہیں کی۔ ایک خط میں ایک غیر مطبوعہ رباعی بھی تھی اور تمام خطوط سخن کے نام تھے۔ اب نہیں معلوم ان کا کیا حشر ہوا۔

کسی قدر تفصیل سے لکھئے کہ کونسی بات موجب اشتباہ ہوئی ہے؟ کیا یہ بات کہ قرآن اصل دین سے شرع و منہاج کو الگ کرتا ہے اور کہتا ہے جو کچھ اختلاف ہوا شرع میں ہوا نہ کہ اصل دین میں؟ لیکن یہ تو خود قرآن کی تصریح ہے اور ہم مسلمانوں کا سیزدہ صد سالہ عقیدہ۔ یقیناً ہمارا اعتقاد یہ نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت باطل تھی یا حضرت مسیحؑ کے احکام باطل تھے۔ البتہ قرآن کی یہ تصریح گزشتہ کی نسبت ہے جس کا اختلاف اہل کتاب بہ طور حجت کے لاتے تھے نہ کہ آئندہ کی نسبت۔ آئندہ کے لئے اس کا اعلان معلوم ہے کہ نعمت تمام ہو چکی اور یہ اتمام نہ صرف اصل دین میں ہے بلکہ شرع و منہاج میں بھی اور اتمام کے بعد مزید تبدل ممکن نہیں۔ اکمال کے بعد مزید تکمیل کی گنجائش نہیں۔

یہ ہمارے ذمے ہے کہ ہم ہر طالب حق پر واضح کریں کہ جس طرح اصل دین کی دعوت کامل ہو چکی اور وہ تمام پچھلی دعوتوں کا جامع و مشترک خلاصہ ہے، ٹھیک اسی طرح شرع و منہاج کا معاملہ بھی کامل ہو چکا ہے۔ اور وہ تمام پچھلے شرائع کے مقاصد و عناصر پر جامع و حاوی ہے۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس بحث کا محل تفسیر سورۂ فاتحہ یا سورہ بقر نہیں، سورہ احزاب ہے۔ یقیناً ایسا سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ تفسیر سورہ فاتحہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا بیان نہیں، اس لئے مصنف کے نزدیک روزہ فرض نہیں۔ مصنف نے سورہ فاتحہ کی تفسیر ایک خاص اسلوب پر لکھنی چاہی ہے۔ عقائد و فقہ کی کتاب لکھنے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ نیز یہ فرض کر لیا ہے کہ وہ پورے قرآن کی تفسیر لکھ رہا ہے اور سورہ فاتحہ کے بعد ۱۱۳ سورتیں اور بھی مع اپنے مقاصد و مطالب کے آنے والی ہیں۔

اگر حالات مساعد ہوں تو آپ ایک مرتبہ اور تفسیر سورۂ فاتحہ پر نظر ڈال لئے پھر مجھے لکھئے کیا فی الحقیقت اس شبہ کی گنجائش ہے۔؟

آپ نے مولانا ابراہیم کا بیان نقل کیا ہے: "کہ میں نے خط بھیجا اور جواب کے لئے ٹکٹ بھی رکھ دیا۔" یہ بات اور زیادہ میرے لئے موجب تعجب ہوئی۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی

(۲۵)

۱۵ر فروری ۱۹۳۶ء

عزیزی،

میں نے پچھلے خط میں "ترجمان القرآن" کے مطالب کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اگر آپ کے مصالح کے خلاف نہ ہو تو اسے شائع کر دیجئے۔ ابتدائی دو تین سطریں جن میں آپ سے مخاطبت ہے، نکال دیجئے۔ اشاعت کے لئے ان کی ضرورت نہیں۔ آگے چل کر مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے رسالے کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ بھی شائع کرنا غیر ضروری ہے صرف اتنا حصہ اخبار میں دے دیجئے جس میں دو شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

یہ بھی ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ کن صاحب کو لکھا گیا ہے۔ عنوان کے نیچے یہ لکھ دیا جا سکتا ہے کہ ایک خط جو اس بارے میں ایک صاحب نے لکھا تھا یہ اس کا جواب ہے۔

آج ایک صاحب نے اس کی خواہش کی تو مجھے خیال ہوا کہ آپ کو لکھ چکا ہوں، کیوں نہ وہی شائع ہو جائے۔ البتہ یہ آپ کی پسند پر موقوف ہے۔ اگر آپ اپنے مصالح کے خلاف سمجھیں تو ضروری نہیں کہ شائع ہو۔

امید ہے اب آپ کی طبیعت رو بہ صحت ہوگی۔ اور نیا معالجہ کامیاب ہوا ہوگا۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ابو الکلام

مولوی خلیل احمد کے ایک عزیز کی رشتہ داری نواب سید علی حسن (لکھنؤ)[1] کے خاندان میں ہوئی ہے ممکن ہے ان کے پاس ہوں۔ بہر حال مرزا محمد عسکری صاحب سے خط و کتابت اس باب میں اس لئے سود مند ہوگی کہ وہ غالباً سخن سے قرابت رکھتے ہیں، اس لئے نہیں کہ کسی کتاب کے مصنف ہیں، وہ عرصے تک کلکتہ میں رہے ہیں۔ اس لئے ان امور کی مجھے اطلاع ہے۔

۳۔ غالب مرحوم کے نسخہ سے غالباً میں نے تین غیر مطبوعہ غزلیں نقل کی تھیں۔ "سخن تکیہ" "گلا ہے کہ نہیں" اور بحر "تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی" یہ تینوں غزلیں "الہلال" میں نکل چکی ہیں۔ میں جلدوں میں ڈھونڈوں گا اور ان کی نقل بھجوا دوں گا۔ غالباً کسی نے بدایوں سے غالب کا نیا ایڈیشن نکالا تھا اور اس میں "الہلال" کے حوالے سے یہ کلام نقل کر لیا تھا۔

۴۔ مجھے حکیم صاحب کی ادویہ کے استعمال میں ہرگز تامل نہیں۔ اگر اب بھی ان کا یہی فیصلہ ہے کہ "جوہر منقی" وغیرہ استعمال کرنا چاہیئے۔ تو ضرور کروں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ دواخانہ کو حکم دیدیا کریں کہ مجوزہ مرکبات وی۔ پی یا پارسل کے ذریعہ بھیج دی جائیں۔ اس صورت میں، میں شکر گزار ہوں گا۔ اور انشراح خاطر کے ساتھ علاج کروں گا۔ ورنہ طبیعت رک جاتی ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ تحفہ ایک مرتبہ ہونا چاہیئے نہ کہ مسلسل۔ اگر حکیم صاحب یا آپ اسے منظور نہیں کریں گے۔ تو پھر نہ تو میں فراغ خاطر کے ساتھ دوا استعمال کروں گا۔ نہ استداد و اجراء کی حالت گوارا ہو سکے گی[2]۔ اب کاغذ میں گنجائش نہیں۔

ابوالکلام

---

[1] نواب سید علی حسن سے مراد صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خاں بن امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خاں ہیں۔ میں نے نواب صاحب سے بھی خط و کتابت کی تھی۔ لیکن مکاتب بنام سخن کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔

[2] حکیم فقیر محمد مرحوم کی رائے تھی کہ دوائیں جاری رہنی چاہئیں اور ان سے نہ محض اس مرض کو فائدہ پہنچے گا بلکہ عام صحت بھی اچھی ہو جائیگی۔ لیکن وہ دواؤں کی قیمت لینے کے لئے تیار نہ تھے اور فرماتے تھے کہ مولانا کی خدمت ہمارے فرائض میں داخل ہے مولانا بلا قیمت دوائیں استعمال کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔

افسوس ہے کہ علاج کے بارے میں آپ اس وقت تک مطمئن نہ ہو سکے۔ میں سمجھتا ہوں اگر حکیم صاحب کے نئے نسخہ سے افاقہ ہوا تو اسی پر جم جائیے اور کچھ عرصہ تک ایک ہی علاج جاری رکھئے۔ [۱] میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ شفائے کامل عطا فرمائے۔
غالب کی غزل کے لئے کہہ دیا ہے۔ کل نقل بھیج دی جائیگی۔ "ترجمان" جلد دوم کے لئے کیا لکھوں۔ تاخیر پر تاخیر ہوتی ہی گئی۔ چار کاپیاں بجنور پہنچ کر خراب ہوگئیں اور دوبارہ لکھی گئیں۔ بعض اور موانع بھی پیش آگئے۔ بہرحال وہ سب پچھلے ہفتہ دور ہو گئے ہیں۔ اور اب کتاب کے ورود کا منتظر ہوں۔ مفصل خط پھر لکھوں گا۔ اس وقت ڈاک کا وقت ختم ہو رہا ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

(۲۷)

۱۲ $\frac{۲}{۳۶}$ء

عزیزی،

ایک خط کل بھیج چکا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ غالب کی غزل۔
آپ نے "مستی الضر" کہا ہے کہ نہیں؟
یہ بھی اسے حضرت ایوب ؑ گلا ہے کہ نہیں؟

---

[۱] حکیم فقیر محمد مرحوم و مغفور نے آشوب کے دورے کو روکنے کے لئے ایک نسخہ تجویز فرمایا تھا جس کا نام انہوں نے "معجون مفاصل بہ نسخہ دیگر" بتایا تھا۔ بڑی بدذائقہ دوا تھی۔ صبح استعمال کرتا تو شام تک ذائقے پر اس کا اثر مسلط رہتا۔ اس سے خاصا فائدہ ہوا۔

(۲۶)

۱۰؍ فروری ۱۹۳۶ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ میں نے محض اس خیال سے یہ بات لکھی تھی کہ شاید آپ اسے غیر ضروری تصور کریں۔ اگر آپ کو اس میں تامل نہیں (اور یقیناً متامل ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیئے) تو ضرور مکتوب الیہ کا نام ظاہر کر دیجئے۔ آپ ایک مختصر تمہید لکھ کر خط کی نوعیت واضح کر سکتے ہیں ــــ شاید میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ حصہ نکال دیجئے جو مولانا سیالکوٹی کی نسبت ہے اس کی بنیاد بھی ہٹ چکی تھی۔ مجھے ہرگز تامل نہیں۔ اگر آپ مناسب تصور کریں تو پورا خط بجنسہٖ شائع کر دیتا۔

آیات عام اور معلوم ہیں، تاہم اگر ترجمہ ضروری ہے تو ضرور بڑھا دیجئے۔ البتہ موزوں ہوگا اگر اس کی تصریح تمہید میں کر دیں، کیونکہ خط نجی کے طور پر آپ کو لکھا تھا۔ اس میں ترجمہ کا اندراج غیر ضروری اہتمام محسوس ہوگا۔ علاوہ بریں مخاطب کیلئے ترجمہ کی ضرورت بھی نہ تھی۔

سلہ مولانا نے اس سے پہلے مکتوب میں فرمایا تھا کہ "ترجمان" کے متعلق وہ[2] شبہات کا جواب چھاپنا خلاف مصلحت نہ ہو تو چھاپ دیا جائے۔ میں خود اس فکر میں تھا کہ اس کی اشاعت کے لئے اجازت حاصل کروں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ

۱۔ پورا خط چھاپنے کی اجازت دیجئے۔

۲۔ اگر آپ فرمائیں تو میں عوام کی سہولت کے لئے آیات کا ترجمہ ساتھ لکھ دوں۔

۳۔ مولانا محمد ابراہیم والا حصہ بھی الگ کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ مولانا ممدوح تمام معاملات کو درست تسلیم کر چکے ہیں اور وہ اپنی تفسیر میں جو کچھ لکھ چکے تھے اس کی تلافی کی بھی یہی ایک مناسب صورت تھی، کہ بعد کے حالات پیش کر دئے جاتے۔

چنانچہ مولانا نے اجازت دیدی، میں نے الفلاح کے پورے صفحہ پر مکتوب چھاپ دیا اور آیات کے ترجمے کیلئے تمہید میں تصریح کر دی۔

غالب کی روانگی۔ بلکہ صریح یہ ہے کہ ریل کے افتتاح کا یعنی جب دربار میں لفٹننٹ گورنر کی تقریر یا سرکاری اعلان کی قرأت ہو چکی تو وہ ریل کے افتتاح پر متوجہ ہوئے اور اس موقع پر خاص خاص حکام و امرا کو آنے کا موقع دیا گیا۔ اس مطلب کا قطعی قرینہ یہ ہے کہ اس وقت تک ریل وہاں جاری ہی نہیں ہوئی تھی۔ کہ ریل کھلنے سے مقصود ریل پر سفر ہو ۱۸۵۷ء تک ریل کا اجرا صرف ہوڑہ سے رانی گنج تک ہوا تھا۔ آرہ تک پٹری بچھ چکی تھی۔ اور کانپور تک سڑک کی درستگی کا کام ہو رہا تھا۔ غدر نے اس کی اہمیت سمجھائی تو خصوصیت کے ساتھ کام بڑھایا گیا۔ اور ۱۸۶۱ء کے آخر میں غازی آباد تک اجراء کا کام ہو گیا۔ یقیناً ۱۴ جنوری ۱۸۶۵ء کو ریل کے افتتاح کا جلسہ ہوا۔ جمنا کے کنارے تماشے لگے ہیں اور لفٹننٹ گورنر پنجاب نے اس کا افتتاح کیا ہے۔ ہم اسی کی طرف قصیدہ اشارہ کر رہا ہے۔

تعجب ہے یہ صاف بات کیوں اس وقت سامنے نہیں آئی۔ یقیناً لارڈ کیننگ والا دربار یہ نہیں ہو سکتا۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

علاج کے متعلق آپ کی اس درجہ آمادگی اور سرگرمی موجب تشکر و امتنان ہے حکیم صاحب کا بھی شکر گزار ہوں۔ آیندہ اس بارے میں بھی لکھوں گا۔[1]

ابو الکلام

---

[1] میں نے حکیم فقیر محمد چشتی کی دوائیں استعمال کرنے کیلئے بار بار التجائیں کی تھیں ان پر یہ ارشاد ہوا۔

"الہلال" کی جلدوں میں نہیں ملی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ نواب سعید الدین احمد خاں غالب مرحوم کے نسخہ سے میں نے یہ غزل بھی نقل کی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے "الہلال" میں اندراج کی نوبت ہی نہ آئی۔ مزید تصدیق اس خیال کی اس سے ہوتی ہے کہ نواب رامپور کے غسل صحت والا قصیدہ

مرحبا سال فرخی آئیں

عید شوال و ماہ فروردیں

"البلاغ" میں نکلا ہے۔ "الہلال" کی آخری جلد میں نہیں۔ بہت ممکن ہے یہ غزل آئندہ اندراج کے لئے چھوڑ دی گئی ہو۔ اور پھر اشاعت کا سلسلہ بند ہو گیا۔

چونکہ قدیم کاغذات ضائع ہو چکے ہیں اس لئے مسودات کے ملنے کی بھی کوئی توقع نہیں۔

نواب احمد سعید خاں[۱] والا نسخہ ان کے عزیزوں کے پاس ضرور موجود ہو گا۔ وہ نسخہ بجائے خود آپ کے لئے ایک اہم ماخذ کا کام دے سکتا ہے۔ کیونکہ اردو کا قدیم مطبوعہ نسخہ ہے۔ اور سادہ اوراق پر کئی نظمیں خود غالب کے قلم سے لکھی ہیں۔ آپ حاجی عبد الغفار صاحب (علی جان والے) کوئی مشرک دہلی کے پتہ پر لکھئے۔ بہت ممکن ہے وہ سراغ لگا لیں۔

اتنے عرصے کے بعد آج اس مضمون اور قصیدے پر بھی نظر پڑی۔ جو "الہلال" میں نکلا تھا۔ اب غور کرتا ہوں تو آپ کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر میں

آیا تھا وقت ریل کے کھلنے کا بھی قریب

تھا بارگاہ خاص میں خلقت کا ازدحام

"ریل کھلنے" سے مقصود یہ نہیں ہے کہ لفٹنٹ گورنر کی روانگی کا وقت قریب آ گیا تھا۔ خود

۵ا۔ یہاں جلدی میں سعید الدین احمد خاں کو احمد سعید خاں لکھ گئے۔

(۱۳۰)

۱۷ مارچ ۱۹۳۶ء

عزیزی   السلام علیکم

حکیم صاحب کے استفسارات کا جواب حسب ذیل ہے۔

ہضم کی حالت اچھی ہے۔ کوئی خاص شکایت نہیں۔ البتہ سالہا سال سے ہلکی غذا کا التزام ہے۔ مرغن اور ثقیل کھانے قطعاً نہیں کھاتا۔ اگر کھاؤں تو ضرور ثقالت محسوس ہوتی ہے[1]۔ نیند میں کوئی خاص فتور نہیں۔ سالہا سال سے عادی ہوں کہ دس بجے لیٹ جاتا ہوں اور تین بجے صبح اٹھ جاتا ہوں۔ اگر درد کی تکلیف نہ ہو تو اتنی نیند ضرور آجاتی ہے[2]۔ طبیعت میں یبوست کا کچھ اثر ضرور ہے (اگرچہ دل و دماغ میں نہیں) درد داہنے پاؤں کی ران کے زیریں حصہ میں شروع ہوا۔ البتہ اب آخری دورہ کے بعد ایک نئی تکلیف شروع ہو گئی ہے۔ یعنی ران کی جڑ میں کچھ کھچاؤ سا رہتا ہے۔ اگر چار زانو ہو کر بیٹھوں یا بیٹھ کر

---

[1] میں نے مولانا کو ہمیشہ بہت کم اور ہلکی غذا کھاتے دیکھا۔ چائے بہت شوق سے پیتے تھے اور چائے کے ساتھ ہلکی اور نمکین چیزیں کھانی پسند تھیں۔ آخری دور میں غذا بہت گھٹ گئی تھی۔ میں جب کبھی دہلی جاتا تھا تو عموماً دوپہر کا کھانا میرے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ ایک آدھ چپاتی اور تھوڑا سا خشکہ۔ خشکے میں سالن کی بجائے زیادہ تر دال ڈالتے تھے۔ (بونٹ پلاؤ (سبز کچے چنے اور چاول) بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ اوائل موسم ہی میں فرمائش شروع ہو جاتی کبھی بونٹ نہیں آئے تو تلاش کرو اور پکاؤ میٹھا بھی ہلکا سا پسند تھا: شاگو پڈنگ یا فروٹ سلاد۔ رات کا کھانا اکثر کمرے ہی میں منگوا لیتے۔ اور میرے علم کے مطابق اسے بلحاظ مقدار کھانا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

[2] مولانا جلد سونے اور بہت تڑکے اٹھنے کے عادی تھے۔ اٹھتے ہی چائے ضرور پیتے۔ دیر سے بھی سوتے تو سحر خیزی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔

(۲۸)

۲۶ر فروری ۱۹۳۶ء

عزیزی۔

یہ بڑی مصیبت ہے کہ کاروباری مسلمانوں میں راست بازی مفقود ہوگئی ہے خصوصاً ان مسلمانوں میں جو مذہب کا نام زیادہ پیٹتے رہتے ہیں اسوقت میں نے "انقلاب" میں ....ایجنسی لاہور کا ایک اشتہار دیکھا کہ "تذکرہ" کی قیمت للعہ ہے۔ حالانکہ اس کی قیمت ۶؍ ہے اسی قیمت کے حساب سے یہ لوگ "تذکرہ" منگواتے ہیں اور اس پر کافی کمیشن لے جاتے ہیں۔ اس قیمت سے زیادہ قیمت لینے کا انہیں حق نہیں۔ کیا آپ اس کا کوئی علاج بتلا سکتے ہیں۔ مجھے نہایت اذیت ہوتی ہے جب میں خیال کرتا ہوں کہ لوگ اپنے شوق مطالعہ میں دو روپے کی جگہ للعہ دینے پر مجبور ہوئے ہیں اور ایک شخص میری کتابوں کے نام پہ لوگوں سے بے انصافی کر رہا ہے۔ کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ انقلاب میں میری طرف سے یہ اعلان درج کرا دیں کہ تذکرہ کی قیمت ۶؍ ہے۔ اس سے زیادہ قیمت لینے کا کسی تاجر کو حق نہیں۔ کیونکہ وہ کمیشن وصول کر رہا ہے۔ اگر اس قیمت پہ تذکرہ لاہور اور پنجاب میں نہ ملے تو براہ راست دفتر سے منگوا لیا جائے [1]

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[1] میں نے ایجنسی کا نام حذف کر دیا لیکن جس حد تک مجھے یاد ہے صورت غالباً یہ تھی کہ زیادہ قیمت والے نسخے کی جلدیں بہت قیمتی تھیں۔

(۳۱)

۸ - مارچ ۱۹۳۶ء

عزیزی

اپنی حالت کی نسبت خط لکھ چکا ہوں لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا ایک احساس صحیح نہ تھا یعنی میں نے لکھا ہے - اب داہنے پاؤں کی ران کی جڑ میں درد کی کھٹک ہے حالانکہ جڑ میں نہیں بلکہ وسط ران کے بالائی حصہ میں چونکہ درد اس وقت محسوس ہوتا ہے جب چار زانو بیٹھا جائے یا پاؤں کو بیٹھے ہوئے اوپر نیچے کیا جائے اس لئے ابتدا میں صحیح طور پہ دماغ کام نہ کر سکا کہ کہاں کھٹک ہے - براہ عنایت حکیم صاحب کو مطلع کر دیں تاکہ تمام حالات پیش نظر رہیں -

آپ نے ترجمان القرآن کی رفتار طباعت کی نسبت لکھا تھا - واقعہ یہ ہے کہ میں خود بھی عاجز آچکا ہوں پہلی مصیبت یہ ہے کہ کتابت کی رفتار تو بہت سست رہتی ہے کیونکہ ایک ہی کاتب متن - ترجمہ اور نوٹس لکھتا ہے - ساتھ ہی اس کا لحاظ بھی رکھتا ہے کہ جسقدر ترجمہ نیچے آئے اتنی ہی آیات اوپر آئیں - قدرتی طور پہ اسے ٹھہر ٹھہر کر اور حساب کر کے لکھنا پڑتا ہے - پہلے اندازہ چار صفحے روزانہ کا کیا تھا لیکن عملاً بمشکل تین یا ڈھائی صفحے لکھے جا سکے - بہر حال اسے میں نے گوارا کر لیا - کیونکہ بظاہر ناگزیر معلوم ہوا لیکن کم از کم چھپائی کی رفتار سست نہ ہو - کیا آپ لاہور میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں - کہ کاپیاں جاتی رہیں چھپتی رہیں - اگر ایسا ہو سکے تو ممکن ہے کہ تیسری جلد کسی قدر جلد نکل آئے - کاپیاں میں دیکھ کر اور صحیح کر کے بھیجوں گا - البتہ پروف کی صحت اور نگرانی وہاں ہونی چاہئے - کاپیوں کے ساتھ احتیاطاً مسودہ بھیج دیا جاتا ہے -

اجرت طباعت کی کمی بیشی کا کوئی سوال نہیں - پروف کی تصحیح وغیرہ کی اجرت بھی محسوب کر لی جائے گی - مگر نگرانی ٹھیک ہو - چھپائی روشن اور جلد جلد - دیکھئے

پاؤں اوپر نیچے پلایا جائے تو ران کی جڑ میں درد محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح کا جیسا کھنچاؤ کا درد ہو۔ یہ حالت پہلے نہ تھی۔ اب ہوئی ہے۔

درد سب سے پہلے جولائی ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ اور تقریباً تین دن تک رہا۔ ڈاکٹروں نے ایک گولی تجویز کی تھی۔ بہت سریع الاثر ثابت ہوئی۔ دوسرے دن ہی سے افاقہ شروع ہو گیا تھا پھر اسی سال جاڑوں میں دوبارہ محسوس ہوا۔ اب کے زیادہ عرصہ تک رہا یعنی چار پانچ دن تک جن گولیوں نے پہلے فوراً اثر کیا تھا اب دیر میں کیا۔

ڈاکٹروں کی تجویز تھی کہ بھپتی غسل اور مالش مفید ہوگی چنانچہ ایک ماہ تک علاج جاری رہا چونکہ درد اس سے پہلے ہی جا چکا تھا۔ اس لئے اس علاج کی تاثیر کا کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ عام صحت پر اس کا اثر ضرور اچھا پڑا۔

پچھلے جاڑے کے بعد گرمیوں اور بارش کا موسم نکل گیا اور کوئی شکایت نہیں ہوئی ایک دو بار کچھ خفیف سی کھٹک محسوس ہوئی تھی اس لئے احتیاطاً گولیاں استعمال کر لی تھیں انہیں ایام میں آپ کی دوا استعمال کی گئی تھی۔

اب اس جاڑے میں پھر درد ہوا۔ اور درجہ میں زیادہ سخت یعنی محل اور نوعیت وہی تھی لیکن تکلیف زیادہ تھی۔ ایک دو راتیں بہت سخت گزریں۔ بالآخر انہیں گولیوں سے افاقہ ہوا اس مرتبہ تین درجن گولیاں کھائیں۔ حالانکہ پچھلی دفعہ بارہ یا چوبیس ہی کافی ہوئی تھیں خون کا بار بار امتحان کیا گیا۔ یورک ایسڈ کی مقدار زیادہ نہیں بتلاتے البتہ معتدل ترجہ سے۔

ڈاکٹروں سے مشورہ کر کے میں نے ایسی احتیاط اختیار کر لی ہے۔ جو مادۂ مرض کی تولید سے مانع ہو۔ یعنی گوشت جو پہلے بھی کم کھاتا تھا۔ بالکل ترک کر دیا ہے۔ روٹی نصف گیہوں نصف جو۔ انڈا اور بڑی مچھلی بھی متروک۔ مسور کی دال بھی چھوڑ دی ہے اس بارے میں حکیم صاحب کی کیا رائے ہے۔ اس کی تائید کرتے ہیں۔ یا نہیں؟

ابوالکلام

کا بہتر انتظام کچھ نہیں ہوا۔ بلا شبہ مجھے فروخت کی کمی کی شکایت نہیں لیکن ہمیں میرے کسی انتظام کی خوبی کو دخل نہیں۔ محض لوگوں کا حسن ظن ہے۔ کہ وہ ہر حال میں میرے قلم سے نکلی ہوئی چیز ذوق و شوق سے لیتے ہیں۔

آپ اس بارہ میں مجھے جو کچھ مشورہ دیں میں یقیناً اسے ترجیح دوں گا[51] مجھے یاد نہیں کہ مبارک علی صاحب نے ترجمان القرآن جلد اول کے تمام نسخے لینے چاہے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو میں ضرور اس طریقہ کو ترجیح دیتا۔ بلا شبہ مجھے قیمت کی وصولی میں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا تاہم ایک آدمی سے معاملہ کر کے فارغ البال ہو جانا بہر حال قابل ترجیح ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے صرف پنجاب کے لئے دو ہزار یا پندرہ سو نسخے لئے تھے۔

پہلی جلد ایک نئی چیز تھی۔ اسلئے خریداروں کی فراہمی میں بھی کچھ وقت لگا لیکن اب دوسری جلد کے خریدار تو تمام تر مستقل معلوم اور معین ہیں۔ نیز مطالب و مباحث کی وسعت کے اعتبار سے اسکی حیثیت پچھلی جلد سے بھی بلند تر ہے۔ پریس سے نکلتے ہی پھیل جائے گی۔ تاہم میں یقیناً اس صورت کو ترجیح دونگا کہ کوئی ایک شخص ہی معاملہ کر لے۔ اور یہ ایک دفعہ پوری رقم مل جائے۔ ف ۲۵ روپے فیصدی کے حساب سے چھ ہزار نسخوں کی کمیشن تقریباً دس ہزار ہوتی ہے اگر اس دس ہزار میں سے چار پانچ ہزار کی رقم سب ایجنٹوں کو بھی دیدی جائے جب بھی

---

[51] میری معلومات کے مطابق شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور ترجمان جلد اول کے پورے نسخے خرید لینے پر آمادہ تھے لیکن مولانا کی طرف سے جن لوگوں کے ہاتھ میں فروخت کا انتظام تھا انہوں نے ایسی رائے دی کہ شیخ صاحب کے ساتھ سودا نہ ہو سکا اور مولانا کی تحریر سے واضح ہے کہ شیخ صاحب کی تجویز ان تک پہنچ ہی نہ سکی۔ شیخ صاحب پانسو نسخے لے آئے بعد ازاں مختلف اوقات میں حسب ضرورت نسخے خریدتے رہے۔ اور صحیح انتظام نہ ہوسکنے کے باعث ترجمان جلد اول کے بہت سے نسخے جہاں پڑے تھے وہیں پڑے رہے۔ جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔

دوسری جلد اس ماہ کے اندر نکلتی ہے۔ یا ہفتہ عشرہ اور نکل جاتا ہے[۱]

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۳۲)

۱۳؍ مارچ ۱۹۳۶ء

عزیزی!

خط پہنچا۔ یہ مسہل والا مقدمہ ہے میرے لئے بہت ہی مشکل لیکن حکیم صاحب اگر اسے ناگزیر ہی تصور کرتے ہیں۔ تو بہ حکم مردہ بدست زندہ بہر حال تعمیل کروں گا لیکن جب سے ہوش سنبھالا ہے آج تک اس طبی ابتلا سے گریزاں ہی رہا مشکل یہ ہے کہ ادھر کچھ دنوں تک شاید سفر کا سلسلہ جاری رہے۔ دہلی سے تار پہ تار آرہے ہیں بہت ممکن ہے تقاضا نہ ٹال سکوں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ علاج کا سلسلہ سفر کے بعد شروع کیا جائے۔ یعنی آئندہ ماہ۔

کتابوں کی نسبت آپ نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے[۲]۔ یقیناً ان کی طباعت واشاعت

۱؎ اس سے واضح ہے کہ ۱۹۳۶ء میں ترجمان القرآن کی تیسری جلد بالکل تیار تھی میں نے ہر ذمہ داری کے لئے پوری آمادگی ظاہر کی تھی لیکن مولانا کی مشغولیتیں ایسی تھیں کہ قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ اور انکی طبیعت کا ایک خاصہ یہ بھی تھا کہ کتاب مطبع میں پہنچ جانے تک مسودہ جتنی مرتبہ نظر سے گزرتا تھا ترمیمیں فرماتے رہتے تھے۔

۲؎ میں نے عرض کیا تھا کہ کتابوں کی طباعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے اور انکی فروخت کا انتظام میرے علم کے مطابق کبھی اطمینان بخش صورت اختیار نہ کر سکا۔ میری تجویز یہ تھی کہ کتاب چھپتے ہی پوری کی پوری کسی ایک تاجر کے حوالے کر دینی چاہیے۔ اگرچہ کمیشن زیادہ دینا پڑے اسلئے کہ اول یکمشت رقم مل جائیگی۔ اور دوسرے فروخت کی پریشانیاں ممتد نہ ہونگی اور تو کچھ ملا دو یکمشت کتاب جم جاتی

ہے کہ ۲۵ فیصد کمیشن پر انھیں ایجنسی دے دی گئی ہے۔ صرف ایک خاص مفاد اس سے مستثنیٰ ہے جو رجسٹرڈ خریداروں کی ہے لیکن چونکہ آپ نے لکھا تھا وہاں ایسی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں کہ نقد قیمت پر تمام نسخے لے لیں اس لئے مجھے خیال ہوا کہ اگر کوئی ایسی تجویز ہو تو نصر اللہ صاحب کی رضامندی سے اسے اختیار کر لیا جائے۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ بحالت موجودہ کوئی قابل عمل تجویز نہیں ہو سکتی جیسا کہ آپ نے لکھا ہے "تاجر قدرتی طور پر غیر معمولی کمیشن چاہیں گے۔ لیکن دفتر کو یہ وقت پیش آئے گی کہ خریدار معین و مشخص ہیں زیادہ سے زیادہ تین چار ماہ کے اندر تمام روپیہ وصول ہو جائے گا۔ صرف اتنی مدت کے انتظار سے بچنے کے لئے وہ کسی ایسی کمیشن کو کیوں منظور کرے جیسی کہ آپ نے لکھی ہے یعنی تقریباً پچاس فی صدی؟" ....

علاوہ بریں یہ خیال بھی آپ کا صحیح ہے کہ یہ تاجر بیک وقت روپیہ کا انتظام نہیں کر سکتے۔ اگر معاملہ قابل اطمینان ہو تو بلا شبہ اقساط میں روپیہ وصول کیا جا سکتا ہے لیکن اس معاملے میں کمیشن کی مقدار طے نہیں ہو سکتی۔

بہرحال اگر ممکن ہو تو صرف شیخ مبارک علی سے گفتگو کر لیجئے انھوں نے پہلی جلد کی سول ایجنسی پنجاب کے لئے لی تھی اور غالباً پندرہ سو نسخے ۲۵ فیصد کمیشن پر منگوائے تھے۔ اب مجھے بجنور سے معلوم ہوا ہے کہ پنجاب کے ہر شہر کے تاجر نسخے منگوا رہے ہیں اور وہ انھیں اپنا حق رکھ کر کمیشن پر دے رہے ہیں۔ اگر صرف مبارک علی صاحب معاملت کر لیں

ؒ میں نے اپنی تجویز (ایک تاجر کے ہاتھ پوری کتاب بیکمشت فروخت کر دینا) کی تائید میں یہاں کے ایک نہایت مشہور و ہر دلعزیز مصنف کی ایک کتاب کا حوالہ دیا تھا جو پوری کی پوری ایک تاجر نے خرید لی، کمیشن منظور کر کے۔ کتاب کا نام میں نے والنسنہ حذف کر دیا۔

صرف چند ماہ کے اندر پانچ ہزار کا منافع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کیا آپکے پیش نظر کوئی شخص ہے۔؟

میں ایک خط میں تیسری جلد کی نسبت لکھ چکا ہوں۔ غالباً اب مل چکا ہوگا۔ اگر تصحیح و طباعت کا لاہور میں اہتمام ہو سکے اور طباعت جلد ہو تو میں کاپیاں بھیجتا رہوں۔ بہر حال اس بارہ میں آپ کا جو مشورہ ہو مجھے مطلع کیجئے۔ یہ ظاہر ہے کہ آپ جو کچھ کریں گے محبت و اخلاص سے کریں گے۔ میں تیار ہوں۔ آپ کو اس بارہ میں پاور آف اٹرنی[1] دے دوں۔ والسلام علیکم۔

ابو الکلام

مجھے آپ کے خطوط مل گئے۔ وہ خط بھی مل گیا جس میں آپ نے مولانا ابراہیم صاحب کی ملاقات کا حال لکھا ہے۔ غالباً اس میں جواب طلب کوئی بات نہ تھی۔ اس لئے میں نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔

---

(۳۳)

کلکتہ

۲۲۔ مارچ ۱۹۳۶ء

عزیزی۔

خط پہنچا۔ جن صاحبوں نے آپ سے "ترجمان القرآن" جلد دوم کی نسبت یہ سوال کیا ہے کہ اس کی سول ایجنسی نصر اللہ[2] صاحب کو دے دی گئی ہے انہوں نے صحیح بات کہی ہے یہ واقعہ

[1] مختار نامہ یا سند مختاری [2] یعنی مولانا نصر اللہ خاں عزیز جو اس زمانہ میں "مدینہ" بجنور کے ایڈیٹر تھے

مطلع میں "کہا ہے تو سہی" سے کہیں زیادہ" استفہام تقریری موزوں ہے یعنی "کہا ہے کہ نہیں" اس لئے یہ تحریف بلا قصد ہوگئی لہ و السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

---

(۲۴)

۱۹ اے، بالی گنج، سرکلر روڈ کلکتہ
۲۴۔ مارچ ۱۹۳۶ء

عزیزی　　　　السلام علیکم

ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اب آپ کا مفصل خط ملا۔ آپ اس معاملے میں جس قدر دلچسپی لے رہے ہیں وہ یقیناً آپ کے اخلاص و محبت کی میرے لئے ایک نئی شہادت ہے اللہ تعالیٰ اس اخلاص و محبت کے لئے جزائے خیر عطا فرمائے ؛

جب معاملہ یہاں تک پہونچ چکا ہے تو ضروری ہے کہ اسکے تمام پہلو آپ کے سامنے آجائیں۔ معاملے کی جو اصلی صورت ہے۔ وہ میں آپ کو صاف صاف لکھ دیتا ہوں ؛

شیخ مبارک علی صاحب کا یہ خیال صحیح ہے کہ پہلی جلد کی فروخت میں کچھ وقت لگا، لیکن وہ یہ حقیقت نظر انداز کر رہے ہیں کہ دوسری جلد کی حالت اس اعتبار سے بالکل مختلف ہوگئی ہے اور قدرتی طور پر مختلف ہونی تھی، پہلی جلد جب نکلی تو بالکل ایک

لہ غالب کی غزل کی ردیف مولانا نے "ہے کہ نہیں" تحریر فرمائی تھی، صحیح ردیف "ہے تو سہی" تھی۔ میں نے اس طرف توجہ دلائی تو آپ نے فرمایا کہ یہاں استفہام تقریری زیادہ موزوں تھا، اسلئے بلا قصد "ہے کہ نہیں" لکھ گیا ؛

تو یقیناً قابل ترجیح ہے، لیکن وہ غالباً اس انتظار میں ہیں کہ جب کتاب نکل جائیگی تو پھر دیکھیں گے، حالانکہ پھر موقع باقی نہیں رہے گا، کتاب نکلتے ہی بہ راہ راست روانہ ہونا شروع ہو جائے گی:۔

اگر وہ پندرہ سو نسخے بہ یک دفعہ لے لیں تو کوشش کروں گا کہ پنجاب کے لئے نصر اللہ صاحب بہ دستور انھیں کو سول ایجنسی دے دیں:۔

افتتاح ریل کی نسبت ۱۸۶۶ء میں نے اس لئے لکھ دیا تھا کہ گزشتہ سال ہندوستانی ریلوں کی تعمیر پر ایک آرٹیکل "اسٹیٹسمین" میں نکلا تھا، غالباً اس میں یہ سنہ کسی موقع پر لکھا گیا ہے، لیکن اب آپ کے لکھنے پر میں نے مزید تفتیش کی تو معلوم ہوا آپ کا قیاس قریب قریب درست ہے یعنی ۱۸۶۶ء نہیں بلکہ ۱۸۶۵ء میں دہلی کی ریل کا افتتاح ہوا ہے[۱]:۔

میں نے آج ایک صاحب کو جو ای۔آئی۔آر کے دفتر سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہا ہے کہ اس بارے میں مستند معلومات بہم پہونچائیں۔ انشاء اللہ دو تین دن کے بعد آپ کو قطعی طور پر لکھ سکوں گا۔ یہ بات تو آپ پنجاب کے سرکاری دفاتر سے بھی معلوم کر سکتے ہیں، یعنی دہلی میں ریل کا افتتاح کب ہوا:۔

غنیمت ہے کہ آپ کو دہلی میں غالب کا ایک نسخہ[۲] مل گیا، بہت ممکن ہے جو نسخہ میں نے دیکھا تھا یہ اس کی نقل ہو۔ میرے ذہن میں غزل کا صرف مطلع محفوظ تھا اور چونکہ

۱؎ یہ میکلوڈ صاحب لفٹننٹ گورنر پنجاب والے قصیدے کی بحث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ مولانا نے "الہلال" میں لکھا تھا کہ یہ قصیدہ غالباً ۱۸۶۰ء میں بمقام آگرہ پڑھا گیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ جنوری ۱۸۶۵ء کا ہے اور دہلی کے اس دربار سے تعلق رکھتا ہے جو ریل کے افتتاح کے سلسلے میں منعقد ہوا تھا۔ مولانا نے اسے ۱۸۶۶ء کا قرار دیا ہے، پھر فرمایا کہ تمہارا قیاس قریب قریب درست ہے

۲؎ دہلی میں مولانا مظہر الدین مرحوم شہر کوٹی کی وساطت سے میں نے نواب شجاع الدین احمد خاں کے ہاں مرحوم کی بیگم والا نسخہ دیکھا تھا۔ یہ اسی کا ذکر ہے:۔

دو ہزار کی قیمت تین چار ماہ پہلے مل جائے اور ایک ہزار کی چھ سات ماہ پہلے اس قدر نقصان گوارا کر لینا چاہیئے؟

پھر یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ چھ سات ماہ کی مدت میں اس لئے ذکر کر لیتا ہوں کہ مسئلہ اپنی انتہائی شکل میں نمودار ہو جائے، ورنہ کافی وجوہ اس کے لئے موجود ہیں کہ اب دوسری جلد کے ساتھ پہلی جلد کے تمام بقیہ نسخے فوراً نکل جائیں گے۔ چنانچہ مولوی نذر اللہ خان لکھ رہے ہیں کہ جس قدر نسخے مل سکیں ان کے لئے محفوظ رکھے جائیں۔ اسی طرح پٹنہ اور حیدرآباد سے بھی پہلی جلد کی مانگ آ چکی ہے:

شیخ مبارک علی صاحب کا یہ خیال کہ انھیں اشتہارات پر کافی رقم خرچ کرنی پڑے گی، صحیح نہیں ہے۔ لوگوں کو صرف اس اطلاع کی ضرورت ہے کہ کتاب نکل گئی، نہ کہ اشتہاری پروپیگنڈا کی۔ زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ روپیہ اشتہارات پر خرچ ہو جائے گا:

یہ حالات سامنے رکھ کر آپ اس بارے میں رائے قائم کریں:

مبارک علی صاحب کا یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ پہلی جلد کے دو ہزار نسخے باقی ہیں۔ صحیح تعداد میں دو تین دن کے بعد بتلاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ ہزار یا گیارہ سو نسخے ہوں گے۔ کچھ نسخے درجہ اول کے رہ گئے ہیں، غالباً چالیس:

اس طرح کی معاملت "ترجمان القرآن" کے لئے اس لئے دشوار ہو گئی ہے کہ تاجر قدرتی طور پر عام حالات کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور ترجمان القرآن کی جو واقعی نوعیت ہو گئی ہے اس کا اندازہ کر نہیں سکتے۔ اگر انھیں بتلایا جائے تو اسے تجارتی کامجوئی پر محمول کریں گے۔ نتیجہ یہ کہ قابل عمل صورت بہ مشکل نکل سکے گی:

آپ نے ایک شخص سے معاملہ کر لینے اور زرِ نقد روپیہ لینے کی مزیت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے میں نے اس پر اچھی طرح سے غور کیا۔ آپ جانتے ہیں میری طبیعت کی افتاد تاجرانہ طلبِ زر کی راہوں سے کس درجہ ناآشنا واقع ہوئی ہے۔ میں کمی بیشی کے معاملے کو تاجرانہ نقطۂ نگاہ سے

نئی چیز تھی۔ کتاب کی حیثیت و نوعیت کی لوگوں کو خبر نہ تھی۔ ابتدا میں جن لوگوں نے خریدا محض خوش اعتقادی کی بنا پر خریدا، اسلئے قدرتی طور پر ضروری تھا کہ عام مانگ کے پیدا ہونے میں کچھ نہ کچھ وقت نکل جاتا۔ پھر بھی پریس سے نکلتے ہی دو ہزار نسخے ایک ہفتے کے اندر نکل گئے تھے۔ بقیہ نسخے پھر بہ تدریج نکلے، لیکن اب تمام ابتدائی مرحلے طے ہو چکے ہیں اور پہلی جلد کے تمام خریدار دوسری جلد کے لئے چشم براہ ہیں حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے تمام خریدار متعین و مشخص ہیں کتاب کے نکلتے ہی پانچ ہزار خریدار آمادہ و منتظر ملیں گے۔ صرف ایک ہزار نسخوں کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ انتظار کرنا پڑے گا، لیکن اب بہت سی درخواستیں ایسی آ رہی ہیں جو دونوں جلدیں یکجا لینا چاہتی ہیں ؛

کتاب کی فروخت کا جو انتظام پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ دو ہزار ایک سو نسخے یہاں کلکتہ کے مقامی خریداروں اور رجسٹر کے براہ راست خریداروں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ان کے لئے دفتر کو کوئی کمیشن وضع نہیں کرنی ہے۔ پوری قیمت ہفتہ عشرہ میں وصول ہو جائیگی۔ باقی نسخے مختلف تاجروں کے ہاتھ جائیں گے اور انفرادی خریداروں کے ہاتھ جنھوں نے اب بجنور درخواست بھیج دی ہے۔ ان نسخوں پر صرف ۲۵ فی صدی کمیشن دفتر وضع کریگا جو بجنور کی ایجنسی وصول کریگی۔ تاجروں کو بجنور والے ۱۲ سے ۱۵ تک کمیشن دے رہے ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ بھی رقم کی بڑی مقدار دو تین ماہ کے اندر ضرور وصول کر لیں گے اور مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا ؛

ایسی حالت میں آپ غور کیجیے کہ دفتر کے لئے یہ طریقہ صحیح ہوگا کہ تمام نسخے نصف قیمت پر فروخت کر دے ؟

مجوزہ معاملہ تجارتی نقطۂ خیال سے صرف دو منزلیں رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ بجنور والی رقم میں شاید دو تین ماہ لگ جائیں، اس میں رقم اسی وقت مل جائے گی۔ دوسری یہ کہ ہزار بارہ سو نسخے، جو ہو سکتا ہے کہ بعد کو بہ تدریج نکلیں، انکی قیمت بھی اسی وقت مل جاتی ہے ؛ لیکن سوال یہ ہے کہ کس قدر قیمت ملتی ہے ؟ نصف۔ پھر کیا صرف اتنی سی بات کیلئے کم

مرتبہ بہتر سامان یہاں کرلیا گیا ہے۔ اس میں کسی قدر کفایت بھی ہوگی۔ کتاب کی ضخامت چونکہ بڑھ گئی ہے اس لئے یہی رائے قرار پائی کہ قیمت ۱۲ قرار دی جائے اور جلد کے لئے بجائے ایک روپیہ کے ۱۲ ار بڑھایا جائے یعنی مجلد ۱۴ کی جگہ ۱۳ ہو۔ جلد کا یہاں جو سامان کیا گیا ہے وہ ایسا ہے کہ دفتر کو فی جلد تقریباً ۹ دینا پڑے گا۔ بس اس میں بھی ۳ فی جلد کی مزید بچت ہے

بہرحال یہ تو ایک فروعی معاملہ ہے، اصل معاملہ کمیشن کا ہے:

تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں خیال کرتا ہوں کہ ایک ہاتھ سے معاملت کرنے کے فوائد کی خاطر ہمیں یہاں تک آمادہ ہوجانا چاہئیے کہ ایک تہائی کمیشن منظور کرلیں۔ اس سے زیادہ کمیشن دینا بلاوجہ کافی رقم کا نقصان گوارا کرنا ہے۔ امید ہے آپ بھی اس سے اتفاق کریں گے:

ہاں پہلی جلد کے جس قدر نسخے باقی ہیں ان کے لئے اگر آپ مصلحتہً کچھ اور بھی چھوڑ دیں تو چھوڑ دے سکتے ہیں لیکن دوسری جلد کے لئے ایک تہائی سے زیادہ وضع نہ کیجئے۔ غالباً وہ لوگ اس میں متامل ہوں۔ اس صورت میں صرف پنجاب کے لئے معاملہ کر لیجئے اگر ہو سکتا ہو:

ابوالکلام

---

(۳۵)

۲ اپریل ۱۹۳۶ء

عزیزی

السلام علیکم

خط پہونچا۔ مجھے آپ کی اس رائے سے کہ ایک آدمی سے معاملہ کرلینا اولیٰ ہے، ہرگز اختلاف نہیں۔ اصولاً یہ بالکل صحیح ہے کہ اس صورت میں ہمیں رقم کی کمی گوارا کرلینی چاہئیے۔ لیکن ہر معاملے کے حدود ہوتے ہیں۔ "ترجمان القرآن" کے فروخت کی جو معین و مشخص حالت ہے، وہ میں نے آپ کو بہ تفصیل لکھ دی تھی۔ شاید آپ نے اس پر غور نہیں کیا۔ اگر میرا پچھلا خط موجود ہو تو اس

دیکھنے کا اہل نہیں تاہم اس معاملے کی نوعیت اس درجہ واضح اور قطعی ہے کہ جس قدر غور کرتا ہوں، نصف قیمت پر معاملت صریح اور بلا وجہ نقصان معلوم ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے آپ بھی یہی رائے قائم کریں گے:۔

علاوہ بریں لکھ چکا ہوں کہ اب مولوی نصر اللہ خاں صاحب کی رضا مندی ہی سے معاملہ کر سکوں گا، کیونکہ ان سے ایک بات کر چکا ہوں۔ بلاشبہ مجھے یقین ہے کہ وہ رضا مند ہو جائیں گے، لیکن میرا فرض یہ ہے کہ ان کے انتفاع کا بھی پہلو پیش نظر رکھوں۔ اب اس کی جو صورت نکل سکتی ہے، وہ یہی ہو سکتی ہے کہ دفتر کے حصّے کی رقم میں سے کچھ نکالا جائے۔ پس بصورتِ معاملت دفتر کو یہ بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا:۔

مبارک علی صاحب کا یہ خیال بھی کہ کتاب مجلد نہ ہو[1]، ایک مزید دشواری ہے۔ جلد کا اس

---

[1] میں نے اسی وقت مولانا کی خدمت میں عرض کر دیا تھا کہ مفصل ارشادات نے معاملے کے تمام پہلو واضح کر دیئے لیکن مجھے ان توضیحات کی ضرورت اسی صورت میں پیش آ سکتی تھی کہ پہلے سے آپ کا فائدہ پیش نظر نہ ہوتا۔ شیخ مبارک علی صاحب بھی اس لئے سودا کر لینے پر آمادہ ہوئے تھے کہ مولانا مطبوعہ کتابوں کی طرف سے بے فکر ہو کر یکسوئی سے تفسیر مجلد پر متوجہ ہو جائیں۔ تجارتی نفع اصل محرک نہ تھا۔ تاہم وہ بازار کے حالات سے پورے آگاہ تھے! اور بہتر اندازہ کر سکتے تھے کہ کتاب کتنی مدت میں فروخت ہوگی اور اس کے لئے اشتہاروں پر کتنا خرچ آئے گا۔ پھر اس زمانے میں پچیس تیس ہزار کی رقم ہر تاجر ایک کتاب میں لگا دینے کے لئے تیار نہ ہو سکتا تھا۔ شیخ صاحب نے کتاب غیر مجلد لینے کی تجویز اس لئے پیش کی تھی کہ اول مختلف خریداروں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق عمدہ جلد بندھوائیں اگرچہ اس پر کتنا ہی خرچ آئے۔ دوسرے شیخ صاحب اپنے گاہکوں کی پسند کے مطابق حسب ضرورت جلدیں بندھوا سکتے تھے۔ تیسرے بجنور سے مجلد کتابوں کے بجائے غیر مجلد کتابیں زیادہ محفوظ طریقے پر لاہور لائی جا سکتی تھیں:۔

یعنی بائیس ہزار روپیہ میں کل نسخوں کا معاملہ ہو جائے۔ ۳۳ فی صدی کے حساب سے چھبیس ہزار ہوتے تھے۔ چار ہزار کی رقم اور چھوڑ دی گئی :

پہلی جلد کے جس قدر نسخے باقی ہیں، غالباً بارہ سو ہوں وہ بھی ۴۵ فی صدی پر لیں :

نصر اللہ خاں صاحب کے پاس جس قدر آرڈر ہیں، ان پر ۲۵ فی صدی کے حساب سے انھیں کمیشن دے دیا جائے :

اگر مبارک علی صاحب اسے منظور کریں تو پھر میں نصر اللہ خاں صاحب سے گفتگو کر کے معاملے کی انجام دہی کی فکر کروں۔ اگر انھیں اس میں بھی تامل ہو تو پھر اس سے قطع نظر کر لیجیے اب کتاب نکل رہی ہے اور مزید رد و کد کی گنجائش نہیں :

ہاں اگر وہ پنجاب کے لئے پندرہ سو نسخے لینا چاہیں اور ۲۵ فی صدی پر، تو میں اس کا انتظام کرا دوں :

میں ۵۔ اپریل کو الہ آباد جا رہا ہوں، وہاں ۸۔ کی صبح تک ٹھہروں گا، اور پھر لکھنؤ کا قصد کروں گا۔ لکھنؤ میں ۱۳۔ تک قیام رہے گا۔ قیام لکھنؤ کے زمانے میں مجھے کتاب کی ترسیل و تقسیم کا انتظام کر دینا ہے۔ پس اس خط کا جواب الہ آباد کے پتہ سے یا لکھنؤ کے پتہ سے بھیجیے۔ الہ آباد کا پتہ "آنند بھون" ہے۔ اور لکھنؤ کے لئے موتی نگر کانگریس کیمپ۔ اگر ۷۔ تک مجھے مل جانے والا ہو تو الہ آباد کا پتہ لکھیے ورنہ لکھنؤ کا +

آپ نے کلکتہ آنے اور ملنے کے قصد کا ذکر کیا ہے۔ میرے مکان کا دروازہ اور دل کا دروازہ، دونوں آپ کے لئے باز ہیں :

ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

لاہور سے کلکتہ دور ہے لیکن لکھنؤ اتنا دور نہیں۔ شام کو سوار ہو جئیے اور دوسرے دن دس بجے لکھنؤ پہونچ جائیے۔ اگر آپ اطلاع دے دیں تو میں ایسا انتظام کر دوں گا کہ اسٹیشن سے سیدھا میری قیام گاہ پر آ جائیں :

ابوالکلام

پر پھر ایک نظر ڈال لیجیے۔ سوال یہ ہے کہ مبارک علی صاحب جتنی رقم پیش کر رہے ہیں، اگر کتاب نکلتے ہی وہ رقم بغیر کسی زحمت کے دفتر کو مل رہی ہے اور بقیہ نسخوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو کیا ایسی حالت میں بھی یہ معاملہ مرجح ہے؟ تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجیے کہ آئندہ ایک نسخہ بھی کتاب کا فروخت نہ ہو اور کوئی اس کا خواہشمند نہ رہے، جب بھی صرف ان تین ہزار نسخوں سے اتنی رقم دفتر کو وصول ہو جائے گی، جتنی انھوں نے پیش کی ہے ایسی حالت میں اگر یہ معاملہ کیا جائے تو آخر وجہ ترجیح کیا سمجھی جائے؟ فرق زیادہ نہ ہو، کم ہو، لیکن کچھ نہ کچھ تو ہو!

بہرحال میں نے تمام پہلوؤں پر غور کر کے رائے قائم کر لی ہے۔ مبارک علی صاحب غیر مجلّد نسخے چاہتے ہیں، میں اسے منظور کر لوں گا، بشرطیکہ وہ اس کا وعدہ کریں، خراب جلد بندھوا کر فروخت نہیں کریں گے۔ اگر مجلّد فروخت کریں گے تو اسی نمونے کی جلد لاہور میں بندھوائیں جیسی جلد اوّل کی دفتر نے بندھوائی تھی۔ زیادہ سے زیادہ ۱ر فی جلد خرچ پڑے گا اور نام وغیرہ کی ڈائی دفتر بلا معاوضہ مہیّا کر دے گا:

مجلّد نسخہ ۸عہ میں فروخت ہوگا، اور غیر مجلد ۶عہ میں۔ دفتر نے یہی قیمت ٹھہرائی ہے اور آخری اعلان چھپ رہا ہے۔ مجلّد کی صورت میں انھیں فی جلد ۵ر کی مزید بچت ہو جائے گی جو دفتر کا حق ہے مگر دفتر اس سے دست بردار ہو جائے گا۔ چھ ہزار نسخوں میں پندرہ سو روپیہ سے زیادہ جلد کا بھی انتفاع ہے:

چھ ہزار نسخوں کی قیمت بحساب ۶عہ ۳۹ ہزار ہوتی ہے۔ اس کا نصف ساڑھے انیس ہزار ہوا ۵ فی صد کے مزید اضافہ کے بعد بیس ہزار چار سو پچھتر روپے ہوئے[1]۔ میں پندرہ سو اور مانگتا ہوں

---

[1] ظاہر ہے کہ یہ حساب صحیح نہ تھا: پچیس فی صد کمیشن وضع کرنے کے بعد چھ ہزار جلدوں کی قیمت اکیس ہزار چار سو پچاس بنتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کو اس قسم کے معاملات سے کبھی دلچسپی نہ رہی۔ اور اس بارے میں بعض ایسے واقعات مجھے معلوم ہیں کہ انھیں بیان کروں تو لوگ حیران رہ جائیں:

دے گی۔ پس ضروری ہے کہ یہ اپنی جگہ قائم رہے یعنی جلد دوم کا معاملہ بائیس ہزار میں طے شدہ تصور کیا جائے ۔

۲۔ مبارک علی صاحب کا حافظہ غلطی کر رہا ہے اگر وہ کہتے ہیں کہ میں نے جلد اوّل نصف قیمت میں دینی چاہی تھی۔ جو کچھ مجھے یاد ہے وہ یہ ہے کہ شفاعت اللہ صاحب نے خط و کتابت کی تھی اور ۳۳⅓ فی صدی پر معاملہ ہوا تھا۔ پھر انھوں نے کہا کہ صرف پانچسو جلدیں لی جائیں گی۔ مجھے روپیہ کی ضرورت تھی، اس لیے معترض نہ ہوا اور بھجوا دیں ۔

نصف قیمت کی بات کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں گذری تھی ۔

بہرحال مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کا قدم درمیان میں ہے اور بات بات پر رد و کد کروں۔ پہلی جلدوں کا معاملہ میں آپ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اگر وہ ۳۳⅓ فی صدی پر کسی طرح راضی نہ ہوں تو آپ کو اختیار ہے کہ مزید کمی کر دیں ۔

۳۔ جلد کے بارے میں میں نے یہ بات نوٹ کر لی ہے کہ جیسی جلد دفتر نے بندھوائی تھی اس سے کم تر قسم کی جلد نہ ہو گی ۔

۴۔ نیز جتنے نسخے نصر اللہ خاں صاحب کو مطلوب ہوں گے، ۲۵ فی صدی کمیشن پر دے دیئے جائیں گے۔

۵۔ آپ لکھتے ہیں کہ پہلی جلد کی قیمت تین ماہ کے بعد دی جا سکے گی لیکن میں چاہتا ہوں کہ کوشش کیجیے کہ بہ یک دفعہ تمام معاملہ طے پا جائے۔ ایک کاروباری آدمی کے لیے تین ماہ پہلے چند ہزار روپیوں کا انتظام کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے ۔

۶۔ باقی رہا روپے کی وصولی کا معاملہ تو سب سے بہتر طریقہ یہ ہو گا کہ لاہور کے کسی بینک سے امپیریل بینک شاخ پارک اسٹریٹ کلکتہ کے نام ڈرافٹ بنوا لیں اور ڈرافٹ لیکر بھنو آ جائیں۔ وہاں کتابیں انھیں مل جائیں گی۔ کتابیں لیکر ڈرافٹ میرے

(۳۶)

لکھنؤ

۲۵ راپریل ۱۹۳۶ء

عزیزی،

خط بروقت مل گیا تھا لیکن مجھے بالکل مہلت نہیں ملی کہ جواب لکھتا۔ یہاں کی مشغولیت کا تسلسل میرے لئے اس درجہ ناقابل برداشت تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی مطمئن دماغ نہ پاسکا۔ اب کلکتہ جارہا ہوں۔ کلکتہ سے خط لکھوں گا۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

(۳۷)

۱۹۔اے بالی گنج سرکلر روڈ۔ کلکتہ

۲۱۔اپریل ۱۹۳۶ء

عزیزی،

لکھنؤ میں صحت بگڑی اور اس کا اثر اس وقت تک دور نہ ہو سکا۔ آج اس قابل ہوا کہ ضروری خطوط کا جواب لکھ دوں۔

۱۔ مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ میرا حساب غلط تھا۔ اور باہمی فرق بہت خفیف رہ گیا ہے لیکن میں مصر رہوں گا کہ جو رقم لکھ چکا ہوں اسے گھٹایا نہ جائے سوال پانچ سو کا نہیں ہے بلکہ ان ضروری خانوں کا ہے۔ جن کی رعایت کرکے میں نے یہ رقم متعین کرلی ہے ایک چھوٹی سی رقم کی بھی کمی کسی نہ کسی خانے کو خالی چھوڑ

(۳۸)

۲۸ر اپریل ۱۹۳۶ء

عزیزی،

گزشتہ منگل کو لکھنؤ کے خط کا جواب بھیج چکا ہوں۔ میں نے لکھا تھا کہ آپ خط ملتے ہی نتیجہ سے مجھے مطلع کر دیں لیکن ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔

خط میں میں نے لکھا تھا کہ پہلی جلد کے لئے میں ۲۵ فی صدی کی جگہ ۵ فیصدی کی کمی منظور کر لوں گا لیکن دوسری جلد کی مجموعی رقم اٹھائیس ہزار سے نہ گھٹائی جائے، کیونکہ میرے لئے ضروری ہے کہ کم از کم اتنی رقم سر دست حاصل ہو جائے۔ اس پانچ سو کی وجہ سے شیخ مبارک علی صاحب کا نقصان نہیں ہوتا۔ جب ایک معاملہ ہو رہا ہے تو یہ بات بہری انھیں منظور کر لینی چاہیئے۔

اب چونکہ کتاب طیار ہو گئی ہے، اس لئے روکا نہیں جا سکتا۔ ضروری ہے کہ فیصلہ ہو جائے۔

خط میں آپ نے خریداروں کی فہرست کے لئے بھی لکھا ہے۔ ضروری نہ تھا کہ یہ فہرست بھی دی جاتی کیونکہ دفتر کی جانب سے اعلان کر دیا جاتا کہ تمام نسخے شیخ صاحب نے لے لئے ہیں۔ انھیں سے شائقین منگوائیں اور پھر خود بخود سب کی درخواستیں وہیں پہونچتیں۔ تاہم چونکہ معاملہ میں آپ ہیں اور آپ اسے ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے بلا تامل فہرست بھی دے دی جائے گی۔ یہ فہرستیں دفتر کا قیمتی ذخیرہ ہوتی ہیں کیونکہ ان کی موجودگی گویا دائمی خریداروں کی موجودگی ہے۔ یہ نہ صرف "ترجمان القرآن" کے لئے بلکہ عام طور پر تمام اعلیٰ درجے کی کتابوں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔[1]

---

[1] فہرست منگوانے سے مقصود یہ تھا کہ جو اصحاب "ترجمان" کے مستقل خریدار ہیں، شیخ مبارک علی صاحب براہِ راست انھیں جلد دوم کے چھپ جانے کی اطلاع دے سکیں۔ اور جو اصحاب طلب گار ہوں انھیں کتاب بھجوائی جا سکے۔

نام سو روپیہ کا بیمہ کر کے بھیج دیں۔
مبارک علی صاحب کاروباری آدمی ہیں۔ وہ اس میں متامل ہوں گے کہ کتابیں قبضہ میں لینے سے پہلے نوشت وخواند کی بنا پر لین دین کریں لیکن میں اتنا کاروباری نہیں ہوں۔ میرا معاملہ آپ سے ہے کتابیں انھیں بجنور میں جب دے دی جائیں یا آپ ڈرافٹ میرے نام بھیج دیں :

۷۔ اگر مبارک علی صاحب پورے بائیس ہزار کا سودا منظور کرلیں تو اس صورت میں معاملہ طے شدہ ہے۔ آپ براہ عنایت یہ خط دیکھتے ہی ان سے گفتگو کیجئے اور نتیجہ سے بذریعہ تار اطلاع دیجئے۔ تار صرف منظوری یا عدم منظوری کا ہونا چاہیئے بصورت منظوری میں فوراً پریس کو اطلاع دوں گا۔ اور آپ کو بھی خط بھیج دوں گا :

۸۔ بجنور کے لئے صرف بائیس ہزار کا ڈرافٹ ہو۔ جلد اول کا معاملہ اس سے تقریباً ایک ہفتہ بعد پیش آئے گا۔ اس کی جلدیں مال گاڑی کے ذریعے لاہور بھجوا دی جائیں گی اور بلٹی امپیریل بینک کو دے دی جائے گی۔ مبارک علی صاحب یہ روپیہ دے کر بلٹی وصول کرلیں گے :

۹۔ یہ مناسب ہوگا کہ شروط کی ایک تحریر لے لی جائے تاکہ بعد کو کسی طرح کی غلط فہمی و شکایت کا موقع باقی نہ رہے۔ شروط سے مقصود یہی امور ہیں جو آپ نے خط میں لکھے ہیں یعنی پہلی جلد کا معاملہ، جلد کا معاملہ اور جلد دوم کا معاملہ :

یہ قصہ ختم ہو جائے تو تیسری جلد کی طباعت کے بارے میں تفصیلات لکھوں۔

والسلام علیکم   ابوالکلام

مکرر!

بہ وجوہ یہ ضروری ہے کہ نتیجہ سے بذریعہ تار مطلع کریں۔ یہ خط آپ کو جمعرات کے دن مل جائے گا، میں جمعہ تک تار کا منتظر رہوں گا۔ امید ہے، اس میں تساہل نہ ہوگا :

کتابت میں صرف نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس وقت جوابی تار بھیج رہا ہوں :۔

آپ لکھتے ہیں کہ شرائط منظور ہیں بشرطیکہ مال کی ڈلیوری لاہور میں ہو، حالانکہ خود مبارک علی صاحب کا یہ منشا آپ نے لکھا تھا کہ بجنور میں مال لے لیا جائے گا۔ غالباً اب وہ چاہتے ہیں بجنور سے لاہور تک کے محصول سے بچ جائیں۔ یہ بات خرید و فروخت کے طریقے کے صریح خلاف ہے لیکن اب میں کہاں تک رد و کد کروں بخصوصاً ایسے معاملے میں جو آپ کے ذریعے انجام پا رہا ہے۔ بہرحال ان سے کہیے، گڈس ٹرین کا ریلوے چارج میں دے دوں گا، مگر یہ ضروری ہے کہ مال بجنور ہی میں لے لیا جائے۔ میں اپنا ایک معتمد آدمی بھیج رہا ہوں وہ مال حوالے کر دے گا۔ اور مال کی ترسیل میں یہیں سے پوری مدد ملے گی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ معاملہ اس طرح انجام پا جائے کہ مزید تاخیر نہ ہو۔ میرا آدمی ۶ مئی کو بجنور میں موجود ہوگا۔ ۵ کو لاہور سے مبارک علی صاحب یا ان کا آدمی روانہ ہو جائے۔ اس طرح ۷ مئی کو معاملت انجام پا جائے گی :۔

اب روپیہ کے حساب پر غور کر لیجیے۔

کتاب صرف چھ ہزار چھپی ہے۔ مجھے ایک خاص تعداد چاہیئے تاکہ دوستوں کو بلا قیمت دوں، نیز بعض عزیزوں کو اور علماء مدارس کو جنھیں پہلی جلد تحفتہً دے چکا ہوں اور دوسری جلد کا وعدہ ہے۔ علاوہ بریں رجسٹری کے لئے بھی دو نسخے چلے جائیں گے۔ ان کی مجموعی تعداد ایک سو ساٹھ ہوتی ہے جس میں پانچ ہزار آٹھ سو چالیس نسخے مبارک علی صاحب کو دے دوں گا۔ ۲۲ ہزار جو مجموعی قیمت قرار پائی ہے اس میں سے پانچ سو ۱۶۰ کا ہزار روپیہ چھ آنہ ان نسخوں کے لئے کم ہو جائے گا۔ آپ بھی حساب کر لیں۔ میں حساب میں کچا ہوں۔ غلطی نہ کر رہا ہوں۔ مبارک علی صاحب کو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ فروخت کیلئے نہیں ہیں، محض مفت تقسیم کے لئے ہیں :۔

اس رقم کے وضع کرنے کے بعد جس قدر رقم ہو وہ مجھے مل جانی چاہیئے۔ اس

نصر اللہ صاحب کو بھی لکھ دیا ہے۔ انھیں جس قدر نسخے لینے ہیں وہ بجنوری ہیں لے لیئے جائیں گے۔

چونکہ اب کتاب طیار ہے، اس لئے ناگزیر ہے کہ بلا تاخیر یکسوئی ہو جائے میں پھر آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ نتیجے کی اطلاع خط پر نہ چھوڑیئے۔ مجھے بذریعہ تار مطلع کر دیجیئے۔ اگر یہ معاملہ ہو رہا ہے تو فوراً انجام پا جائے، ورنہ کتابیں خریداروں کے نام روانہ کرنا شروع کر دیں۔ یہ خط آپ کو جمعرات کے دن مل جائے گا۔ اتنے عرصے میں آپ نے ضرور گفتگو کر لی ہوگی۔ براہِ عنایت خط دیکھتے ہی مجھے تار کے ذریعے اطلاع دیجیئے۔ امید ہے اس بات کی اہمیت ضرور محسوس کریں گے۔

یہ قصہ ختم ہو جائے تو میں آپ کو تیسری جلد کے لئے لکھوں۔ کتابت تو وہی صاحب کر رہے ہیں جنھوں نے دوسری جلد کی کی ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں لیکن طباعت کا دوسرا انتظام ہو سکے تو بہتر ہوگا۔ اگر چھپائی میں بلا وجہ وقت ضائع نہ ہو تو تیسری جلد آٹھ ماہ کے بعد ضرور نکل جا سکتی ہے، یعنی آئندہ جنوری میں شائع ہو جائے۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۳۹)

۲۔ مئی ۱۹۳۶ء

عزیزی، السلام علیکم

جب ۲۹۔ تک آپ کا جواب نہیں ملا تو میرے لئے ضروری ہو گیا کہ معاملہ میں یکسوئی کر لوں کیونکہ بوجوہ مزید انتظار دشوار تھا۔ چنانچہ آپ کو تار دیا گیا۔ آپ نے جواب میں خط کی ترسیل کا ذکر کیا تھا۔ منتظر تھا کہ آج مل جائے گا، لیکن نہیں ملا۔ چونکہ اب مزید وقت خطاد

(۴۰)

۲۷- مئی ۱۹۳۶ء

عزیزی،

السلام علیکم

معاف کیجئے گا، جواب میں تاخیر ہوئی۔ ۱۱- کو مجھے بجنور کے خطوط مل گئے تھے۔ مگر میں نے خط اس لئے نہیں لکھا تھا کہ وہاں کے مفصل خط کا انتظار تھا۔ اس کے بعد میں بیمار ہو گیا۔ خونی پیچش کی شکایت ہوئی اور اس نے بالکل معطل کر دیا۔ چھ انجکشن امیٹن کے لے چکا ہوں اور مزید لے رہا ہوں۔ یہ پورا ہفتہ نکل گیا اور میں روزانہ ڈاک کو چھو بھی نہ سکا آپ کا خط بھی اعفبیں بیں پڑا تھا۔ کل میں نے خطوط دیکھے۔ آج جواب کے لئے مستعد ہوا ہوں

۱۔ آپ لکھتے ہیں کہ کتابوں کے فرمے الگ الگ ہیں۔ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ کتاب سلی ہوئی نہیں ہے تو سلائی کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ پہلی جلد بھی اسی طرح شائع ہوئی یہ بھی اسی طرح نکلی، لیکن اگر مطلب یہ ہے کہ ہر نسخہ کے فرمے یکجا و مرتب بہ صورت کتاب نہیں ہیں تو یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے۔ مدینہ پریس کو دفتری کے کام کی پوری اجرت دی جا چکی ہے اور ان کا فرض ہے کہ کتاب مرتب شکل میں دیں۔ معاملت کرنے مبارک علی خود گئے تھے۔ میرے آدمی نے ان کا اور صاحب مطبع کا مقابلہ کرا دیا۔ اب یہ ان کا کام تھا کہ اس بارے میں پوری طرح اپنا اطمینان کر لیں۔ یقیناً اس کا الزام وہ مجھ پر عائد نہیں کر سکتے۔

بہر حال اگر فی الحقیقت تمام کتابیں یا کتابوں کا کوئی حصہ مرتب نہیں ہے۔ اور فرمے یک جا و مرتب ہونے کی جگہ الگ الگ ہیں، تو یہ مطبع کی صریح خیانت ہے۔ آپ مبارک علی صاحب سے کہیں کہ وہ دفتری لگا کر کام پورا کر لیں۔ اور اس کی جس قدر

طرح کہ مبلغ پانچ ہزار چار سو روپیہ تو وہ نقد ساتھ لے جائیں اور باقی کا ڈرافٹ امپیریل بینک شاخ پارک اسٹریٹ کلکتہ کے نام کا ہو۔ بجنور میں میرا جو آدمی خط پیش کرے گا، اُسے وہ نقد اور ڈرافٹ دے دیں گے ؛

اس کے بعد جلد اوّل بھیج دی جائے گی ؛

نصر اللہ صاحب کو جس قدر جلدیں مطلوب ہیں وہ ۲۵ فی صدی کمیشن پر انھیں دے دی جائیں گی۔ نیز اس کے بعد بھی انھیں حق ہوگا کہ اس کمیشن پر کتابیں خرید لیں ؛

ایک بات آپ کے پیش نظر ہے۔ بعض وجوہ ایسے ہیں کہ مجھے اب روپیہ فوراً مل جانا چاہیئے یعنی ۱۰۔ مئی کو کلکتہ میں وصول ہو جانا چاہیئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ۶۔ مئی کو بجنور میں معاملہ انجام پا جائے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے اس میں دیر ہو تو پھر مجھے فوراً اطلاع مل جانی چاہیئے تاکہ میں صورت حال سمجھ لوں ؛

چند دنوں کی تاخیر میں کوئی حرج نہ تھا، لیکن میرے بعض وعدے ہیں جو ۱۰ مئی کو ختم ہو جاتے ہیں اور ضروری ہے کہ کم از کم پانچ ہزار کی رقم اس دن مجھے وصول ہو جائے۔ اگر یہ معاملہ ابھی نہیں ہوتا تو میں دوسروں سے ایک خاص مقدار کا معاملہ کر کے فوراً روپیہ وصول کر سکتا ہوں اس لئے ضروری ہے کہ مجھے فوراً صورت حال معلوم ہو جائے ؛

امید ہے کہ آپ میرے معاملات کی اہمیت ملحوظ رکھیں گے۔ اور نتیجہ سے بذریعہ تار مطلع کر دیں گے تاکہ ایسا نہ ہو کہ میں غافل رہوں اور عین موقع پر دشواری پیش آئے ؛

ابوالکلام

رقم اس کی وضع کی جائے؟ انھوں نے کہا کم از کم دو رنگوں کا ٹائیٹل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ۵۵
روپیہ اس کے لئے وضع کیے گئے اور محمد صدیق صاحب نے مجبور ہو کر منظور کر لئے[لہ]

میں چاہتا ہوں آپ مبارک علی صاحب کو یہ کہہ دیں کہ یہ رقم جو انھوں نے وصول کی قانوناً، شرعاً، اخلاقاً ناجائز رقم ہے۔ ان سے کوئی شرط اس بات کی نہیں ہوئی تھی کہ کتاب کی کتنی لوحیں ہوں گی اور کتنے رنگوں کی ہوں گی۔ نہ انھوں نے اس کا مطالبہ کیا کہ کتاب پہلے دیکھ لیں۔ دو ماہ تک خط و کتابت جاری رہی لیکن یہ سوال نہیں اٹھا۔ معاملہ جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ جو کتاب میں نے چھاپی ہے، وہ جیسی کچھ ہے۔ میں ۲/ فی نسخہ کے حساب سے فروخت کروں گا وہ اگر تمام نسخے لے لیں تو اتنی رقم وضع کر کے دے دی جا سکتی ہے۔ پس انھیں اس معاملے کا کوئی حق نہیں تھا کہ اس میں ٹائیٹل کیوں نہیں ہے۔ اور پھر اگر نہیں ہے تو اس کی رقم کتنے رنگوں کی چھپائی کے حساب سے ہونی چاہیئے؟ میں نے قصداً ٹائیٹل نہیں چھپوایا کیونکہ قطعاً غیر ضروری تھا۔ علاوہ بریں آج کل جتنی کتابیں اعلیٰ درجہ کی چھپتی ہیں، وہ مجلد ہو کر فروخت ہوتی ہیں ان میں کوئی ٹائیٹل پیج نہیں دیا جاتا۔ ٹائیٹل پیج صرف انھیں ایک شلنگ اور ڈیڑھ شلنگ کی کتابوں میں دیا جاتا ہے۔ جو بغیر جلد کے فروخت ہوتی ہیں۔

علاوہ بریں جب ٹائیٹل پیج کی کمی کی وجہ سے کتاب کی قیمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور وہ اسے قیمت گھٹا کر فروخت نہیں کریں گے تو اس سوال کے اٹھانے کے کوئی معنی نہ تھے۔ کیا وہ یہ ۵۵ صرف کرکے ٹائیٹل پیج چھپوائیں گے؟ یا اس کی وجہ سے کتاب کی قیمت کم کر دیں گے؟

یہ تفصیل مجھ پر بہت شاق گزر رہی ہے لیکن اس لئے کر رہا ہوں کہ واقعی اس بات

لہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ شیخ مبارک علی صاحب جب بجنور پہنچے تھے تو انھیں معلوم ہوا تھا کہ سرورق چھپایا ہی نہیں گیا، چنانچہ انھوں نے یہاں آکر سرورق چھپوایا۔ "ترجمان" کی جلد اول میں بھی چھپا تھا۔

اجرت ہو اس کا بل مولوی مجید حسن صاحب کو بھیج دیں۔ نیز ایک نقل مجھے بھیج دیں۔ مجید حسن صاحب کا فرض ہے کہ وہ رقم ادا کر دیں۔ کیونکہ انھوں نے کتاب کی موڑائی اور فرموں کی ترتیب کی اجرت مجھ سے پوری وصول کر لی ہے۔

۲۔ آپ لکھتے ہیں، تصویر خراب ہو گئی ہے۔ تصویر کتاب میں ایک ہی ہے۔ یعنی ذوالقرنین کے مجسمے کی۔ اس کی ذمہ داری بھی مجھ پر نہیں ہے۔ کیونکہ صاحب مطبع سے ان کا مقابلہ کرا دیا تھا۔ اور اب وہاں سے مال بہ حفاظت لے جانا ان کا کام تھا۔ محصول ریل کا میں نے وعدہ کیا تھا اور وہ حوالے کر دیا گیا۔ بہ ہر حال کبھی گوارا نہیں کروں گا۔ کہ جس نقصان کی تلافی میرے اختیار میں ہو، اس کو کسی کاروباری اور قانونی پہلو کی بنا پر انجام نہ دوں تصویر کا بلاک موجود ہے۔ جتنی تصویریں خراب ہو گئی ہوں۔ اطلاع دیں، میں فوراً چھپوا کر انھیں بھیج دوں گا۔ یہاں یہ کام ایک دن میں ہو جا سکتا ہے[۱]۔

۳۔ خریداروں کی فہرست کا مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے پڑی رہی۔ اب آج مقابلہ کیا جا رہا ہے، کل پرسوں ضرور بھیج دی جائے گی۔

شیخ صاحب کی شکایات کا جواب ہو چکا۔ اب میں چاہتا ہوں اپنے بعض احساسات بھی واضح کر دوں:

۱۔ بجنور سے جو روپیہ آیا، اس کا حساب ٹھیک نہیں بیٹھتا تھا لیکن اب محمد صدیق صاحب کا خط آیا تو حالات معلوم ہوئے۔ معلوم ہوا کہ شیخ مبارک علی صاحب نے رنگین ٹائیٹل پیج کا مطالبہ کیا اور کہا اس کا نہ ہونا شرائط کے خلاف ہے۔ اس کے بعد بحث ہوئی کہ کتنی

---

[۱] "ترجمان" جلد دوم میں سائرس کے مجسمے کی تصویر تھی۔ کتاب لاہور پہنچی تو اس میں سے کچھ تصویریں خراب ہو گئی تھیں۔ مولانا تصویر چھپوانے پر آمادہ تھے۔ اس اثنا میں بعض علماء کے اعتراض کی وجہ سے تصویر حذف کر دی گئی اور خراب شدہ تصویروں کے بدلے میں نئی تصویریں چھپوانے کا سوال ہی باقی نہ رہا۔

وہ نقد کے طالب ہوں گے اور بہ صورت طلب محمد صدیق کے لیے مشکل ہوگا کہ انکار کر دیں لیکن مجھے تو مجید حسن نے لکھا ہے کہ نسخے انھوں نے لے لئے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ "مدینہ" میں وہ اشتہار دے رہے ہیں[1]۔"

بہرحال انھوں نے لئے ہوتے تو کیا ہو جاتا اور نہ لئے تو کونسا نقصان ہو جائے گا۔ اگر مبارک علی صاحب اس کے خواہشمند ہیں تو میں بہت سے نسخے ۲۵ فیصد کمیشن پر فوراً نکلوا دے سکتا ہوں۔ یہاں دفتر کا یہ حال ہے کہ خط پر خط آ رہے ہیں اور انھیں جواب دینا مشکل ہو رہا ہے۔ سب کو لکھا جا رہا ہے۔ کہ مبارک علی سے طلب کریں۔ اگر وہ خواہشمند ہیں تو مجھے لکھیے میں اندازہ کر کے انھیں لکھوا دوں گا کہ اتنے سو نسخے بھیج دیں قیمت انھیں بر وقت مل جائے گی۔ کتاب کا اس کمیشن پر نکلنا نہایت سہل اور فوری ہے "

۴۔ لیکن وہ اعلانات کہاں ہیں جن کے مصارف اس وقت شمار کیے جا رہے تھے؟[2] مبارک علی صاحب سے کہہ دیجئے کہ کتاب کے نکلنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح میرا طریقہ تھا۔ ایک دو مرتبہ معمولی اعلان اور پھر طلب گاروں کے جوش و خروش پر اعتماد کیا۔ دوسرا یہ کہ کاروباری طریقے پر بہ کثرت اعلان و اشتہار سے کام لیا جائے۔ پہلی صورت میں کتاب کا بڑا حصہ ابھی نکل جائے گا اور کچھ حصہ وقت لے گا۔ دوسری صورت میں تمام کتابیں تین ماہ کے اندر اندر نکل جائیں گی۔ پس بہتر یہ ہے کہ بچت کا خیال نہ کریں۔ تمام اخبارات میں مفصل اعلانات

---

[1] مولوی مجید حسن ابتدا میں کتابیں لینے پر آمادہ تھے۔ غالباً وہ اجرت طباعت کتابوں کی شکل میں لے لینا چاہتے تھے۔ روپیہ مل گیا تو انھوں نے غالباً کتابیں نہ لیں۔ شیخ مبارک علی سے کوئی سودا کرنے یا کتابیں لینے کا سوال اس وقت پیدا ہوتا کہ طباعت مکمل ہو جاتی۔ طباعت مکمل نہ ہوئی تھی کہ شیخ صاحب چلے آئے

[2] شیخ مبارک علی کا اشتہار "ترجمان" جلد دوم وغیرہ کے متعلق "زمیندار" "انقلاب" اور دوسرے اخباروں میں برابر شائع ہوتا رہا۔

کا میری طبیعت پر بہت ہی برا اثر پڑا۔ سوال رقم کا نہیں ہے۔ اگر وہ اتنی رقم وضع کر دیتے اور لکھتے کہ میں چاہتا ہوں اتنے روپے اور چھوڑ دیجئے تو میں چھوڑ دیتا، لیکن ایک غلط اور ناجائز پہلو نکال کر روپیہ لینے کی کوشش بہت ہی نامناسب بات ہے۔ اور میری طبیعت کا یہ حال ہے کہ ایسی باتوں سے بہت ہی منغص ہو جاتی ہے۔ بہرحال آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ میرے نزدیک یہ رقم ناجائز ہے ؛

۲ - قابل افسوس بات یہ ہے کہ انھوں نے بلاوجہ مطبع کو مجبور کیا کہ کتابیں لکڑی کے صندوقوں میں بھیجی جائیں حالانکہ غیر مجلد کتابوں کے لیے صندوق قطعاً غیر ضروری ہیں۔ ہمیشہ انھیں ٹاٹ کے گٹھر بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ اور ایک کاغذ خراب نہیں ہوتا۔ خود اسی کتاب کی پہلی جلد کے سینکڑوں نسخے اسی طرح بھیجے گئے اور خود مبارک علی صاحب کو بھیجے گئے [۵]

۳ - ہاں آپ لکھتے ہیں کہ مجید حسن صاحب تین سو نسخے لینا چاہتے تھے۔ محمد صدیق صاحب اگر انھیں روپیہ نہ دیتے تو معاملہ ہو جاتا۔ اگر مجید حسن بھی اس پر راضی ہو گئے تھے اور پھر محمد صدیق صاحب نے انکار کیا تو واقعی غلطی کی۔ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ انکار کرتے بلکہ انھیں اس میں مساعدت کرنی تھی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں ایسا نہ ہوا ہوگا۔ میں خود مجید حسن صاحب کو لکھ چکا تھا کہ محمد صدیق انھیں ان کے بل کی رقم دے دیں گے ایسی حالت میں ظاہر ہے۔ کہ

---

۵ مولاناؒ تک صحیح اطلاعات نہ پہنچی تھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ مبارک علی چھ سات روز بجنور میں رہے کتاب تیار نہ تھی۔ اور وہ روپیہ محمد صدیق صاحب کے حوالے کر کے چلے آئے کہ جب کتاب تیار ہو جائے صندوقوں میں بند کر کے بھیج دینا۔ صندوقوں میں اس لئے کہ بوریوں میں رگڑ سے فرموں کے خراب ہو جانے کا اندیشہ تھا ضروری تھا کہ کتابیں چھوٹے صندوقوں میں بند ہو کر آئیں۔ لیکن خدا جانے کس وجہ سے بڑے صندوقوں میں بھیجی گئیں۔ بوجھ زیادہ تھا اور حفاظت کیلئے پتیاں نہ لگائی گئی تھیں۔ اس وجہ سے صندوق ٹوٹے اور فرمے خراب ہوئے۔ مولاناؒ کو یہ حالات معلوم نہ تھے۔ محمد صدیق صاحب بڑے مخلص تھے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ انھوں نے ریاست کپورتھلہ میں اقامت اختیار کر لی تھی افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں شہید کر دیے گئے۔

(۴۱)

۲۷۔ مئی ۳۶ء

عزیزی،

ایک خط ڈاک میں بھیج چکا ہوں لیکن ایک ضروری بات اس میں رہ گئی۔ اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مبارک علی صاحب نے "ترجمان القرآن" جلد دوم کے مجلد نسخہ کی قیمت ۸ عہ رکھی ہے۔ یہ صریح معاہدے کے خلاف ہے۔ قیمت کا تعین وہی ہونا چاہیئے جو معاہدہ میں طے ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ جلد ایک خاص درجہ کی ہوگی۔ اور قیمت پر اضافہ زیادہ سے زیادہ بارہ آنے ہوگا۔ پس بصورت تحسین جلد قیمت مجلد ۸ عہ ہونی چاہیئے نہ کہ ۸ عہ[1]

کلکتہ جیسے گراں خرچ شہر میں اعلیٰ درجہ کے کپڑے کی جلد مع طباعت نام ۵ ۸ فی صد میں بنوا رہا ہوں اور اگر زیادہ کام ہوتا، کم از کم ایک ہزار تو للعہ فی صدی میں ہو جاتا۔ لاہور میں صہ فی صدی مان لیجئے پھر بھی بارہ آنے میں چار آنے کی بچت ہے۔ اسے ۸ عہ تک لے جانا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

خود ان کا فائدہ بھی اس میں ہے کہ خواہ مخواہ قیمت نہ بڑھائیں لوگوں کا یہ حال ہے کہ اپنی شیروانی بیچ کر "ترجمان" خریدنا چاہتے ہیں۔ کیا ضروری نہیں

---

[1] جلد بہت عمدہ بنوائی گئی تھی اور اس کی لاگت کے مطابق قیمت مقرر کی گئی تھی۔ غیر مجلد کی قیمت وہی تھی جس کا اعلان ہو چکا تھا۔ کلکتہ میں جن جلدوں کا تخمینہ مکتوب میں پیش کیا گیا، وہ شیخ صاحب والی جلد کے مقابلے میں بہت معمولی تھیں ان میں سے ایک جلد جو مولانا نے مجھے عنایت فرمائی تھی اب تک میرے پاس موجود ہے بلکہ ترجمان جلد اول کا بھی پہلا ایڈیشن محفوظ ہے، جو مولانا کا عطیہ ہے اور ان کے دستخط سے مزین ہے۔

شائع کریں ۔ بعض دفاتر کو نسخوں کی ایک خاص تعداد تحفتہً بھی دے دیں تاکہ ان کی تحریرات اعلان کا کام دیں ۔ انھیں معلوم ہے کہ میں عزیزوں اور دوستوں یا غیر مستطیع شائقین کے علاوہ اور کہیں کتاب نہیں بھیجتا ۔ نہ اب بھیجوں گا ۔ لیکن انھیں کاروباری نقطۂ خیال سے کام کرنے کا موقع ہے ۔ اس صورت میں ان کی رقم اور ان کا فائدہ فوراً حاصل ہو جائے گا ۔

۵ ۔ ضروری امر ہے کہ کم از کم پہلی مرتبہ ایک مفصل اعلان ایسا نکل جائے جس سے کتاب کی پوری نوعیت واضح ہو جائے ۔ مثلاً یہ کہ اب اس کی نوعیت تفسیر کی ہو گئی ہے اور علاوہ ترجمہ اور نوٹس کے مباحث و مقالات کا یہ حال ہے اور ان مواضع پر لکھے گئے ہیں ۔ یہ کام شیخ صاحب نہیں کر سکیں گے ۔ بہتر ہوگا کہ اعلان کا مسودہ آپ لکھ دیں یا اگر وہ چاہیں تو میں لکھوا کر بھیج دوں

آپ نے تیسری جلد کی طباعت کے لئے لکھا تھا ۔ اس کی کتابت تو وہی صاحب کرتے رہیں گے ۔ جنھوں نے دوسری جلد کی کی ہے ۔ مگر سوال طباعت کا ہے ۔ "مدینہ پریس" کو ۱۲؍ فی ہزار دواب اجرت دی گئی ہے ۔ مجھے اجرت کی کمی بیشی کا چنداں خیال نہ ہوگا ۔ اگر طباعت اچھی ہو ۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ پروفوں کی تصحیح و نگرانی کا بہتر انتظام ہو جائے بلاشبہ آپ اس کا انتظام کر سکتے ہیں ۔ اور کتاب آٹھ ماہ میں نکل سکتی ہے ۔

لوگوں کا سخت اصرار "ام القرآن" کے لئے ہے ۔ یعنی تفسیر سورۂ فاتحہ مفصل و مشرح ۔ "ترجمان القرآن" جلد اول میں جو کچھ ہے، وہ اصل تفسیر کا ملخص ہے ۔ اصل تفسیر اس سے ڈیوڑھی سمجھیئے ۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اسے یہیں کلکتہ میں چھپواؤں، لیکن اگر کتابت کا بہتر انتظام ہو سکے تو میں ضرور آپ کے سپرد کر دوں گا ۔ یہ تین ماہ کے اندر نکل جا سکتی ہے ۔

ابوالکلام

(۴۲)

کلکتہ

۸۔ جون ۱۹۳۶ء

عزیزی!

خط پہنچا۔ "ترجمان القرآن" جلد دوم کے چار نسخے ریلوے پارسل کے ذریعہ مرسل ہیں۔ بلٹی بھیجتا ہوں۔ چھڑا لیجئے۔ ان میں ایک نسخہ آپ کے لئے اور ایک سالک صاحب کے لئے ہے باقی دو نسخے مولوی محی الدین قصوری اور مولوی محمد علی قصوری (مقیم بمبئی) کے لئے ہیں۔ آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن آپ اسے بخوشی گوارا کرلیں گے۔ یہ دونوں نسخے مولوی عبدالقادر صاحب قصوری کو پہنچا دیئے جائیں، اگر وہ لاہور میں موجود ہوں۔ نہ ہوں اور کوئی آدمی قصور جاتا ہو تو اسے دے دیجئے یا مولوی عبداللہ صاحب قصوری کو دے دیجئے۔ وہ لاہور ہی میں رہتے ہیں۔ غالباً احمد علی[1] نے لاہور میں پریکٹس شروع کردی ہے۔ آپ چاہیں تو ان کے یہاں پہنچا دیں۔ وہ بمبئی والا نسخہ بمبئی بھیجدیں گے۔ تصور والا اپنے پاس رکھ لیں گے۔

۲۔ اہتمام طباعت کے لئے آپ کی آمادگی کا شکر گزار ہوں۔ "ام القرآن" اور تیسری جلد دونوں کا کام شروع کردیا جاسکتا ہے۔ کتابت کی ضرورت صرف "ام القرآن" کے لئے ہے:

مولوی محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن میرے پاس تھا۔ لیکن پھر ایک انگریز دوست لے گیا۔ اور اس پر بڑی مدت گزر چکی ہے۔ تاہم میرے ذہن پر یہ اثر باقی ہے کہ اس کا عربی متن نہایت خوش خط ہے۔ اگر وہ آپ کے مجوزہ خوش نویس نے لکھا تھا تو بلاشبہ

---

[1] مقصود محمود علی صاحب قصوری بیرسٹرایٹ لاہیں لیکن مولانا جلدی میں ان کے بھائی مولوی احمد علی کا نام لکھ گئے۔

کہ حتی الوسع ان کا بوجھ زیادہ نہ کیا جائے ؟

ان جھگڑوں نے ذہن کو اس درجہ اپنی طرف مشغول کر لیا کہ اور کوئی بات لکھ ہی نہ سکا آپ کے آخری خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت پھر منحرف ہو گئی ہے۔ یہ یقیناً موسم کی شدت کا نتیجہ ہو گا۔ کیوں آپ ایسا نہیں کرتے کہ کم از کم بارش تک کے لیے شملہ چلے جائیں۔ شملہ بہت قریب ہے اور غالباً آپ کے بھائی وہاں مستقلاً رہتے ہیں۔ آنکھ کی شکایت کے لئے پنجاب کی گرمی کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں ہو سکتی ۔

اس سال موسم کی تبدیلی بہت جلد ظہور میں آگئی ہے۔ کلکتہ میں تو پرسوں سے مون سون کی بارش شروع ہو گئی ہے۔ اب کے یہاں گرمی ہوئی ہی نہیں ۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

پچھلے خط میں میں نے طباعت کتب کی نسبت تفصیلات لکھ دی ہیں۔ "ترجمان القرآن" جلد سوم کے علاوہ "ام القرآن" کی طباعت بھی درپیش ہے۔ یہ معمولی کتابی سائز (یعنی رائل) پر چھپے گی اور غالباً ۳۰۰ ضخامت ہو۔ پانچہزار سے زیادہ چھپوانا نہیں چاہتا۔ یہاں کلکتہ میں گرہموفون کمپنی کی وجہ سے ایک اچھا لیتھو پریس چل نکلا ہے۔ خیال تھا کہ یہ چھوٹی کتاب ہے اسے دیدے دوں۔ لیکن اگر لاہور میں اعلیٰ درجے کی کتابت کا سامان ہو جائے تو آپ کو بھیج دے سکتا ہوں۔ بہتر سے بہتر خوش نویس ہونا چاہیئے، نیز نسخ کا بھی ہو کیونکہ کتاب میں آیات بکثرت آئی ہیں اور دو کاتبوں سے لکھوانے میں دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے

امید ہے اب آپ کی طبیعت رو بصحت ہوگی۔ اب کے مون سون جلد آگیا ہے اور
غالباً پنجاب میں بھی بارش شروع ہوگئی ہے +

ابو الکلام

---

(۴۳)

کلکتہ

۱۵۔ جون سنہ ۱۹۳۶ء

عزیزی السلام علیکم

خط پہنچا۔ نزلہ کی شدت سے سر جکڑا ہوا ہے۔ بالکل معطل ہو رہا ہوں، اس
لئے مفصل پھر لکھوں گا۔ مختصراً جواب دے دیتا ہوں
مجھے آپ کے تمام خطوط مل گئے ہیں۔ بلا شبہ آپ نے لکھا تھا کہ میں اعلان کا ۱ ؎
بھیج دوں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں لکھ نہ سکا۔ آدمی اپنی چیز کی نسبت کچھ نہیں لکھ سکتا
یہ ٹھیک ہے کہ اعلان دوسرے کی طرف سے شائع ہوگا۔ لیکن پھر بھی بات بنتی نہیں ہے۔
بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے تاثرات کے مطابق لکھ دیں۔ میرا مقصود یہ تھا کہ ایک مفصل اعلان
ایسا ضرور نکلنا چاہیئے جس سے کتاب کی نوعیت کا پوری طرح اندازہ ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ
اس میں کیا کیا مطالب آئے ہیں؟ کن کن مواضیع پر بحث کی گئی ہے؟ بہ حیثیت مجموعی کیا
نوعیت ہے؟ وغیرہ وغیرہ

---

۱ ؎ چونکہ مولانا نے خود فرمایا تھا کہ شیخ مبارک علی چاہیں تو میں مفصل اعلان لکھوا کر بھجوا دوں۔ اس لئے
انھیں زحمت دی گئی تھی۔ ورنہ اعلان یہیں لکھ لیا جاتا اور لکھ کر چھاپ دیا گیا۔

نسخ کی خوبی میں کلام نہیں، لیکن نستعلیق کا اندازہ کیسے ہو؟[۱] بہرحال میں آپ کے اور سالک صاحب کے انتخاب پر معاملہ چھوڑ دوں گا۔ اگر آپ ان کی نستعلیق کتابت کا کوئی چھپا ہوا نمونہ بھیج دیں تو "بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی" کا مقام بھی حاصل ہو جائے۔

نمونہ کاپی پر لکھا ہوا نہ ہو، چھپا ہوا ہو۔

مجھے خیال ہوتا ہے کسی نے کہا تھا، مولوی محمد علی صاحب کا قرآن منشی قاسم لدھیانوی نے لکھا تھا یا غالباً خود منشی قاسم ہی نے کہا تھا، جب وہ میرے لئے کتابت کر رہے تھے ہو سکتا ہے اس میں کوئی غلطی کام کر رہی ہو۔ بہرحال شکرگزار ہوں گا۔ اگر کوئی نمونہ مل جائے۔

۳۔ افسوس ہے، فہرست کی ترتیب میں دیر ہوئی۔ جس آدمی نے نقل کرنے کا وعدہ کیا تھا، وہ تساہل کر رہا ہے۔ میں نے آج اوراق منگوا کر دیکھے اور کہہ دیا ہے تکمیل کا انتظار نہ کرو، جس قدر ہوتا جائے، بھیجتے جاؤ۔ چنانچہ تیس صفحے رجسٹرڈ بھیج رہے ہیں۔ اس کے بعد جو نہی اتنے اور ہو گئے بھیج دیئے جائیں گے۔

چونکہ آپ نے معاملت کے بعد اس کے لیے لکھا تھا، اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ فہرست بھیج دی جائے۔ ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ بریں جو شائق ہیں، وہ بہرحال منگوا کر ہی رہیں گے۔ گزشتہ چار ہفتوں کے اندر تقریباً ستر اسی کارڈوں کا جواب دیا جا چکا ہے۔ کہ مبارک علی سے منگوالیں۔ اب میں کہہ رہا ہوں کہ ایسا نہ کریں بلکہ خطوط جمع کرلیں اور پھر مبارک علی کے نام بھیج دیں۔

---

[۱] مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ کا ترجمہ قرآن مولوی عبدالقادر خوش نویس نے لکھا تھا۔ نسخ اور نستعلیق دونوں میں ان کی مہارت مسلم تھی۔ انھیں کو "ام القرآن" کی کتابت کے لیے تجویز کیا گیا تھا۔ مولوی صاحب موصوف "زمیندار" میں بھی کتابت کرتے رہے۔ اور "انقلاب" میں بھی۔

تعداد نکل گئی ہو مگر اس صورت میں جگہ خالی ملی ہو گی[1]

تصویریں یہاں کلکتہ میں چھپی تھیں۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ چھ ہزار پر ایک دستہ اور بڑھا دیں
چنانچہ جس قدر آئیں بھیج دی گئیں۔ بعد کو مجید حسن صاحب نے لکھا کہ ڈیڑھ سو کاپیاں زائد
تھیں، جو بچ رہی ہیں۔ بہر حال میں فوراً پریس کو لکھتا لیکن اس بنا پر رک گیا کہ مبارک علی صاحب
نے پریس کو لکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ انھیں چاہیئے کہ فوراً ان سے مطالبہ کریں۔ جس قدر تاخیر
کریں گے معاملہ کمزور ہوتا جائے گا۔ ان کے مطالبے کے ساتھ میں بھی مطالبہ ضرور کردوں گا۔

ابو الکلام

---

(۴۴)

کلکتہ

۲۲۔ جون ۱۹۳۸ء

عزیزی، السلام علیکم

میں نے محمد صدیق صاحب کو کتابوں کے بارے میں لکھا تھا۔ ان کا جواب آج مل گیا۔
میں نے انھیں جو تحریری ہدایتیں دی تھیں ان میں سب سے پہلی بات یہی تھی کہ شیخ
مبارک علی کا مجید حسن سے مقابلہ کرا دیا جائے۔ پھر جس طرح وہ چاہیں مال لے جائیں۔ ریلوے
مصارف ہماری جانب سے دے دیے جائیں گے۔ یہی مضمون مجید حسن صاحب اور مبارک علی
صاحب کے موسومہ خطوط میں بھی تھا۔

---

[1] نسخے واقعی کم بھی نکلے تھے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اجزاء کی ترتیب کے بعد کچھ نسخے ناقص رہ گئے تھے
یعنی ان کے فرمے پورے نہ تھے۔ جس حد تک مجھے یاد ہے یہ اطلاع مدینہ پریس کو بھی بھیجی گئی تھی۔

کام جو درپیش تھا، وہ صرف بہتر ترجمہ و تفسیر کا نہیں تھا بلکہ قرآن کے علوم و معارف از سر نو مدوّن کرنے کا تھا۔ چنانچہ ہر گوشہ میں نئی عمارتیں اٹھانی پڑی ہیں۔ اور ضروری ہے کہ یہ پہلو پیش نظر رہے۔

۲۔ کتابوں کی کمی کا معاملہ حد درجہ افسوسناک ہے لیکن انصاف کیجیے، یہ کہاں کا طریقہ ہے کہ اس بارے میں مجبوراً تو کچھ نہ لکھا جائے جس پر تمام تر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور مجھ سے شکایت کی جائے؟ کتاب چھ ہزار چھپی ہے۔ چھ ہزار کا مطبع نے بل دیا ہے اور چھ ہزار کی اجرت وصول کی ہے۔ نیز چھ ہزار کا کاغذ سد ومل نے دہلی سے بھیجا ہے۔ اب اگر ایک نسخہ بھی کم نکلتا ہے تو پریس ذمہ دار ہے کہ اسے پورا کرے۔

مستری محمد صدیق صاحب کو میں نے لکھ دیا تھا کہ وہ مبارک علی اور مجید حسن مالک مطبع کا مقابلہ کرا دیں کہ مال سمجھ بوجھ کر تحویل میں لے لیا جائے[1]۔ اسی مضمون کا خط مبارک علی صاحب کے نام بھی لکھ دیا تھا۔ اب یقیناً یہ مبارک علی صاحب کا کام تھا کہ اپنا مال ٹھیک ٹھیک گن کر لیں اور بحفاظت اس کی ترسیل کا انتظام کریں۔ انھیں چاہیئے تھا کہ اپنا ایک آدمی وہاں مقرر کر دیتے۔ ہزاروں روپیہ کا معاملہ تھا، دو چار سو کی بات نہ تھی۔ پھر اگر انھیں صاحب مطبع پر پورا پورا بھروسا تھا۔ اس لئے انھیں پر چھوڑ دیا تو چاہیئے کہ ان سے مطالبہ کریں۔ کم سے کم میں اتنی بات کہہ سکتا ہوں کہ مجید حسن صاحب معاملہ کو ناقص چھوڑنے والے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔ انھیں فوراً اس معاملہ کی اطلاع دینی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی کارستانی ہوئی ہو۔ لیکن چوہتر نسخوں کی تعداد ایسی تعداد ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا، اتنی ہی کی کمی کیوں ہوئی؟ پورے سو کی کیوں نہیں ہوئی؟ پھر آپ لکھتے ہیں کچھ نسخے ناقص بھی ہیں۔ کیا ایسا تو نہیں ہوا کہ راہ میں نسخے نکل گئے؟ صندوقوں کا لوٹنا آپ لکھ چکے ہیں۔ اگر لوٹے ہیں، تو ضرور ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک خاص

---

[1] مال تیار ہوتا تو لے لیا جاتا۔ جب تیار ہی نہ تھا تو کیا کیا جاتا؟

زور نہ دیجئے۔ انھوں نے کہا "نہیں ضروری بات ہے۔ یہ واضح کردی جائے۔" چنانچہ پورے مطبع میں اس بات کا چرچا رہا۔ پس ان کا سو نسخے ساتھ لے جانا ایک قطعی اور معلوم بات ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ اپنے ساتھ سو نسخے لائے ہیں نہ کہ تیس تو مطلوبہ گنتی پوری ہو گئی۔ کیونکہ فرق ستر ہی بہتر نسخوں ہی کا بتلایا گیا ہے۔

آپ نے اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ ناقص نسخوں میں تصویریں نہیں ہیں۔ لیکن اس سے کیا خاص بات نکلتی ہے؟ میں سمجھ نہ سکا۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناقص نسخے غیر مکمل فرموں کا مجموعہ ہیں۔ بڑی تعداد کی چھپائی میں کچھ نسخے ایسے زائد نکل ہی آتے ہیں۔ انھوں نے وہ بھی صندوقوں میں رکھ دیئے ہوں گے۔

اگر صندوق واقعی راہ میں ٹوٹے ہیں تو چاہیئے تھا کہ فوراً اس کی اطلاع مطبع کو دی جاتی۔ نیز ریلوے کو لکھا جاتا۔

آپ نے کئی مرتبہ یہ بات بھی لکھی ہے کہ مبارک علی ۶۔ کو بجنور کو پہنچ گئے مگر محمد صدیق ۸۔ کو پہنچے۔ غالباً آپ کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ میں نے کس تاریخ کے لیے لکھا تھا اور خود آپ نے مجھے کس تاریخ کی اطلاع دی تھی۔ میں نے ۶۔ کے لیے نہیں لکھا تھا، ۷ کے لئے لکھا تھا اور آپ نے مجھے جو اطلاع دی ہے وہ ۷۔ ہی کے لئے ہے۔ ۶۔ کے لئے نہیں ہے چنانچہ میں آپ کا تار اسی خط کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ یہ بھی معاملہ کے فائل میں رکھ دیا گیا تھا دیکھ لیجئے۔ اس میں ۷۔ ہے۔ ۶ نہیں ہے۔ اب اگر مبارک علی صاحب خود اپنی خواہش سے ایک دن پہلے پہنچ گئے (اور غالباً شکار کھیلنے کے لئے جیسا کہ مجید حسن نے لکھا تھا) تو اس کے لئے میں مستحق ملامت نہیں ہوں۔ میں نے ۷۔ کے لئے لکھا تھا۔ کیونکہ خیال کیا تھا ۶۔ کو صدیق بنارس سے روانہ ہو کر ۷۔ کو بجنور پہنچ جائیں گے۔

محمد صدیق ۷۔ کی رات کو پہنچ گئے تھے۔

آخر میں اتنی بات اور لکھ دینی چاہتا ہوں کہ مبارک علی صاحب نے حوالگی اور مقابلے کے

محمد صدیق لکھتے ہیں کہ "اسی طرح کارروائی ہوئی ۔ کتابیں مبارک علی صاحب کی موجودگی میں پیک ہونا شروع ہو گئی تھیں[۱] ۔ آدھی سے زیادہ ہو چکی تھیں ۔ حوالگی کی تحریر انھوں نے لکھ دی اور وہ آپ کو بھیج دی گئی ۔ اب اگر تعداد کم بتلائی جاتی ہے تو یقیناً اس میں یا تو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے یا حساب کی غلطی ہے ۔ بہر حال یہ معاملہ بالکل صاف کر دیا گیا تھا کہ حوالگی کے بعد کوئی ذمہ داری ہمارے سر نہیں ہے ۔ کارروائی جس قدر ہوئی پریس کے آدمیوں کے سامنے ہوئی اور کوئی وجہ نہ تھی کہ میں اپنی جانب سے کسی طرح کی کوتاہی جائز رکھتا "۔

اس کے علاوہ انھوں نے شیخ صاحب کی خشونت مزاج ، سختی کلام اور مغرورانہ طرز عمل کا قصہ دہرایا ہے[۲] ۔ لیکن اس معاملے میں اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ اس لئے اس کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے ۔

آپ نے لکھا ہے کہ مبارک علی صاحب اپنے ساتھ تین سو نسخے لائے ۔ لیکن محمد صدیق لکھتے ہیں کہ سو نسخے اپنے ساتھ لے گئے اور ایک خاص معاملے کی وجہ سے ان نسخوں کی تعداد کا وہاں ہر شخص کو علم ہو گیا تھا ۔ یعنی اسٹیشن سے انھوں نے یہ بات کہلوائی کہ "چونکہ ریلوے کرایہ دینے کا وعدہ کیا گیا ہے اور سو نسخے میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں اس لئے ان نسخوں کا کرایہ بھی مجھے ملنا چاہیئے ۔ جس آدمی سے یہ بات کہی گئی تھی ، اس نے کہا کہ یہ بہت ہی ہلکی بات ہے اس پر

---

[۱] محمد صدیق صاحب کا یہ بیان تعجب انگیز تھا ، اس لئے کہ کتاب پوری چھپی ہی نہ تھی تو پیک ہونی کیوں کر شروع ہو جاتی ۔ [۲] دنیا جانتی ہے اور شہادت دے سکتی ہے کہ شیخ مبارک علی نہ تو مزاج کے خشن اور کلام کے سخت ہیں اور نہ ان میں غرور کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے ۔ البتہ یہ درست ہے کہ حیدرآباد پہنچ جانے پر کتاب انھیں تیار نہ ملی تو سخت پریشان ہوئے ۔ زیادہ ٹھہر نہیں سکتے تھے ، اس لئے کہ کاروبار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا ۔ نیز موسم شدید گرمی کا تھا اور شیخ صاحب کے لئے ایسے موسم میں باہر نکلنا سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے انھوں نے خود واپس آکر مجھے بتایا کہ میں نے غصے میں محمد صدیق صاحب سے سخت کلامی بھی کی مگر ان کے حلم اور بردباری سے میں بیحد متاثر ہوا ۔

(٧٥)

کلکتہ

۱۵ر اگست سنہ ۱۹۳۶ء

عزیزی ۔

معاف کیجیے گا ، میری طبیعت ادھر برابر خراب رہی ۔ آپ کا خط رکھ دیا تھا کہ بہ اطمینان جواب دونگا کیونکہ آپ نے نزولِ مسیح وغیرہ کا معاملہ چھیڑ دیا تھا اور ضرورت تھی تفصیل کے ساتھ لکھوں ۔

"ترجمان القرآن" جلد اوّل کے لئے مطمئن رہیئے ۔ جس قدر جلد ممکن ہے روانہ ہوتی ہے ۔ بلٹی شیخ صاحب کے نام براہ راست بھیج دی جائے گی ۔

مختلف وجوہ سے جو اختیاری نہ تھے تاخیر ہوئی ۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

(٧٦)

۳۰ر ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء

عزیزی

تین ہفتے ہوئے "ترجمان القرآن" جلد اوّل کے مرسلہ نسخوں کی بلٹی آپ کو بھیجی گئی تھی ۔ اس وقت تک آپ نے اس خط کا جواب نہیں دیا ۔ خدا کرے مال بخیر ہو ۔ یہ خط رجسٹرڈ بھیجتا ہوں براہ عنایت جواب سے مطلع کیجیے [1] والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[1] بلٹی ملی ہی نہ تھی ، خدا جانے کیا وجہ ہوئی ۔

بعد تحریر لکھ دی تھی کہ "پانچہزار آٹھ سو چالیس جلدیں وصول پائیں" جس پر محمد حسن اور منشی عبدالقیوم نے بھی بہ حیثیت گواہ دستخط کئے ہیں اور اسی وقت مجھے بھیج دی گئی تھی۔ تاہم میں اس معاملہ کو قانونی پہلو سے نہیں دیکھ رہا۔ ہر حال میں اصل سوال اخلاقی ذمہ داری کا ہے اگر اس معاملے میں کسی طرح کی بھی میں اپنی اخلاقی ذمہ داری محسوس کرلوں تو یقیناً ان کی کوئی تحریر بھی مجھے ادائے فرض سے مانع نہ ہوگی۔ مگر افسوس ہے، میں محسوس نہیں کرتا۔

تاہم میں طیار ہوں کہ مجھے میری غلطی سے مطلع کردیا جائے آخر ۱۰۴ جلدوں کا معاملہ ہے کوئی بڑی رقم بھی نہیں ہے۔ میں کبھی گوارا نہیں کروں گا کہ اس کے لئے کسی شخص کو شکایت کا موقع دوں۔

محمد صادق سے آپ واقف نہیں ہیں۔ اگر آپ واقف ہوتے تو آپ کو وہم و گمان بھی نہیں گزرتا کہ اس نے اپنی جانب سے کسی طرح کی کوتاہی کی ہوگی۔

"ترجمان القرآن" جلد اول کے لئے کیا اصول یہ ہے کہ جب کبھی وہ بھیجی جائے تین ماہ کے وعدے پر ہی بھیجی جائے گی؟ اچھا، اگر آپ کا یہی خیال ہے تو ایسا ہی سہی۔

جلد سوم کی طباعت کے لئے جب آپ طیار ہیں، تو پھر معاملہ طے شدہ ہی سمجھئے۔ "اُمّ القرآن" کے لئے صرف یہ چاہتا تھا کہ آپ خوشنویس کا کوئی نمونہ بھیج دیتے۔ کاتبوں کے پاس ان کی کتاب کا کوئی نہ کوئی ردّی ورق ضرور ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسا ورق مل جاتا تو شکر گذار ہوتا۔ دہلی میں منشی علی محمد بھی طیار ہیں لیکن وہ بہت سست نویس ہیں۔

"ترجمان القرآن" کے معاملے میں سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ مقاصد و مطالب وجوہ و دلائل، نظم و اسلوب اور نظر و استنباط کی سرتاسر از سر نو تدوین ہے۔ کوئی مقام کوئی نوٹ ایسا نہیں، جو ایک نیا پردہ نہ اٹھا رہا ہو۔ دلائل قرآنی کا معاملہ تو بالکل از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ قدیم ذخیرہ میں اس کے لئے کوئی مواد موجود نہیں۔ بلکہ غلط طریق نظر نے تمام ادلہ و وجوہ کو کچھ سے کچھ کردیا ہے۔ پوری کتاب پر بالاستیعاب نظر ڈالی جائے تو یہ تمام امور واضح ہو جائیں گے۔

ابوالکلام

پر ایمان لانا شرط اسلام ونجات ہے وہ اس سے احتجاج نہیں کر سکتے اور یہ جو میں نے لکھا تھا کہ اس معاملہ کا تعلق آثار وعلائم قیامت سے ہے تو یہ کوئی نئی تحقیق نہ تھی بلکہ جمہور کے عقیدہ کا اظہار تھا۔ چونکہ نزول مسیحؑ کی بعض روایات اس طرح شروع ہوتی ہیں کہ لا تقوم الساعۃ حتیٰ ینزل المسیح وحتیٰ یکون کذا وکذا اس لئے عام طور پر لوگوں نے اس معاملہ کو بھی اسی طرح اشراط ساعۃ میں سے سمجھا ہے۔ جس طرح دوسرے معاملات متذکرہ روایات کو اور اس لئے محدثین اسے اشراط ساعۃ کے ہی باب میں لاتے ہیں اور اس حیثیت سے اس پر بحث کرتے ہیں۔ نیز جن علمار نے خصوصیت کے ساتھ ان روایات کو جمع کیا ہے انھوں نے بھی ان کے لئے اشراط وآثار قیامت ہی کا نام وعنوان اختیار کیا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ پیشین گوئیوں کی حیثیت سے بھی ان کی نوعیت کیا ہے؟ اور تحقیق کا فیصلہ کیا ہونا چاہیئے؟ تو یہ بالکل دوسرا سوال ہے اور بلا شبہ روایات اس بارے میں قطعی اور فیصلہ کن نہیں۔ نیز اس میں بھی شک نہیں کہ اسلام سے پہلے مسیحی اعتقاد اس بارے میں موجود تھا اور مسیحیت کے صدر اول ہی میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی[1] "ترجمان القرآن" جلد سوم کا انتظار کیجئے۔ اس میں بہ ضمن تفسیر سورۂ زخرف اس پر مفصل بحث ملے گی۔[2]

ابوالکلام

---

[1] میری گذارش یہی تھی کہ نزول مسیحؑ کا عقیدہ پہلے سے عیسائیوں میں موجود تھا[2] غالباً مولانا نے یہ بحث سورہ زخرف کی آیت انہ لعلم الساعۃ الخ کے ضمن میں فرمائی تھی۔

(۴۷)

کلکتہ

۹ / اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء

عزیزی السلام علیکم!

تعجب ہے کہ آپ کو بلٹی نہیں ملی۔ بلٹی رجسٹرڈ خود میں نے بھجوائی تھی اور پوسٹ آفس کی رسید موجود ہے۔ آپ کے دفتر میں یقیناً کوئی بے عنوانی ہو رہی ہے۔ اگر ممکن ہو تو تحقیقات کیجیے۔ خط رجسٹرڈ تھا اگر مکتوب الیہ کو نہیں ملا تھا تو واپس آنا تھا۔ واپس بھی نہیں آیا کتاب کے کل پندرہ بنڈل ہیں چودہ میں سو سو نسخے ہیں ایک میں ۵ لہ کل چودہ سو پینتالیس نسخے ہوئے۔

آپ نے لکھا تھا کہ تین ماہ کی تاریخ ڈال کر ہنڈی بھجوائی جائے لیکن میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ سب سے بہتر ہنڈی خود آپ ہیں۔ شیخ صاحب سے کہیئے کہ وہ اپنی سہولت دیکھتے ہوئے تین ماہ کے اندر جب موقع دیکھیں مجھے ڈرافٹ بنوا کر روپیہ بھیج دیں۔ کتاب ۱۰ ستمبر کو بھیجی گئی تھی اور میری ضروریات کا تقاضہ ہے کہ پہلی دسمبر تک مجھے روپیہ مل جائے۔

"غالب" کے لئے شکریہ[1] ابھی وصول نہیں ہوئی ہے۔ انشاء اللہ اس بارے میں آپ کو لکھونگا۔

نزول مسیح کے بارے میں میری جس تحریر کی نسبت آپ نے سوال کیا تھا، اس کا منشاء صرف اس قدر تھا کہ نزول مسیحؑ کے معاملہ کو کوئی مسلمان شرائط ایمان و نجات میں سے نہیں سمجھتا پس جو لوگ سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی دوسرے انسان

---

[1] یہ میری کتاب "غالب" کا ذکر ہے جس کے چھپتے ہی ایک نسخہ مولانا کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔

غالب کے علاوہ اس عہد کے بعض اور اشخاص کے بھی خطوط ان کے نام ملتے ہیں مثلاً مولوی سید امیر علی کے۔ قیاس کہتا ہے کہ دونوں شخصیتیں ایک ہی ہوں گی لیکن میں چاہتا ہوں، معاملہ صاف ہو جائے۔

بصورت اتحاد شخصیت، جس قدر حالات ان کے کسی عزیز نے بھیجے ہوں مجھے نقل کرا کے بھیج دیجیے۔ بہ صورت تعدد شخصیت، ضرورت نہیں[1]

"ترجمان القرآن" جلد اول کی نسبت لکھ چکا ہوں۔ شیخ صاحب سے گفتگو کر کے مجھے مطلع کیجیے۔ والسلام علیکم۔

ابوالکلام

ہاں "غالب" کا خط اچھا ہے۔ اصلاح سنگ اور طباعت زیادہ دقت نظر کے ساتھ ہو تو زیادہ ابھر سکتا ہے۔ اب بہ راہ عنایت اتنی بات اور دریافت کر لیجیے، کہ وہ نسخ بھی لکھ لیتے ہیں یا نہیں؟[2]

---

[1] میں نے عرض کیا تھا کہ سید رجب علی ارسطو جاہ وہی ہیں جو لارنس کے پاس پنجاب میں رہے اور ہاڈسن کے ماتحت دہلی میں انگریزوں کے لئے خفیہ خفیہ معلومات بہم پہنچاتے رہے اور ان کے حالات بھی نقل کرا کے بھیج دیئے تھے [2] میری کتاب "غالب" مولوی عبدالقادر خوش نویس نے لکھی تھی جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ مولانا سے عرض کیا گیا تھا کہ یہ مولوی صاحب کے خط نستعلیق کا نمونہ ہے۔

(۴۹)

کلکتہ

۱۳؍اکتوبر ۱۹۳۶ء

عزیزی۔

کتاب پہنچ گئی۔ میں کھانے کے بعد دوپہر کو لیٹتا ہوں تو کوئی نہ کوئی چیز دیکھنے کے لئے رکھ لیتا ہوں یا شب کو سونے سے پہلے کچھ دیر پڑھتا رہتا ہوں۔ انشاء اللہ کل اسے رکھونگا اور پھر آپ کو لکھوں گا۔ لیکن اسوقت دیباچے کے ایک مقام پر نظر پڑی تو ایک نہایت ضروری سوال پیدا ہوگیا۔ بہ راہ عنایت بلا توقف مجھے جواب سے مطلع کیجئے۔ آپ نے "خان بہادر مولوی سید رجب علی ارسطوجاہ" کے ایک عزیز کا ذکر کیا ہے جن سے مولوی صاحب ممدوح کے حالات آپ کو ملے ہیں۔ نیز غالب کا ایک خط میں یہ بات دریافت کرنی چاہتا ہوں کہ کیا یہ مولوی سید رجب علی وہی صاحب ہیں جو سرہنری لارنس کے پاس تھے، الحاق سے کچھ پہلے اور الحاق کے بعد اور جنھیں سرہنری بہت عزیز رکھتے تھے؟ نیز جن کا ذکر میجر ہاڈسن نے جابجا اپنے خطوط میں بہ سلسلہ محاصرۂ دہلی ۱۸۵۷ء کیا ہے؟ جب غدر ہوا تو دہلی کے لئے ایک خاص انٹلیجنس ڈیپارٹمنٹ قائم کیا گیا تھا اور میجر ہاڈسن کے ماتحت تھا۔ میجر ہاڈسن نے اس کے لئے مولوی رجب علی کی خدمات حاصل کیں۔ وہ اپنے خطوط میں انھیں "ہنری لارنس کا فیورٹ مولوی" لکھتا ہے یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ وہ یک چشم تھے۔ سوال یہ ہے کہ انھی مولوی صاحب سے مقصود "خان بہادر ارسطوجاہ" ہیں یا دو مختلف اشخاص ہیں؟

اگر ایک ہی شخصیت ہو، تو پھر مجھے ان کے تمام حالات مطلوب ہیں جس قدر بھی معلوم ہو سکیں،

(۵۰)

۳۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء

عزیزی

آپ کی کتاب پڑھ کر نہایت جی خوش ہوا۔ یہ غالب کے حالاتِ زندگی پر پہلی کتاب ہے جو مولفانہ نظر و کاوش سے مرتب کی گئی ہے۔ آپ نے غالب کی تحریرات کا دقتِ نظر کے ساتھ مطالعہ کیا اور پھر ان کے نتائج اس سلیقے کے ساتھ ترتیب دے دیئے کہ ایک پوری سوانح عمری وجود میں آ گئی۔ آپ کی یہ کوشش اس بات کا ایک نیا ثبوت ہے کہ اگر نظر و مطالعہ سے کام لیا جائے تو کتنے ہی پیش پا افتادہ مواد ہیں جن سے نہایت قیمتی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ غالب کے مکتوبات کا ڈھیر اسّی نوے برس سے موجود ہے ان کی زندگی کی سرگذشت اسی ڈھیر میں بکھری ہوئی تھی۔ لوگ دیکھتے تھے اور گزر جاتے تھے آپ رک گئے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر سارے پرزے نکال لئے اب ان سب کو جوڑ دیا ہے، تو غالب کی زندگی کا پورا مرقع نمایاں ہو گیا ہے۔[۱]

میں ان تمام لوگوں کو جو اردو زبان کے شائق ہیں مشورہ دوں گا کہ اس کتاب کا ایک نسخہ ضرور منگوائیں۔

کتاب میں نے دیکھ لی۔ اس بارے میں چند سطور لکھ کر بھیجتا ہوں، آپ انھیں شائع کر سکتے ہیں۔

مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ ایک مکمل سوانح عمری لکھنی چاہتے ہیں۔ اگر یہ خیال ہوا ہوتا تو بہت سی باتیں آپ کو لکھ کر بھیج دیتا کتاب پڑھتے ہوئے ہر تیسرے چوتھے ورق

---

[۱] یہ میری کتاب "غالب" کے متعلق مولانا کی گرامی قدر رائے ہے، جس کی اشاعت کی اجازت دے دی تھی چنانچہ یہ رائے "انقلاب" میں چھپ گئی تھی۔

۸۹

کلکتہ

۱۶ راکتوبر ۱۹۳۸ء

عزیزی

خط پہنچا جس تسامح کا آپ نے ذکر کیا ہے، اخبار میں اس کا اعلان غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح کی کوئی نہ کوئی بات قیاسی امور میں پیدا ہو ہی جاتی ہے طبع ثانی میں تصحیح کر دیجئے گا[۱]

پہلی دسمبر کو واقعی مجھے روپیہ کی ضرورت ہوگی لیکن اس سے زیادہ میں اس بارے میں نہیں لکھونگا۔ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے میں آپ کو وکیل مطلق تصور کر چکا ہوں۔

تعجب ہے کہ نزول مسیحؑ کے بارے میں آپ کی خلش باقی ہے۔ میں نے اپنی رائے ظاہر کردی تھی البتہ وجوہ و دلائل کے لئے کتاب کا حوالہ دیا تھا۔ بغیر تفصیل کے ان کا استقصاء ممکن نہیں۔ بلا شبہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل ولباس میں نمودار ہوا ہے۔ لیکن کیونکر نمودار ہوا؟ یہ بحث طلب ہے اگر آپ کسی وجہ سے اسے بہت ہی اہم سمجھتے ہیں تو کوشش کروں گا کہ وقت نکال لوں اور بہ تفصیل لکھوں[۲] والسلام علیکم

ابوالکلام

ایک خط مولوی رجب علی کی نسبت لکھ چکا ہوں، امید ہے آپ جواب بھیج چکے ہونگے۔

---

[۱] یہ "غالب" میں ایک تسامح کا ذکر تھا لیکن اب یاد نہیں کہ کیا تھا [۲] میری آرزو تھی کہ حقیقت حال جلد معلوم ہو جائے اور ترجمان القرآن جلد سوم کے چھپنے تک انتظار نہ کرنا پڑے لیکن مولانا کو فرصت نہ مل سکی

مولوی رجب علی کی اگر خود نوشتہ سوانح عمری موجود ہے تو ممکن ہے بعض امور پر اس سے کچھ روشنی پڑے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی صاحب وہ رسالہ پورا نقل کریں؟ جس قدر اجرت مطلوب ہو کاتب کو دیدی جائے گی۔ اس کے لئے آپ سفر کی زحمت کیوں گوارا کریں؟ رسالہ یقیناً ضخیم نہ ہو گا۔ جگراؤں میں کوئی نہ کوئی ایسا آدمی نکل آسکتا ہے کہ اجرت پر رسالہ نقل کر دے [1]

"غالب" کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سی باتیں ایسی نظر آئیں کہ طبع ثانی میں بڑھا دینی چاہئیں ہیں۔ انشاء اللہ ضرور کوشش کروں گا کہ کسی وقت پھر آپ کی کتاب اٹھاؤں اور بعض ضروری امور قلم بند کر کے بھیج دوں

اگر مطبع کسی شخص نے ٹھیکہ پہ لے لیا تھا تو یقیناً طباعت کی تمام ذمہ داری اسی کے سر ہے اور وہ قانوناً مجبور ہے کہ ضمانت کی رقم ادا کرے لیکن اگر آپ دیکھیں، کوئی صورت نہیں نکل رہی ہے تو پھر چارہ کار اس کے سوا کچھ نہیں کہ مشینوں کو بالکل ایک نئے مطبع کی شکل دے دی جائے۔ یعنی نیا نام ہو نیا پرنٹر ہو، نئی جگہ ہو اور نیا ڈیکلریشن۔ اس طرح ضمانت کی دقت رفع ہو جا سکتی ہے [2]

شیخ مبارک علی صاحب کی نسبت اس لئے میں نے کچھ نہیں لکھا تھا کہ چاہتا تھا۔ دسمبر کی ضرورت جنوری تک ملتوی ہو جائے تا کہ شیخ صاحب کو زحمت دینی نہ پڑے۔ لیکن ایسا انتظام نہ ہو سکا بہر حال یہی کیجئے کہ ایک ہزار کا ڈرافٹ مجھے اس وقت بھیج دیں، بقیہ رقم جنوری کے پہلے ہفتہ میں۔ اگر اس میں ان کے لئے سہولت ہے تو مجھے بھی چاہیئے کہ اس کی راہ نکالوں [3] والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ابوالکلام

---

[1] افسوس ہے کہ اس رسالے کی نقل حاصل نہ کی جا سکی [2] یہ انقلاب کے پریس کا معاملہ ہے جس سے ضمانت مانگی گئی تھی [3] یہ "ترجمان" جلد اول کی قیمت کا معاملہ ہے جس کے لئے تین ماہ کی مہلت مل گئی تھی۔

کے بعد ایسے مقامات آئے۔ میرے لئے اس طرح کی معلومات کا زبانی کہہ دینا آسان ہے لکھنا مشکل ہے۔ تاہم کوشش کروں گا کہ پہلی فرصت میں بعض ضروری باتیں لکھ کر بھیج دوں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں کام آئیں۔

مولوی رجب علی کے حالات کے لئے شکریہ۔ آپ نے بڑی زحمت اٹھائی اور تمام حالات نقل کرکے بھیجے۔ ان کے خاندانی حالات کی ان تفصیلات پر تو نظر نہیں پڑی تھی۔ لیکن اخبار اور تعمیر نظر سے گذر چکی تھی۔ تعمیر انھوں نے والد مرحوم کو بھیجی تھی معلوم ہوتا ہے غدر کے بعد مرشد آباد میں بلوائے گئے تھے۔ غالباً کلکتہ میں والد مرحوم سے ملے ہونگے۔ باقی امور کے لئے دوسرے خط کا انتظار کیجئے۔

ابوالکلام

---

(۵۱)

کلکتہ

۱۷ نومبر ۱۹۳۶ء

عزیزی۔

آپ کو خط لکھنے کے بعد طبیعت اور زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ گیارہ ماہ کے بعد یہ عرق النسا کا شدید دورہ تھا۔ کئی دن تک یہ حال رہا کہ بستر سے نیچے قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ معالج کی رائے ہوئی کہ Myocrisin نامی دوا کا انجکشن لینا چاہیے چنانچہ ہر تیسرے دن لے رہا ہوں اب شدت جاتی رہی ہے صرف خلش باقی ہے اور اگر اسی حد تک رہے تو کوئی وجہ شکایت نہیں۔ مرض کی موجودگی مجھے پریشان نہیں کرتی اس کی شدت پر معترض ہوں کہ دماغی انہماک میں خلل انداز ہونے لگتی ہے۔

۲۔ اس طرح کے تذکروں میں خود اپنا حال بیان کرنے لگنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا لیکن محض رفع غرابت کے لئے لکھتا ہوں کہ خود میں نے اسی عمر میں شاعری شروع کر دی تھی میری نثر نویسی کا آغاز بھی اسی عمر میں ہوا ہے غالباً ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء کی بات ہے، بمبئی سے حکیم عبدالمجید فرخ نے جو "پنچ بہادر" نکالا کرتے تھے ایک گلدستہ "ارمغانِ فرخ" کے نام سے نکالا اور کلکتہ میں بعض شعرا اس کی ماہوار طرحوں پر مشاعرہ کرنے لگے ایک مرتبہ اس کی طرح تھی "پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی"

میں نے گیارہ شعر کی غزل لکھی۔ تین شعر ان مزخرفات کے اب تک ذہن نے ضائع نہیں کئے ہیں۔

نشتر یہ دل ہے آہ کسی سخت جان کی
نکلی صدا تو فصد کھلے گی زبان کی

گنبد ہے گردباد تو ہے شامیانہ گرد
شرمندہ میری قبر نہیں سائبان کی

آزاد بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ
"پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی"

یہ اشعار اب کس قدر لغو معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس وقت انہیں لغویات نے لوگوں کو متحیر کر دیا تھا۔ آج بھی کہ چھتیس برس گذر چکے ہیں، اپنی وہ خوشی پوری طرح محسوس کر رہا ہوں، جو مجھے اس وقت محسوس ہوئی تھی جب "ارمغانِ فرخ" میں یہ غزل چھپ کر آئی تھی اور زندگی میں پہلی بار میں نے اپنا نام ایک رسالے میں چھپا ہوا دیکھا تھا

۳۔ اس زمانے میں مرزا غالب کے ایک شاگرد نادر شاہ خاں شوخی رام پوری کلکتہ میں

لہ ان کے متعلق بعض نہایت دلچسپ باتیں مولانا نے میری کتاب "غالب" پر لکھی تھی جو دوسرے حصے میں شائع ہو رہی ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا چاہئے کہ مکتوب میں بیان کی ہوئی کہانی اور میری کتاب میں تحریر شدہ کہانی کو دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو خفیف سا اختلاف ملے گا لیکن اسے اجمال و تفصیل کے سوا کچھ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(۵۲)

کلکتہ

۳۰ دسمبر ۱۹۳۶ء

عزیزی۔

خط پہنچا۔ میر تقی والی حکایت مندرجۂ یادگار غالب[1] عام حالات میں تو ضرور مستبعد معلوم ہوتی ہے لیکن خاص خاص حالات میں چنداں مستبعد نہیں ہے غالب نے خود لکھا ہے کہ میری تیرہ برس کی عمر تھی جب ملا عبدالصمد میرے مکان پر آکر مقیم ہوا اور فارسی زبان کے اصول و قواعد میرے دماغ میں پیوست کر دیئے عبدالصمد دو سال تک ٹھہرا تھا۔ اگر تیرہ برس کی عمر میں آیا ہوگا تو گویا زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی عمر تک استفادہ کا موقع ملا ہوگا۔ اگر غالب کی قدرتی استعداد و مناسبت کا یہ حال تھا کہ چودہ برس کی عمر میں فارسی زبان کے ان رموز و غوامض کا متحمل ہو سکتا تھا جن سے سراج الدین علی آرزو شمس الدین فقیر اور ٹیک چند بہار جیسے دماغ سوختگان مدارس عمر بھر کے درس و تدریس کے بعد بھی آشنا نہ ہو سکے، تو یہ بات کیوں مستبعد تصور کی جائے کہ بارہ تیرہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا ہوا ور ندرت و غرابت کی وجہ سے اس بات کا چرچا لوگوں میں ہونے لگا ہو؟ حتیٰ کہ میر صاحب تک کسی نے یہ تذکرہ پہنچا دیا ہو؟

---

[1] سوال یہ تھا آیا یہ درست ہے کہ میرزا غالب کے اشعار اگرد سے میر تقی کے پاس پہنچے اور میر نے کہا کہ اسے استاد کامل مل گیا تو لاجواب شاعر بن جائیگا ورنہ مہمل بکنے لگے گا۔ حالانکہ میر کی وفات کے وقت غالب کی عمر صرف تیرہ برس کی تھی؟ مولانا نے اپنے ابتدائی حالات اسی سلسلے میں بیان فرمائے اور نہایت قیمتی مواد بہم پہنچائے۔ جو کسی دوسرے ذریعے سے نہ مل سکتے تھے۔

بھیجا کرتا تھا۔ انھیں آمادہ کیا کہ نثر کا ایک حصہ بھی شامل کر دیں اور اس کی ترتیب اپنے ذمے لے لی۔ اسی زمانے میں مولوی احمد حسن مرحوم فتحپوری نے کلکتہ سے احسن الاخبار اور تحفۂ احمدیہ نکالا اس میں بالالتزام مضامین نویسی ہونے لگی۔ پھر خیال ہوا کہ یہ کافی نہیں۔ ایک رسالہ خود نکالنا چاہیے چنانچہ "لسان الصدق" جاری کیا۔ یہ تمام معاملات ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء کے ہیں اس وقت میری عمر پندرہ سولہ برس سے زیادہ نہ تھی۔

تعلیم سے میں پندرہ برس کی عمر میں فارغ ہو گیا تھا اور چونکہ قدیم طریقہ یہ تھا کہ فراغت کے بعد کچھ عرصے تک درس دینا بھی ضروری سمجھا جاتا تھا تاکہ جو کتابیں پڑھی جا چکی ہیں وہ پڑھانے کے بعد اور زیادہ منجھ جائیں اس لئے والد مرحوم نے چند طلبار کی کفالت کر کے تدریس کا سلسلہ بھی شروع کرا دیا تھا۔ ان میں قندھار کے ایک خان صاحب تھے جنکی ڈاڑھی میرے قد سے بھی دراز تھی۔

اسی زمانے میں تقریر کی طرف بھی طبیعت مائل ہوئی۔ سب سے پہلی تقریر میں نے ۱۹۰۳ء میں کی اس وقت عمر پندرہ تک پہنچی تھی۔ غالباً دوسرے سال انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں شریک ہوا تھا اور تقریر کی تھی۔ اس وقت سولہ برس کی عمر تھی۔

۵۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ بارہ تیرہ برس کی عمر میں شعر کہنا کوئی بہت زیادہ غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اگر اس عمر میں میں تک بندی کرنے لگا تھا تو غالب جیسی شخصیت کے لئے جسے قدرت نے شاعری ہی کے لئے پیدا کیا تھا، یہ بات کیوں مستبعد تصور کی جائے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسام الدین حیدر[۱] مرزا اسلیماں شکوہ کے خاندان سے تعلق

---

[۱] حسام الدین حیدر خاں کی مستقل سکونت دہلی میں تھی اور جس حد تک میں معلوم کر سکا ہوں، میرزا سلیمان شکوہ سے انھیں کوئی تعلق نہ تھا۔ البتہ خاندان لوہارو سے حسام الدین حیدر خاں کے تعلقات بہت گہرے تھے اور اسی خاندان میں رجب ۱۲۲۵ھ غالب کی شادی ہوئی۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ غالب کی شادی اور میر کی وفات میں صرف تین ماہ کا فصل ہے۔

مقیم تھے۔ انھیں کسی طرح یقین نہیں ہوتا تھا کہ جو غزلیں میں سناتا ہوں میری ہی کہی ہوئی ہیں۔ ایک دن مسجد سے نکل رہا تھا کہ ان سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ مجھے پکڑ کے ایک کتب فروش کی دکان پر لے گئے جس کی دوکان مسجد سے متصل تھی کہنے لگے ایک شاگرد نے جان عذاب میں ڈال دی ہے۔ میں بیمار ہوں۔ وہ غزل کے لئے متقاضی ہے۔ چند شعر اسی وقت کہ دو۔ میں سمجھ گیا، امتحان لینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے زمین بتلائی یاد نہ رہا ہو شاد نہ ہو۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے چھ شعر کہہ دیئے، کہنے لگے اشعار کی تعداد طاق ہونی چاہیئے۔ میں نے ایک شعر اور کہہ دیا ؎

وعدۂ وصل بھی کچھ طرفہ تماشے کی ہے بات
میں تو بھولوں نہ کبھی، ان کو کبھی یاد نہ ہو

کہنے لگے "صورت سے تو دس بارہ برس کے صاحبزادے معلوم ہوتے ہو، لیکن خدا کی قسم عقل باور نہیں کرتی"۔ اس وقت سوچتا ہوں تو یہ معاملہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل کی بات ہو

۴۔ پھر اسی زمانے میں نثر کی طرف طبیعت مائل ہوئی "مخزن" نیا نیا نکلا تھا۔ اس میں چند تحریریں بھیجیں[1] لکھنؤ سے نوبت رائے نظر "خدنگ" نکالتے تھے۔ اس میں اپنی غزلیں

---

[1] خدنگ نظر، ارمغان فرخ، احسن الاخبار، تحفۂ احمدیہ وغیرہ میں نے نہیں دیکھے، البتہ "لسان الصدق" کے کچھ پرچے میرے پاس ہیں۔ مولانا کی خدمت میں بارہا عرض کیا کہ یہ فائل پورا کرا دیجئے ایک دفعہ حتمی وعدہ فرمایا مگر افسوس کہ میں ایفاء وعدہ کے لئے اصرار و ابرام کا طریقہ اختیار نہ کر سکا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے "مخزن" کے ابتدائی دور میں مولانا کے دو مضمون نکلے تھے ایک "اخبار" پر اور دوسرا خاقانی شروانی پر۔ "اخبار" پر جو مضمون نکلا تھا اس پر میر غلام بھیک مرحوم نیرنگ نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے شیخ عبدالقادر مرحوم سے کہا تھا کہ "مخزن" نوعمر لڑکوں کی مشق مضمون نگاری کے لئے نہیں جاری کیا گیا چنانچہ یہ واقعہ خود شیخ عبدالقادر نے مولانا کو اس وقت سنایا تھا جب وہ علم و فضل اور تحریر و تقریر میں یگانگی کا رتبہ حاصل کر چکے تھے۔

کو بہ طور ایک اصل کے لوگوں نے کتابوں کے دیباچوں میں بھی لکھ دیا ہے۔ مثلاً بائیبل کے مقدمہ میں
... البتہ آپ کا خط پڑھ کر میں نے ان مقامات کا مطالعہ کیا۔ نیز اصل مسودہ نکال کے دیکھا تو
معلوم ہوا، بعض مقامات میں کتابت کے اغلاط ضرور ہیں، اور افسوس ہے کہ میں نے خصوصیت
کے ساتھ کاپی دیکھتے ہوئے ان نمبروں کا مقابلہ نہیں کیا۔ بہرحال آپ کے پیش کردہ مقامات
کو لکھتا ہوں۔ اپنے نسخہ کی تصحیح کر لیجئے اور اگر آئندہ کوئی حوالہ الجھاؤ پیدا کرے تو اس سے
بھی مطلع کیجئے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کے لئے آپ کو جزائے خیر دے۔

۷ - (۱) سنگی الواح کا حوالہ مندرجہ صفحہ ۴۳ شمارہ ۵ آیات کے اعتبار سے ۲۲: ۱۵ ہی ہوگا
لیکن میں نے اگر ۳۲: ۱۴ لکھا ہے تو یہ بھی غلط نہیں ہے کیونکہ حاشیہ پر ۱۴: ۱۵
لکھا ہے۔ ایک کی کمی بیشی اس طرح کے حوالوں میں ہو جاتی ہے۔

(۲) صفحہ ۵۳ کا حوالہ ۱۲: ۳۲ غلط چھپ گیا ہے اور عجائب اغلاط میں سے ہے صحیح
۳۲ : ۲ ہے اسے نکالیے۔

(۳) بشارات ظہور کے تمام حوالے ٹھیک ہیں، لیکن غالباً آپ نے سرسری نظر سے مطالعہ کیا
ہے اور کچھ جدید ترجمہ نے بھی الجھاؤ پیدا کر دیا ہوگا۔ غالباً آپ کے پاس بائیبل سوسائٹی
کا جدید مصحح ایڈیشن ہے۔

(الف) استثنا ۱۸: ۱۷ کا آپ کے نزدیک ۱۸: ۱۸ ہونا کوئی اختلاف نہیں۔
(ب) استثنا ۳۲: ۲۱ کو آپ لکھتے ہیں نہیں ملا، حالانکہ موجود ہے۔ یہ مقام پھر دیکھئے

۸ - چونکہ یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جن سے مسلمانوں نے عام طور پر
استدلال شروع کر دیا تھا اور قوم "امی" اور نبی امی" کی پیشین گوئی اس سے نکالی گئی
تھی۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے مسیحی مناظروں میں فارقلیط کی طرح اس کے خلاف
بھی عام میلان پیدا ہو گیا ہوگا۔ اور بعد کے ایڈیشنوں اور نئے ترجموں میں
اس کی تعبیر کچھ بدل دی گئی۔ تاہم اب استشہاد کے لئے کفایت کرتی ہے

رکھتے تھے۔ اگر یہ خیال صحیح ہو تو ان کا آگرہ سے تعلق واضح ہو جاتا۔ میرزا سلیمان شکوہ کی جب قمر چہرہ کے معاملے میں نصیر الدین حیدر سے ان بن ہو گئی تو وہ لکھنؤ سے چلے گئے تھے۔ کچھ دنوں جنرل کارڈن کے یہاں رہے، پھر آگرہ کا رخ کیا۔ ہو سکتا ہے حسام الدین حیدر اور غالب کے ابتدائی تعلقات اسی زمانہ میں شروع ہو گئے ہوں یہ محض قیاس ہے، وثوق سے نہیں کہہ سکتا بعض کتابوں کے مراجعہ سے تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں ۔:

"ترجمان القرآن" لکھتے ہوئے میرے پیش نظر تورات کے تین نسخے رہے ہیں۔ عہد عتیق عربی مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۸۶۶ء عہد عتیق عبرانی مطبوعہ وائنا ۱۸۳۲ء نمبروں کے لئے انگریزی نسخے سے کام لیا گیا ہے۔ اردو بائبل کا پہلا ایڈیشن مطبوعہ سرامپور بھی موجود ہے، لیکن اس کا حوالہ نہیں دیتا[1]

۶۔ نمبر چونکہ درس (آیت) کے آخر میں نہیں دیئے گئے، بلکہ حاشیہ میں دیئے گئے ہیں، اس لئے یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ ایک کی کمی بیشی کا ہو جانا مستبعد نہیں ہوتا یہ بات کہ کونسی آیت کس سطر میں ختم ہوئی ہے اور ایک سطر میں کہاں اتمام و آغاز ہوا ہے۔ مختلف ایڈیشنوں میں حاشیے کے نمبروں کو مختلف کر دے سکتا ہے۔ نیز اندراج کے وقت مختلف نگاہیں اتمام و آغاز کو مختلف نمبروں میں دیکھ سکتی ہیں۔ اس طرح کے حوالوں سے مقصود آیات کی تعداد کی تحقیق نہیں ہوتی، صرف استخراج کا سراغ دے دینا مقصود ہوتا ہے۔ لیس فاعدہ یہ ہے کہ جو نمبر حوالے میں درج ہو اس کے محاذ میں آیت ڈھونڈھی جائے۔ بجنسہ اسی نمبر کے محاذ میں، یا اس سے ایک آیت اوپر نیچے، مطلوبہ مقام مل جائے گا۔ اس بات

[1] یہ تمام تفصیلات اس لئے بیان فرمائیں کہ میں نے "ترجمان القرآن" کا مطالعہ کرتے وقت بائبل کے حوالوں کی چھان بین کی تھی اور عرض کیا تھا کہ بعض حوالے غلط معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا نے میری بعض گزارشات کو درست مان لیا۔ جو گزارشیں نادرست تھیں، ان کے متعلق ضروری تصریحات فرما دیں۔ہ

(ج) زبور ۴۵: ۱، آپ کو نہیں ملا حالانکہ موجود ہے۔ ۱۔ کے اشارہ سے مقصود پورا نغمہ ہے۔ سب پڑھ جائیے۔ اس زبور میں حضرت داؤدؑ ایک خاص ہستی کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔ تمام یہودی اور مسیحی شارح اس باب میں متفق ہیں کہ یہ ہستی ایک موعود و منتظر ہستی تھی۔ مسیحی شارحین اسے حضرت مسیحؑ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور علماء یہود کہتے ہیں مسیحؑ ہی کے متعلق ہے۔ مگر وہ ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

۱۰۔ مگر جب اس زبور کے متذکرہ اوصاف پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ صرف پیغمبر اسلام ہی پر منطبق ہو سکتے ہیں۔ مثلاً وہ بادشاہ ہوگا، تلوار بہ کمر ہوگا۔ قومیں اس کے سامنے سربسجود ہو جائیں گی۔ تحفے اور نذرانے اس کے آگے لائے جائیں گے، وغیر ذلک۔ حضرت مسیحؑ پر یہ اوصاف راست نہیں آتے اور پیغمبر اسلام کے سوا کوئی ظہور نہیں ہوا۔ پس مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی ظہور اسلام ہی سے تعلق رکھتی ہے۔

(د) متی ۲۰: ۱ کو بھی آپ لکھتے ہیں کہ ملی نہیں۔ حالانکہ صاف موجود ہے۔ پھر دیکھئے۔ اس میں مسیحؑ نے آسمان کی بادشاہت کے لئے ایک مثال بیان کی ہے۔ انگور کے ایک باغ کے لیے، مزدوروں کی ضرورت تھی۔ باغ کے مالک نے ایک دینار روزینہ مقرر کیا اور کہا، جو کام کرے گا اتنا ہی پائے گا۔ کچھ مزدور صبح آئے اور لگ گئے۔ کچھ دوپہر کو آئے اور کام کرنے لگے۔ کچھ سہ پہر کو ملے انھیں بھی لگا دیا گیا۔ شام کو جب مزدوری بٹی تو سب نے ایک ایک دینار پایا۔ اس نے بھی جو صبح سویرے سے کام کر رہا تھا اور اس نے بھی جسے مالک نے سہ پہر کو لگایا تھا۔ پہلے کو دن بھر محنت کرنی پڑی، دوسرے کو تین گھنٹے۔ یہ مالک باغ کا فضل تھا۔

۱۱۔ مسلمان کہتے ہیں، اس مثال میں آخری امت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا "مثلکم و مثل اھل الکتابین کمثل رجل استاجر اجراء فقال

استثنار ۳۲ : ۲۱ نکالیے ۔ یہاں حضرت موسیٰؑ خدا کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل سے ان کی بدعملیوں کی وجہ سے منہ چھپا لے گا اور ایک ان پڑھ قوم کو ان کی جگہ سربلند کرکے انھیں عزت دلائے گا۔ توراتِ عربی مطبوعہ قسطنطنیہ و مصححہ سعید فیومی میں یہ عبارت اس طرح ہے " ھم اغاروني بغیر الله واغضبوني بمعبوداتھم الباطلة وانا اغیرھم بغیر شعب وبشعب جاہل اغضبھم "۔ یعنی انھوں نے اپنے باطل معبودوں سے مجھے غیرت دلائی تو میں ایک دوسری قوم سے انھیں غیرت دلاؤں گا ۔ ایک جاہل قوم سے "عربی کی قدیم تورات جو بلاد مصر و شام میں رائج تھی" اس میں صریح " بشعب امی " کا لفظ تھا ، چنانچہ قدمار مناظرین نے ایسا ہی نقل کیا ہے ۔ بعد کو " امی " کی جگہ " جاہل " کا لفظ بنا دیا گیا۔ بہرحال یہ بھی صحیح ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صریح عربوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس زمانے میں اس قوم کی سب سے بڑی پہچان اس کی بدویت اور جہالت تھی۔ خود قرآن نے عرب قبل از اسلام کے لئے " جاہلیۃ " کا وصف اختیار کیا ہے۔ اور ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم ظاہر و معلوم ہے ۔

۹ ۔ لیکن یہاں بعد کے ترجموں میں دو تحریفیں کی گئی ہیں ۔ ایک تو " بغیر شعب " کے ترجمے میں " دوسری " شعب جاہل " کے ترجمے میں ۔ پہلے کا مطلب یہ ٹھہرایا ہے ۔ کہ جو قوم نہیں ہے " اور " جاہل " کے لئے " بے وقوفی " اور " بے عقلی " کی ترکیبیں کام میں لائے ہیں معلوم نہیں آپ کا نسخہ کونسا اور کس زبان کا ہے ۔

رہا ہوں، اگر ایسی چائے کے فنجان میسر ہوں تو پھر اور کون سی نعمت باقی رہ جاتی ہے جس کی انسان خواہش کرے؟ میرے لئے یہی چائے سحری کی صبوحی بھی ہے اور افطار کا جام خمار شکن بھی۔ دیکھئے یہاں بھی غالب کی یاد نے ساتھ نہ چھوڑا۔

خجلت نگر کہ در حسنا تم نہ یافتند

جز روزۂ درست، بہ صہبا کشودۂ

۱۳۔ آپ خواجہ حسن نظامی کے روزنامچہ ہائے غدر کا حوالہ دیتے ہیں۔ میں نے اخباروں میں ان کا نام دیکھا تھا، مگر کبھی یہ خیال نہیں گزرا کہ ان میں کوئی قابل اعتنا بات ہو گی۔ کیا واقعی غدر کے زمانے کی تحریریں اس میں استناد کے ساتھ جمع کی گئی ہیں؟ اگر واقعی ایسا ہو تو لکھئے کون کون سے رسالے ہیں؟ بہادر شاہ کے مقدمہ کی روداد پرانی بھی چھپی ہوئی موجود ہے اور پنجاب میں ایک نئی بھی چھپ گئی ہے۔ مرزا حیرت نے "چراغ دہلی" میں اس کا خلاصہ اردو میں بھی چھاپ دیا تھا۔ اودھ کی بعض تحریروں اور روزنامچوں کا انگریزی ترجمہ اسٹیٹ پیپرز کے سیلکشن میں شائع ہو چکا ہے۔ معین الدین کا ناتمام روزنامچہ اور منشی جیون لال کی تحریریں بھی چھپ چکی ہیں۔ کیا خواجہ حسن نظامی کے رسالوں میں ان کے علاوہ بھی کچھ مواد ہے؟

روپیہ کے متعلق منتظر رہوں گا۔ امید ہے شیخ صاحب یہ رقم روانہ کر رہے ہونگے اور بقیہ جنوری کے اوائل میں وصول ہو جائے گی

ابوالکلام

من یعمل لی من غدوۃ الی نصف النہار علی قیراط "........... الخ

مشہور حدیث "نحن الآخرون السابقون بید انھم اوتوا الکتاب من قبلنا واوتینا من بعدھم"........... الخ

(ھ) یوحنا کا حوالہ ۱۴: ۱۵ آپ کے نسخے میں ۱۴: ۱۶ ہے یہ کوئی بات نہیں۔

(و) جبل حورب کے حوالے میں بلاشبہ کتابت کی غلطی ہے۔ اصل میں ۱۷: ۶ تھا اسے کاتب نے ۱۱: ۶ بنادیا۔ اسے درست کر دیجیے اور ۱۷: ۶ نکال کر دیکھیے۔

(ز) یریحو یا اریحا یا جریحو کے حوالے میں بھی طباعت کی غلطی ہے۔ گنتی ۲۲: ۵ چھپ گیا ہے۔ حالانکہ اصل میں ۳۳: ۵ تھا۔ ۳ کی جگہ ۲ لکھ دیا گیا۔ آپ گنتی ۳۳: ۵ نکالیے، جریحو کا ذکر موجود ہے۔

۱۲۔ میرا عربی اور عبرانی کا نسخہ ضرور مرجح ہے۔ لیکن آپ کو یہ بہ آسانی نہیں ملے گا۔ یورپ کے کسی پرانی کتابوں کے تاجر سے مل جائے تو مل جائے۔

دیکھیے بے خبری میں کتنے صفحے لکھ گیا۔ یا تو خطوں کے جواب میں دو سطر لکھنا بھی دوبھر ہوتا ہے یا یہ عالم ہے کہ دس بارہ صفحے سیاہ ہو چکے اور ابھی تک کہانی ختم نہیں ہوئی اصل یہ ہے کہ رمضان کی آمد نے یکایک بجھی ہوئی طبیعت میں تازگی پیدا کر دی ہے۔ عشار کے بعد بیٹھتا ہوں تو صبح تک دماغ کے کیف وسکون میں کوئی بات مخل انداز نہیں ہوتی[1]۔ اس وقت تین بج چکے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی سبز چائے کا فنجان سامنے دھرا ہے جو ایک جاپانی دوست نے حال میں بھیجا ہے۔ آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ اور دل میں سوچ

---

[1] اس سے واضح ہو گیا کہ مولانا رمضان شریف میں عموماً رات بھر جاگتے رہتے تھے۔

اور اشخاص دونوں میں ہوا۔ تاہم یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ عقبہ کی بیعتیں دو ہی ہوئی تھیں عقبہ اولیٰ اور ثانیہ، البتہ بعض اس طرف گئے ہیں کہ باشندگان یثرب سے ملاقاتیں تین مرتبہ ہوئیں پہلی مرتبہ کچھ لوگ متاثر ہو کر چلے گئے۔ پھر دو مرتبہ آئے اور بیعت کی۔ ابن قیم نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ میں نے سیرۃ کے عام مسلک کو ترجیح دی ہے۔

آپ لکھتے ہیں میں نے ایک جگہ تہتر[۱] لکھا ہے۔ "ترجمان القرآن" جلد دوم کا کوئی نسخہ اس وقت موجود نہیں، اس لئے دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن میرے ذہن میں بہتر[۲] ہی کی تعداد ہے۔ ستّر مرد، دو عورتیں۔ اگر واقعی تہتر چھپ گیا ہے تو یہ طباعت کی غلطی ہوگی۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ عید کی ملاقاتیں خلل انداز ہوئیں پھر کئی دن تک مہلت نہیں ملی۔ ۱۲ کو فیض پور کے لئے نکلنا پڑا تو کاغذات ساتھ رکھ لئے۔ اب یہاں فرصت کا ایک ہی وقت یعنی قبل از طلوع آفتاب ہاتھ آیا۔ تو سب سے پہلے آپ کے ناتمام خط پر نظر پڑی اس علاقے میں سردی زیادہ نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ کھلا میدان ہے اور چٹائی کی چھت اس لئے صبح کیفیت سے خالی نہیں[۱]۔ وہی اعلیٰ درجے کی چائے جس کے وصف "اعلیٰ درجے" کو آپ نے علامت اقتباس کے درمیان لکھا ہے، سامنے ہے۔ جام پہ جام خالی کر رہا ہوں اور آپ کو خط لکھ رہا ہوں ؎

بادہ پیش آر کہ اسباب جہاں ایں ہمہ نیست

سورہ مریم "تحتک سریا" کا ترجمہ عام طور پر نہر ہی کیا گیا ہے لیکن مجھے دوسرا مطلب زیادہ موزوں معلوم ہوا۔ یہ شبہ کہ آگے چل کر "کلی واشربی" سے نئی بات شروع ہوتی ہے۔ اسے اس کے ساتھ نہ جوڑیئے۔ پہلے تسکین دی کہ جس بات پر غمگیں ہو رہے ہو۔ وہ غم کی بات نہیں۔ پھر کہا اب کھاؤ پیو چین سے رہو، کسی طرح کی پریشانی جی میں نہ لاؤ[۲]۔

۱ے مطلب یہ کہ خاصی خنکی ہوتی ہے۔ مولانا کو موسم کی خنکی بہت مرغوب تھی۔ ۲ے مولانا نے سریا کا ترجمہ ایک بڑی ہستی کیا تھا میں نے عرض کیا تھا کہ "کلی واشربی" کو پیش نظر رکھتے ہوئے سریا کا ترجمہ نہر زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۵۳)

فیض پور (سادرا)

۲۴- دسمبر ۱۹۳۶ء

عزیزی،

خط بروقت مل گیا تھا لیکن رمضان کے آخری دنوں نے مہلتِ التفات نہ دی اللہ کے افضالِ خاص میں سے ایک فضل یہ ہے کہ اس ماہ کی خوش وقتیوں سے دل محروم نہیں رہتا۔ دنیا کے لئے چار موسم ہوا کرتے ہیں۔ میرے لئے صرف دو رہ گئے ہیں۔ گیارہ مہینے خزاں کے۔ ایک بہار کا رمضان میرے لئے "بہار و بادہ" کا پیام ہوتا ہے۔

ہمہ شب شراب خوردن، ہمہ روز خواب کردن!

اگر مہلت ملے تو "ترجمان القرآن" جلد اول کا از سرِ نو مطالعہ کیجئے[1]۔ کام کی اصل بنیادیں تو وہیں استوار ہوئی ہیں۔ اگر بقرہ اور آلِ عمران کی مہمات حل نہیں ہوتیں تو قرآن میں سے کچھ بھی حل نہیں ہوتا۔ پھر تفسیر سورۂ فاتحہ کے مطالب تو اصل اصول ہیں۔ اس کی چار چار یا پانچ پانچ سطروں کے اندر جو بات لکھ دی گئی ہے۔ وہ اپنی جگہ ایک پوری کتاب ہے۔ البتہ اسلوبِ بیان علمی ہے۔ انشا پردازانہ پھیلاؤ نہیں ہے۔ نیز یہ مقدمہ بھی واضح نہیں ہوا ہے کہ معاملے کی پچھلی حالت کیا تھی اور جو تدوینات اب عمل میں آئی ہیں وہ کونسی ہیں؟ لامحالہ سرسری نظر کام نہیں دیتی۔ خصوصیت کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے +

۲- بیعتِ عقبہ کے بارے میں روایاتِ سیرۃ مختلف ہیں۔ اختلاف اجتماع کی تعداد

---

[1] یہ اس لئے فرمایا کہ میں نے عرض کیا تھا "ترجمان" جلد اول میں بھی اسی پیمانے کے حواشی تحریر فرمائیں جو جلد دوم میں اختیار کیا گیا۔ ساتھ ہی عرض کیا تھا کہ جا بجا تشنگی محسوس ہوتی ہے:

(۵۴)

کلکتہ

۴۔ جنوری ۱۹۳۷ء

عزیزی،

فیض پور سے ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اس وقت سورہ مریمؑ کا مطالعہ کر رہا تھا تو خیال آیا، آپ نے "مکاناً شرقیا"[1] کی نسبت بھی لکھا تھا۔ غالباً آپ نے ناصرۂ قدیم اور ناصرہ جدید میں فرق نہیں کیا ہے۔ ناصرہ کے نام سے جو گاؤں اب آباد ہے۔ یہ وہ ناصرہ نہیں ہے جو حضرت مریمؑ کا وطن تھا۔ اس کا محل موجودہ ناصرہ سے مشرق کی طرف ہٹا ہوا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں جب جنرل گورڈن نے مسیحؑ کے محل دفن کی تحقیقات شروع کی تو اس کا خیال ناصرہ کی طرف بھی گیا اور بالآخر بحث و تنقید کے بعد قدیم ناصرہ کا محل وقوع نمایاں ہو گیا۔

معہذا "مکاناً شرقیا" کا مطلب وہ بھی ہو سکتا ہے جو عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ اس قسم کے مقامات کی تفسیر جزم و یقین کے ساتھ نہیں کی جا سکتی۔ قرائن و آثار کی بنا پر کوئی بات سامنے آجاتی ہے اور اسے اختیار کر لیا جاتا ہے۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[1] سورۂ مریم میں ایک مقام پر ہے کہ حضرت مریمؑ اپنے گھر کے آدمیوں سے الگ ہو کر شرقی سمت کے مکان میں چلی گئیں (مکاناً شرقیا) دوسری جگہ ہے کہ دُور کے مکان میں چلی گئیں۔ (مکاناً قصیا) مولاناؒ نے 'ترجمان' میں فرمایا تھا کہ حضرت مریمؑ ناصرہ چلی گئی تھیں۔ جو یروشلم کے شمال مشرق میں واقع ہے اور باشندگان یروشلم کے لئے مشرق کا حکم رکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ناصرہ قدیم ہو یا جدید نہ یروشلم کے شمال مشرق میں ہے اور نہ باشندگان یروشلم کے لئے مشرق کا حکم رکھتا ہے بلکہ وہ یروشلم کے عین شمال میں ہے۔ یہ ارشاد میری اس گذارش کا جواب ہے۔

آپ نے حضرت مسیحؑ کی زندگی متذکرۂ قرآن کے بارے میں اپنی تشویش کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے۔ جو موجب تشویش ہو۔ البتہ خط و کتابت سے یہ باتیں صاف نہیں ہو سکتیں۔ آکر ملیئے تو سب کچھ سنوں اور سب کچھ سناؤں۔

"تکلم فی المہد" کا یہ مطلب ٹھہرانا ضروری نہیں ہے کہ شیر خواری میں باتیں کرتے تھے ہر زبان کی طرح عربی زبان کا بھی یہ محاورہ ہے کہ کمسن کو مہد نشین سے تعبیر کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک کم سن لڑکے سے ہم کیا باتیں کریں۔

آپ نے "ننھے نواب" کے روزنامچۂ غدر کا حال دریافت کیا ہے۔ یہ معتمد الدولہ آغا میر کے لڑکے تھے۔ جب کانپور میں انقلاب شروع ہوا تو انھوں نے بقید تاریخ حوادث قلمبند کرنا شروع کر دیئے۔ غالباً اس لئے کہ حکام انگریزی کے کام آئیں کیونکہ ان کے خاندان کا شمار خیر خواہان کمپنی میں تھا۔ بعد کو جب عظیم اللہ نے مجبور کیا کہ چھاؤنی کے محاصرہ میں حصہ لیں تو روزنامچے کا سلسلہ رُک گیا۔ ستمبر ۱۸۵۷ء میں جب ہیولاک کانپور پہنچا تو انھوں نے اپنی بے گناہی کے ثبوت میں اپنی یہ تحریر پیش کی۔ چنانچہ کانپور کے سرکاری کاغذات میں یہ روزنامچہ بھی شامل کر دیا گیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ اس رپورٹ میں ملتا ہے جو تحقیقات کانپور کی مرتب کی گئی تھی۔ اصل اردو بھی غالباً خود ننھے نواب نے چھپوا کر شائع کیا تھا۔

شیخ مبارک علی صاحب نے ایک ہزار کا ڈرافٹ بھیج دیا تھا۔ جو وصول کر چکا ہوں۔ امید ہے اوائل جنوری میں بقیہ رقم بھی بھیج دیں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

(۵۶)

کلکتہ

۱۲۔ جنوری ۱۹۳۷ء

عزیزی!

خط پہنچا، انتظار تھا کہ شاید "دراسات" دہلی سے آجائے۔ مگر ابھی تک وصول نہیں ہوئی۔ غالباً وہاں بھی وہاں بھی نہیں ہو گی۔ کتاب چنداں نایاب نہیں، کیونکہ بہر حال مطبوعہ ہے لیکن وقت پر ملنا شرط ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ فروری کے بعد کلکتہ کا قصد کریں گے، ضرور کیجئے:

فرخندہ شبے باید و خوش مہتابے
تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

شیخ مبارک علی صاحب کے حساب میں کوئی بات اب دریافت طلب نہیں رہی۔ ستر نسخوں والی بات کے لیے میں نے اپنا خیال آپ کو لکھ دیا تھا۔ مگر ساتھ ہی فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا تھا۔ آپ نے جو کچھ لکھا اس کا منشا، یہ معلوم ہوا کہ آپ کی رائے شیخ صاحب کے مطالبے کے حق میں ہے۔ میں نے اسے منظور کر لیا۔ اب اس میں آپ کو تامل کیوں ہو؟ ان سے کہئے جو کچھ وضع کرنا چاہتے ہیں، وضع کر لیں جو کچھ بھیجنا چاہتے ہیں بھیج دیں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

(۵۵)

۱۴ جنوری ۱۹۳۷ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ اس وقت یہ خط ایک خاص ضرورت سے لکھ رہا ہوں۔ مولوی معین الدین سندھی شاگرد شاہ ولی اللہ کی ایک کتاب عربی میں "دراسات اللبیب" ہے، رد تقلید اور مباحث فقہ و حدیث میں۔ بہت عرصہ ہوا لاہور میں چھپی تھی۔ میرے پاس موجود تھی۔ لیکن اب ڈھونڈھتا ہوں تو نہیں ملتی۔ اور اس کی وجہ سے ایک نہایت ضروری مقام رکا پڑا ہے۔ آپ براہ عنایت بلا تاخیر کتب فروشوں سے دریافت کریں اور اگر مل جائے تو میرے نام وی۔ پی پارسل کے ذریعہ بھجوا دیں اگر کتب فروشوں کے پاس نہ ملے تو پھر کوشش کیجیے کسی کا نسخہ عاریتہً مل جائے۔ مجھے صرف ایک گھنٹے کے لیے مطالعہ ہے۔ بلکہ ایک نظر کے لئے۔ اگر کسی کا ذاتی نسخہ ہو، یا کسی کتب خانے کا ہو، تو جس دن مجھے ملے گا، اسی دن واپس بھیج دوں گا۔ اہل حدیث علماء کے پاس یہ کتاب ضرور ہو گی۔ اگر مولوی داؤد صاحب غزنوی وہاں موجود ہوں تو ان سے دریافت کیجیے۔ ان کا پتہ مجھے معلوم نہیں، ورنہ انھیں زحمت دیتا، والسلام

جس قدر جلد ممکن ہو، بصورت حصول کتاب بھجوائیے۔ مجھے امید ہے کسی کتب فروش کے یہاں بچا بچایا نسخہ ضرور موجود ہو گا۔ کشمیری بازار کے تمام کتب فروشوں سے ضرور دریافت کرا لیا جائے[1]

ابوالکلام

---

[1] کتاب کہیں سے نہ ملی۔ مولاناؒ کو برابر اطلاع بھیجتا رہا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب اس واقعے پر چار پانچ سال گزر گئے تو "دراسات اللبیب" بے طلب میرے پاس آ گئی اور صرف اس لئے رکھ لی گئی کہ مولاناؒ کو ایک مرتبہ ضرورت پیش آئی تھی، ممکن ہے پھر پیش آ جائے۔

ہے، مگر اتنی واضح بات سامنے نہ آئی کہ اگر ٹھیک انھی دلائل کی بنا پر کل کو بہار، یو۔پی، مدراس، آسام اور بمبئی میں ہندو اکثریت نے ناگری رسم الخط کو سرکاری قرار دے دیا اور اردو رسم الخط والے اسکولوں کو سرکاری اعانت سے محروم کردیا، تو ان کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے؟

اتنا ہی نہیں بلکہ اس فتنہ نے تو اقلیتوں کے حقوق کی ساری عمارت ہی درہم برہم کردی۔ یہ اصل ہی باقی نہ رہی کہ ان امور کے فیصلے کا حق خود اقلیت کو ہے، نہ کہ اکثریت کو۔ بنگال کے ہندو اور مسلمان، دونوں اردو کے مخالف ہیں اور چاہتے ہیں صوبے کی زبان ایک ہی ہو اور وہ بنگلہ ہو۔ اب پریسڈنسی ڈویژن کی وہ لسانی اقلیت، جس کی زبان اردو ہے، کیا کہے گی؟ کل کو اگر اس فتنہ پردازی کی مثال سامنے رکھ کر بنگال نے سرکلر جاری کر دیا کہ صرف انھیں اسکولوں کو مدد دی جائے گی۔ جو بنگلہ زبان میں تعلیم دیں تو اس وقت کلکتہ کے ہزاروں ہندو مسلمان کیا کریں گے۔ جو اپنے بچوں کو بنگلہ میں تعلیم نہیں دینا چاہتے؟

ایک لمحہ کے لئے اس غلط فہمی میں اپنے کو نہ ڈالیے کہ ہمارے نزدیک حقیقت و انصاف کیا ہے اور از روے دلائل و مصالح کیا ہونا چاہیئے؟ ان امور میں سوال دلائل اور منطق کا نہیں ہوتا۔ اگر دلائل سے جماعتی کشاکش کا فیصلہ ہو سکتا تو دنیا کے سارے جھگڑے معدوم ہو جاتے! سوال صرف یہ ہے کہ ایک صوبے کی ایک اقلیت، صحیح بنیادوں پہ یا غلط بنیادوں پر، مگر اپنے بچوں کو کس رسم الخط کی تعلیم دینا چاہتی ہے؟ اس کو اس کا حق ہے یا نہیں؟ اور صوبے کی گورنمنٹ کو اس کا اعتراف کرنا چاہیئے یا نہیں؟ تیس برس سے مسلمان پیٹ رہے تھے کہ اس کا حق اقلیت کو ہے۔ نہ کہ اکثریت کو اور اصل اس بارے میں یہ ہونی چاہیئے کہ کوئی اکثریت جبراً اپنا فیصلہ دوسرے پہ نافذ نہ کرے متعصب ہندوؤں کو اس کے قبول کرنے میں تامل تھا۔ لیکن بات اتنی صاف تھی کہ اسے علانیہ رد نہیں کر سکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس اصل کی کاٹ کے لئے

(۵۷)

کلکتہ

۲۵۔ جنوری ۱۹۳۷ء

عزیزی!

میں کبھی آپ کو اخبار کے مسائل و روش کی نسبت کچھ نہیں لکھتا۔ اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں ہر شخص اپنے اخبار کی روش بہت سی مقامی اور ماحولی مصلحتوں کی بنا پر تجویز کرتا ہے اور جب تک وہ خود خواہشمند نہ ہو، کسی دوسرے کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ مگر بعض اوقات آپ فریقانہ مخالفت کے جوش میں اتنے دور چلے جاتے ہیں کہ منطق و استدلال کی کوئی حدبندی باقی نہیں رہتی اور اس محبت کی وجہ سے جو آپ سے ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ آپ کو ایسا تو نہیں کرنا چاہیئے۔

اس وقت ڈاک آئی تو سب سے اوپر "انقلاب" تھا۔ میں نے کھولا تو ایک نوٹ پر نظر پڑی "سرحدی کانگرسیوں کے ارادے"۔ اس میں آپ لکھتے ہیں کسی نے ڈاکٹر خان سے پوچھا، ہندی گورنکھی سرکلر کے لئے کیا کروگے؟ انھوں نے کہا "فوراً منسوخ کردیں گے"۔ اس سے اندازہ کرلینا چاہیئے کہ سرحدی کانگرسیوں کی اسلام دشمنیوں کا کیا حال ہے؟"

کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ اس معاملے کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت تصور کرتے ہیں، جو فی الحقیقت مسلمانان ہند کے مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مہلک معاملہ ہے۔ اور جس سے بڑھکر شاید ہی فتنہ پردازی کی کوئی بات موجودہ سیاسی دور میں ہوئی ہو! آپ لوگ اس بات پر تو بہت خوش ہو گئے کہ اس عقل فروش . . . . . . نے وحدت زبان و رسم الخط کا راگ گا کر مٹھی بھر سکھوں کے گرل اسکولوں کی سرکاری اعانت بند کردینی چاہی

بڑا دروازہ کھولا جا رہا ہے؟

قرآن جا بجا اسماء اور ان کی پرستش کا ذکر کرتا ہے۔ اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم۔ ٹھیک یہی حال مسلمانوں کا ہو رہا ہے۔ چند اسماء و اعلام ہیں۔ اور جونہی کسی کی زبان سے نکل جائیں، فوراً ان کی حمایت میں چیخنے لگنا چاہیئے۔ باقی رہا حقیقت کا کا سوال، تو یہ قطعاً غیر ضروری ہے۔ اسلام، حقوق، مسجد، اردو، گائے اور اس طرح کا کوئی لفظ زبان سے نکل جانا چاہیئے۔ پھر ہر مسلمان کے لئے بلا کسی شرط کے ضروری ہے کہ اس کی تائید کرے۔ اگرچہ یہ تائید اسلام اور مسلمانوں کے مقاصد و مصالح کی قطعاً نفی ہی کیوں نہ ہو۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ حضرت مولا عبد اللہ گاندھی کو لے کر مسلمانوں نے اسلام کی وہ توہین و تذلیل کرنی چاہی (کرنی چاہی کیونکہ الحمد اللہ کسی کے کئے سے اس کی تذلیل ہو نہیں جا سکتی)، کہ شاید ہی اس کی کوئی مثال اس پورے دور غفلت و مذلت میں بھی مل سکے۔ غریب گاندھی نے ایک ایسے مقام میں آکر جہاں دنیا کا کوئی رشتہ بھی اظہار حقیقت سے مانع نہیں ہو سکتا۔ صورت حال کا اعلان کیا، تو اس پر اس کی ہنسی اڑائی گئی۔ لیکن مسلمان اخبار نویسوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں نکلا جو دبی زبان ہی سے مگر مسلمانوں کو اس غیر اسلامی خفیف الحرکتی سے روکتا۔ جو انھوں نے ایک بہروپیے نو مسلم کو خرید کر کرنا شروع کر دی تھی۔

سرحد کے اس سرکلر کا معاملہ جب پہلے پہل اخباروں میں آیا تو میں نے خیال کیا، اس میں کوئی غلط فہمی کام کر رہی ہے۔ کیونکہ خود مسلمانوں کے فرقہ وارانہ نقطۂ خیال سے یہ بات اس درجہ غلط اور مہلک تھی کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا، صاحبزادہ عبد القیوم اور ان کے مشیروں نے ایسا کیا ہوگا۔ لیکن جب میں نے ان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا واقعی یہی بات ہے۔ اس پر میں نے بستر علالت سے بارہ صفحوں کا خط لکھ کر انھیں بھیجا۔ اور پوری تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا کہ یہ کارروائی کس درجہ مضر ہوگی۔ چونکہ ان

کوئی ہتھیار مل جائے۔ لیکن ہتھیار ملتا نہیں تھا۔ اب صوبۂ سرحد نے یہ سرکلر جاری کرکے انھیں بنا بنایا ہتھیار پکڑا دیا۔ پہلے انھوں نے تھوڑا بہت شور مچا دیا تاکہ حجت قائم ہو جائے۔ پھر خاموش ہو گئے۔ اب بہار وغیرہ میں گورنمنٹیں بننے دیجئے۔ دیکھ لیجئے گا اس ہتھیار کا استعمال کیوں کر کیا جاتا ہے؟ اس وقت آپ لوگوں کو پتہ چلے گا کہ اس سرکلر کی حمایت میں شور مچا کر آپ لوگوں نے اردو کی کیسی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے!

ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک وقت یہ پیش آگئی تھی کہ کوئی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں مسلمانوں کی ویسی عظیم اکثریت ہو، جیسی ملک کے اکثر صوبوں میں ہندوؤں کی ہے۔ اور جہاں وہ اپنا عملی نمونہ قائم کرکے ہندو اکثریت کے صوبوں کے لئے مثال قائم کرسکیں وہ اکثریت و اقلیت کے مسئلے میں جو کچھ بھی کر سکتے تھے بحث و منطق تھی، عملی اقدام کی کوئی قوت نہیں رکھتے تھے۔ اب حسنِ اتفاق سے دو صوبے ایسے نکل آئے جہاں وہ بہار اور یوپی کی ہندو اکثریت کے درجہ کی مسلم اکثریت رکھتے ہیں: سرحد اور سندھ، اور اس طرح انھیں موقع مل گیا کہ یہاں اپنے طرزِ عمل کی ایسی مثالیں قائم کردیں جو تمام صوبوں کے مسلمانوں کے لئے عملی دلیل و حجت کا کام دے سکیں۔ لیکن صوبۂ سرحد نے سب سے پہلی مثال جو قائم کرنی چاہی وہ یہ کہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کے مطالبات کا معاملہ درہم برہم کر دیا اور اردو کی مخالفت میں جو کام اردو کے سخت سے سخت مخالف صوبے بھی نہیں کر سکتے تھے وہ اس اسلامی صوبے نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ انجام دے دیا۔ سب سے زیادہ رنج و قلق کی بات جو سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام اخبارات نے بلا استثنا اس کی حمایت کی، اور پنجاب کی تمام اردو پرست انجمنوں نے تجویزیں پاس کر دیں۔ کسی نے بھی غور کرنا ضروری نہیں سمجھا کہ یہ فی الحقیقت اردو کی حمایت ہو رہی یا اس کی تباہی کا سبب سے

گو مشتِ خاکِ ما ہم بر باد رفتہ باشد

غالباً "دراسات اللبیب" دہلی میں بھی نہیں ہے۔

شیخ مبارک علی صاحب کے حساب کے بارے میں لکھ چکا ہوں، امید ہے خط مل گیا ہوگا۔

"غالب" کے لئے انشاء اللہ ضرور وقت نکالوں گا۔ جس وقت مطالعہ کیا، اگر اسی وقت لکھتا جاتا تو پورا مواد قلم بند ہو جاتا۔ اس وقت خیال نہیں کیا۔ بہ ہر حال کوئی نہ کوئی وقت نکال کر ضرور یہ کام انجام دے دوں گا۔

مولوی رجب علی کی خود نوشتہ سوانح عمری کی نقل اگر نہیں دینا چاہتے تو کم از کم ان کی ملازمت و مشغولیت کے ضروری حالات ہی ملخص کر کے دے دیں۔ یعنی جو حالات ظاہر نہیں کرنا چاہتے، چھوڑ دیں، باقی قلم بند کرا کے دے دیں۔ اگر ممکن ہو تو اس کی کوشش کیجئے۔ جو صاحب قلم بند کریں گے، اگر وہ چاہیں تو نقل و کتابت کے مصارف لے لیں۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۵۸)

کلکتہ

۶۔ فروری ۱۹۳۷ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ اس بات سے طبیعت کو نہایت خوشی ہوئی کہ آپ نے اردو سرکلر کی اصل نوعیت محسوس کر لی۔ حق پسند طبائع کا یہی شیوہ ہونا چاہیئے: حبب

کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اس لئے خاموش ہو کر رہ گئے۔ اب معلوم ہوا سے سرے سے اردو ہی کو اوڑا دینا چاہتے ہیں اور پشتو کے مناقب وفضائل ورد زبان ہیں:۔

بہار میں سالہا سال سے کوشش کی جارہی ہے کہ ناگری رسم الخط کے سوا اور کسی خط کا اعتراف نہ کیا جائے۔ دوبار اقدام ہو چکا ہے اور محض کانگریس کی مداخلت سے رکا ہے۔ اب صوبہ سرحد کی اس حماقت نے از سر نو دروازہ کھول دیا۔ چند دنوں کے بعد دیکھ لیجئے گا، وہی زبان، وہی دلیل، وہی منطق کام میں لائی جائے گی، جب یہ تمام مسلمانوں کی تائید وتوثیق کی مہر لگ چکی ہے:۔

اگر فی الحقیقت ڈاکٹر خان یا وہاں کی کوئی جماعت ایسا کر سکتی ہے کہ اس فتنہ انگیز سرکلر کو منسوخ کردے تو عزیز من! یہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہیں ہوگی بلکہ ایک نہایت ضروری خدمت ہوگی جو سرحد کی کوئی جماعت انجام دے سکتی ہے:۔

یقیناً آپ لوگوں نے اس کی حمایت یہی سمجھ کر کی ہے کہ اردو اور مسلمان کے مقاصد کی حمایت کر رہے ہیں، لیکن کیا معاملہ کا یہ پہلو قابل غور نہیں ہے کہ حمایت کا ولولہ کس طرح ہم سے تخریب ومخالفت کا کام کرا رہا ہے؟ اگر مسلمانوں کی رائے عامہ اس سانچے میں ڈھالی جائے گی تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ کس طرح لوگ خود اپنے ہاتھوں سے اپنا مستقبل خطرہ میں ڈالنے لگیں گے؟ افسوس کہ ڈال رہے ہیں، ہر گوشے اور ہر میدان میں!

امید ہے خلاف معمول، میری یہ دراز نفسی آپ پر شاق نہیں گزرے گی۔ اگر آپ کی محبت متقاضی نہ ہوتی تو کبھی یہ قصہ نہ چھیڑتا۔ مقصود یہ نہیں ہے کہ کسی خاص مسلک یا گروہ کی حمایت کی جائے یا مخالفت کی جائے۔ صرف اس حقیقت پر توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہر مسئلے کو خود اس مسئلے میں دیکھنا چاہیئے۔ یہ نہیں کرنا چاہیئے کہ حزبی مخالفت کی رو میں بہتے جائیں اور جو چیز سامنے آئے اسے بہاتے ہوئے لے جائیں:

بنیاد ہی الٹ دی ہے۔ اس وقت اگر مسلمانوں نے احتجاج کیا تو یہ احتجاج کچھ سود مند نہ ہوگا کیونکہ سرحد کے طرزِ عمل کی عام طور پر تحسین و تائید کی جا چکی ہے۔ پس جس قدر جلد ممکن ہو، اس فتنہ کا سدِ باب کرنا چاہیئے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ بروقت انسداد ہو جائے اور ہندو سکھ ایجی ٹیشن نے اس کا بہتر موقعہ بہم پہنچا دیا تھا لیکن افسوس ہے کہ صاحبزادہ عبدالقیوم پریشان حال ہو کر رہ گئے[1]

ابوالکلام

---

(۵۹)

کلکتہ

۲۶۔ فروری ۱۹۳۷ء

عزیزی۔

خط پہنچا۔ اس سعی و فکر کے لئے شکر گذار ہوں مگر اب دراسات کی ضرورت نہ رہی امرت سر سے ایک نسخہ مل گیا تھا اور کام نکل گیا۔

بنگال کا حال وہ نہیں جو آپ لوگ خیال کرتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کی راہ میں ساری دشواری ..... [2] کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے پیدا ہوئی ورنہ ایک طاقتور پارٹی بن سکتی تھی اور پوری طرح کامیاب ہو سکتی تھی۔

ابوالکلام

---

[1] دونوں مکتوب اتنے واضح ہیں کہ میرے لئے اصل معاملے کے متعلق بطور توضیح کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں [2] ایک مشہور مسلمان لیڈر کا نام میں نے حذف کر دینا مناسب سمجھا۔

اصل مقصود اردو کی حمایت ہے نہ کہ مخالفت، تو کیوں ایسے معاملات کی تائید کی جائے، جس نے اردو کے خلاف ایک نہایت سخت خطرے کا دروازہ کھول دیا ہے؟ اس سے کیا فائدہ کہ سرحد کے دو چار ہزار سکھوں یا پندرہ بیس ہزار ہندوؤں کے اسکولوں کی اعانت روک دی گئی جہاں گورمکھی یا ناگری رسم الخط کی تعلیم ہوتی تھی۔ جبکہ تمام ہندوستان کے طول و عرض میں کروڑوں مسلمانوں کے اسکولوں کی اعانت رک جا سکتی ہے جہاں اردو کی تعلیم دی جارہی ہے اور جن کا مستقبل اس پر موقوف ہے کہ مزید اعانت کا سروسامان ہو؟

اگر سرحد کے سکھوں کو یہ اعانت نہ ملی تو ان کا کوئی نقصان نہ ہوگا، کیونکہ ان کے لکھنے پڑھنے کی زبان قطعاً اردو ہے اور وہ محض اپنے مذہبی علاقے کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو گورمکھی سے آشنا رکھنا چاہتے ہیں۔ علاوہ بریں خوش حال ہیں۔ اگر سرکاری اعانت نہیں ملے گی جب بھی اسکول جاری رکھیں گے۔ لیکن بنگال، بہار، یوپی، بمبئی، سی پی، مدراس، آسام اور کٹک میں نو لاکھوں مسلمان ہیں جن کے لکھنے پڑھنے کی زبان ہی اردو ہے اور جن کی اقتصادی حالت اس درجہ گری ہوئی ہے کہ بغیر سرکاری اعانت کے ایک اسکول بھی نہیں چلا سکتے۔

صاحبزادہ عبدالقیوم نے لکھا تھا کہ چالیس ہزار روپیہ سالانہ اس میں خرچ ہو جاتا تھا۔ جو اب بچ جائے گا۔ خیال کیجئے کیا اچھا سودا چکایا گیا ہے؟ محض اس لئے کہ چالیس ہزار روپیہ سرحد میں بچ جائے۔ یہ صورت حال گوارا کرلی گئی کہ لاکھوں روپیہ جو لاکھوں انسانوں کے لئے تمام ملک میں خرچ ہو رہا ہے، یک قلم بند کر دیا جائے!

یہ سرکلر جاری کیا جاتا یا نہ کیا جاتا، لیکن اردو رسم الخط سرحد کا تعلیمی اور سرکاری رسم الخط ہے۔ اس حقیقت کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ پس اس سرکلر نے سرحد میں تو اردو کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ لیکن تمام ہندوستان میں اس کے لئے عالمگیر فتنہ پیدا کر دیا!

سخت اندیشہ ہے کہ تمام صوبے یہ ہتھیار اردو کے خلاف کام لائیں گے۔ صرف اردو ہی کے معاملہ میں نہیں بلکہ اقلیت اور اکثریت کے تمام معاملوں میں، کیونکہ اس فتنے نے ساری

چند دنوں کے اندر واپس کر دوں گا اور آپ کا مقصود پوری طرح حاصل ہو جائے گا۔

والسلام علیکم۔ ابوالکلام۔

ہاں یہ آپ کے.. [1] نے تو حد کر دی میں نے تیس سال کی پبلک لائف میں بے شمار دروغ بافیاں دیکھی ہیں خصوصاً کانگرس کی مخالفت کے سلسلے میں، لیکن جھوٹ بولنے کی ایسی بے باکانہ جرأت، جیسی اس شخص نے دکھائی ہے، شاید ہی کسی نے دکھائی ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو کوئی بات ایک خاص حد تک یا ایک خاص شکل میں کی جاتی ہے اور مخالف اس کا سراغ پاکر اسے بہت بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے لگتا ہے، لیکن یہ بات کہ ایک از سرتا پا کذب خالص و بحت خود اپنے جی سے گڑھا جائے اور اسے پوری ڈھٹائی کے ساتھ کسی پارٹی کا ذمہ دار عہدہ دار اخبارات میں شائع کرے، ایک ایسی صورت حال ہے جس کے بعد اخلاق و شرافت میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہتی۔

میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں، میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کا ممبر ہوں۔ یہ شخص کہتا ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے پنجاب کے مسلمانوں میں کام کرنے کے لئے ڈھائی لاکھ کی رقم منظور کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پنجاب کے لئے کسی رقم کا نکالنا ایک طرف رہا۔ دو سال سے ورکنگ کمیٹی کے کسی جلسے میں پنجاب کا نام تک نہیں آیا۔ اب بتلایئے ایسی حالت میں میرے دل پر جو اثر پڑ سکتا ہے، وہ کیا ہوگا؟ کیا ایک لمحے کے لئے میں ایسے لوگوں کیلئے کوئی حسن ظن رکھ سکتا ہوں؟ پچھلی ورکنگ کمیٹی کے موقع پر صوبوں کے پارٹی لیڈر بھی بلائے گئے تھے اور انھیں بھی شرکت کا موقع دیا گیا تھا۔ لاہور سے ڈاکٹر گوپی چند آئے تھے، انھیں بھی شرکت کا موقع ملتا رہا۔ اب غور کیجئے کم از کم ان تمام لوگوں کے دلوں پر کیا اثر پڑا ہوگا؟ وہ اپنے جی میں کیا کہتے ہوں گے؟ یقیناً یہی کہتے ہوں گے کہ ان لوگوں کو صریح جھوٹ

---

[1] پنجاب کا ایک مشہور لیڈر، جو اب فوت ہو چکا ہے۔ یہ نے نام دانستہ حذف کر دیا۔

(۶۰)

کلکتہ

۲۴ر مئی ۱۹۳۷ء

عزیزی ۔

میں ایک دن الہ آباد میں اور ٹھہر گیا تھا۔ پھر طبیعت کو کسی قدر سکون ہوگیا اور کلکتہ چلا آیا اب یہاں وہ تار ملے جو میری روانگی کے بعد الہ آباد پہنچے تھے۔ ان میں آپ کا تار بھی نکلا۔ اس پرسش کیلئے شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے[1]

مبارک علی صاحب نے اب تک حساب نہیں بھیجا ۔

میں پچھلے دنوں دہلی میں ایک ہفتہ تک ٹھہرا۔ اطراف کے اکثر احباب ملنے کے لئے آ گئے اگر آپ بھی آجاتے اور کتاب ساتھ لے آتے تو شاید ایک ہی نشست میں کام انجام پا جاتا ۔[2] مجھے لکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن مخاطب موجود ہو تو بولنے میں سارا کام ہو جاتا ہے ۔ ایک صاحب کئی سال سے خط و کتابت کر رہے تھے کہ بخاری کے بعض ابواب کے تراجم کا معاملہ صاف کرلیں مگر مجھے مہلت تحریر نہیں ملتی تھی ۔ وہ دہلی آ گئے اور اسی مسجد میں صبح کی نماز پڑھنے لگے جو آصف علی صاحب کے مکان کے پاس ہے اور جہاں میں جانے لگا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہی صبح نے ان کا سارا کام پورا کر دیا ۔

بہرحال اب آپ یوں کیجیے کہ کتاب کا ایک نسخہ سادہ اوراق کے ساتھ بنوالیں۔ یعنی ہر دو ورق کے درمیان ایک سادہ کاغذ رکھ دیا جائے اس طرح کا نسخہ اگر آگیا تو میں انشاء اللہ

---

[1] مولانا کی علالت کی خبر ملی تھی اور میں نے مزاج پرسی کے لئے تار دیا تھا۔ [2] یہ "غالب" کا ذکر ہے کتاب یہ سادہ اوراق لگوا کر مولانا کے پاس بھیج دی تھی اور تین برس ان کے پاس رہی ۔

(۶۱)

کلکتہ

۲۹ر مئی ۱۹۳۷ء

عزیزی

خط پہونچا۔ آپ کا تار مجھے الہ آباد میں نہیں ملا تھا، کیونکہ روانہ ہو چکا تھا لیکن بعد کو مل گیا تھا۔ میں ایک خط لکھ چکا ہوں۔ غالباً اب پہنچ گیا ہوگا۔ میری طبیعت اب اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اخلاص و محبت کے لئے جزائے خیر دے۔ شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں[1]

پچھلے خط میں میں نے آپ کی کتاب کے لئے بھی ایک بات لکھی ہے، بنوا کر بھیج دیجئے۔ ۔ انشاء اللہ ضروری باتیں قلم بند ہو جائیں گی۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

(۶۲)

کلکتہ

۱۷ر جون ۱۹۳۷ء

عزیزی،

آپ کا خط مل گیا تھا لیکن بخار اور نزلہ کی شدت نے جواب کی مہلت نہ دی۔ اب کل

---

[1] تار کا جواب نہ ملا تو میں نے کلکتہ خط لکھا، یہ اس کا جواب ہے۔ مولانا کا گرامی نامہ میرے خط لکھنے سے دوسرے یا تیسرے دن مل گیا تھا۔

بولنے میں ذرا بھی عار نہیں۔

پھر جھوٹ بھی گڑھا تو کتنا بے معنی جس پر کانگرس کا ہر آدمی ہنس رہا ہے۔ اوّل تو ڈھائی لاکھ روپیہ اور پھر وہ بھی ان صوبوں کے لئے نہیں جہاں کانگرس کو اکثریت ملی ہے اور جہاں آئندہ بھی ...... الکشن پیش آسکتا ہے، بلکہ پنجاب شریف کے لئے جہاں نہ تو کانگرس کی اکثریت ہے اور نہ کوئی امکان ہے کہ اکثریت ہو۔ اور پھر جسے بنگال اور سندھ کے ساتھ گزشتہ سال میں خود کانگرس پالیمنٹری بورڈ کے دائرۂ جدوجہد سے یک قلم خارج کر چکا ہوں!

اور پھر یہ رقم کن حضرات کے ذریعے بانٹی جائیں گی؟ ڈاکٹر عالم کے ذریعے! ڈاکٹر عالم رو رہا ہے کہ کانگرس میں مجھے کوئی پوچھتا نہیں اور یہ ڈھائی لاکھ کی تھیلی اس کے حوالے کر رہے ہیں! پھر لطف یہ کہ "مولانا ابوالکلام پنجاب کا دورہ کریں گے" گویا مولانا ابوالکلام کو دین و دنیا کا کوئی کام باقی نہ رہا، بجز اس کے کہ پنجاب کا دورہ کریں اور وہ بھی اس لئے کہ وہاں کے ایمان فروشوں میں ڈھائی لاکھ کی خیرات تقسیم کر دی جائے!

اگر میری طبیعت کا وہ انداز ہوتا۔ جو اس وقت تھا جب "الہلال"[1] نکلتا تھا تو یہ ایسا صریح کذب ہے کہ نہیں معلوم کسی عالم بیان میں میرے قلم سے کس درجہ سخت الفاظ اس شخص کی نسبت نکل جاتے لیکن اب میرا حال دوسرا ہے۔ کوئی شخص کتنے ہی قبیح فعل کا مرتکب ہو میں یقین کیجیا تھا اُسے پبلک میں برا کہنا پسند نہیں کرتا۔ ہمیشہ ایسے موقعوں پر خود اپنا نفس اپنے سامنے آجاتا ہے۔ میں چونک اٹھتا ہوں کہ اگر برا ہی کہنا ہے تو خود اپنے نفس کو برا کیوں نہ کہوں؟ اس سے زیادہ برائی اور کس میں ہوگی؟ بہادر شاہ کا ایک سیدھا سادا شعر ہے جس میں شعریت کی کوئی بات نہیں لیکن میرے دل پر نقش ہو گیا ہے۔

نہ تھی اپنی برائی پہ جب کہ نظر، تو نظر میں برا تھا ہر ایک بشر
پڑی اپنی برائی پہ جب سے نظر، تو نظر میں کوئی بھی برا نہ رہا

---

[1] یقیناً "الہلال" کے ابتدائی دور میں مولانا کی طبیعت بہت جلالی تھی۔ پھر اتنی بدلی کہ اس پر حیرت ہوتی تھی

کیا آپ سمجھتے ہیں، میں ایک لمحہ کیلئے کسی ایسے ادارہ میں رہنے کا ننگ گوارہ کرسکتا ہوں جس کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی میرے علم سے باہر ہو؟ صرف یہی ایک بات اس کے لئے کافی ہے کہ آپ لوگ کس درجہ ناواقفیت اور غلط اندیشی کے تصورات میں غور وخوض کرتے رہتے ہیں۔

آپ نے ڈاکٹر ..... کے اخبار نکالنے کا واقعہ لکھا ہے، حالانکہ اس سے کانگرس کا کوئی تعلق نہیں، اصلیت بالکل دوسری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پنڈت موتی لال نہرو سے استدعا کی تھی کہ روپیہ کا انتظام ہو تو وہ ایک اخبار نکالیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے پہلے لیت ولعل کا طریقہ اختیار کیا، پھر انکار کر دیا۔ اس معاملہ کا ذکر دہلی میں خود ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے کیا تھا اور میں نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ اس سعی سے باز آئیں کیونکہ اوّل دن سے میرا یہ یقین رہا ہے کہ اس طرح کے اخبارات نکالنے سے کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا اور اصولاً یہ چیز بالکل غلط ہے ہاں اگر کوئی شخص کسی جماعت کی جانب سے اخبار نکالے اور علانیہ اسے جماعت کی طرف منسوب کرے، تو ہرگز قابل اعتراض نہیں، لیکن پوشیدہ اعانت لے کر نکالنا اور بہ صورت اعتراض اس سے تبرّی کرنا کسی طرح بھی اصولاً برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت تو خاموش رہ گئے لیکن بعد کو انھوں نے پنڈت مدن موہن مالویہ سے ذکر کیا اور مجھے ایک صاحب سے جو کچھ عرصہ بعد کلکتہ آئے تھے، معلوم ہوا کہ کچھ روپیہ دیا گیا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد اخبار نکلا اور میں سمجھ گیا کہ اسی رقم سے نکلا ہوگا۔ پس نہ تو کانگرس کا اس سے کوئی تعلق تھا، نہ کانگرس سے وابستہ شخص کا، نہ اس کمیٹی کا جو عارضی طور پر نہرو رپورٹ کیلئے بنی تھی محض ذاتی طور پر پنڈت مالویا نے کسی سے انتظام کرا کے رقم دے دی تھی

آپ لکھتے ہیں کہ کئی شخصوں کی نسبت آپ کو معلوم ہے کہ وہ کانگرس میں کام کرتے تھے اور انھیں تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن اس سے کسے انکار رہے؟ جو آدمی کام کریں گے، وہ اگر محتاج ہیں تو کیوں قابل اعتراض ہو؟ ساری بحث تو اس میں ہے کہ کیا مسلمانوں کی رائے خریدنے کے لئے کانگرس فنڈ سے کوئی پوشیدہ رقم خرچ کی گئی ہے؟

سے اضافہ ہے۔

کتاب بھی پہنچ گئی۔ انشاء اللہ جلد از جلد ضروری اشارات قلم بند کرکے واپس بھیج دوں گا آپ نے ... [1] کے معاملہ میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے اس خیال کی پوری پوری تصدیق ہوگئی کہ آپ لوگ کانگرس کے اندرونی حالات سے کس درجہ ناواقف ہیں اور کس طرح ایک بالکل متضاد تصورات کی دنیا میں کام کر رہے ہیں۔

آپ لکھتے ہیں .... [2] کا ذریعہ علم معلوم نہیں لیکن سب سے پہلے یہ بات مولوی ظفر علی صاحب نے کہی تھی۔ میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ مولوی ظفر علی صاحب نے بات سنائی تھی اس لئے روایت کی سند زیادہ قوی ہوگئی؟ اس سے بھی زیادہ ناقابل فہم اس واقعہ سے استدلال ہے کہ سید .... نے حصول زر کی کوشش کی تھی، سید پر کیا موقوف ہے، نہیں معلوم یہ کہانی سن کر کتنوں کے منہ میں پانی بھر آیا ہوگا میں صرف لاہور کے چھ سات خط دیکھ چکا ہوں، جو اس کہانی کی اشاعت کے بعد الٰہ آباد بھیجے گئے ہیں۔ پھر اس سے یہ کہاں ثابت ہوگیا کہ کہانی کی کوئی اصلیت ہے۔ میرے دل کا اصلی داغ تو یہی ہے کہ اس طرح کی دروغ بافیوں کا لوگوں پر بالکل الٹا اثر پڑتا ہے۔ وہ متنغص نہیں ہوتے بلکہ خوش ہوتے ہیں کہ کھانے پینے کی ایک نئی راہ نکل آئی

آپ نے میرے بیان کی صداقت کا تحفظ کرتے ہوئے جو وجہ تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اس کا اعتراف کرتا ہوں [3] لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔ آپ لکھتے ہیں غالباً ان معاملات کے لئے کانگرس کا کوئی علیحدہ اور پوشیدہ صیغہ ہے جس کا مجھے علم نہیں۔ عزیز من!

---

[1] وہی پنجابی ایڈیٹر جس کے بیان کا ذکر زیر بحث ہے میں نے ذرائع معلومات بیان کئے تھے۔ [2] ایضاً

[3] میں نے عرض کیا تھا کہ ممکن ہے روپے دینے والا ادارہ کانگرس ورکنگ کمیٹی سے بالکل الگ ہو اور آپ کو ان واقعات کا علم نہ ہو۔

سکتے؟ ہاں یہ ضروری تھا کہ اس طرح کے طرز عمل کی جرأت افزائی نہ کی جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا اور اندرونی حالات آپ کو معلوم نہیں۔

آپ لکھتے ہیں "کانگرس سے آپ کی وابستگی کی کوئی تُک سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کوئی نہ کوئی بات ہوگی، جو میری سمجھ میں نہیں آتی" عزیز من! اگر آپ کو عقائد وافکار کی اس دنیا سے، جس میں میں تیس سال سے زندگی بسر کر رہا ہوں اس درجہ بُعد ہوگیا ہے کہ آپ میرے کانگرس میں ہونے کی کوئی وجہ نہیں محسوس کر سکتے تو میرے لئے ناممکن ہے کہ کوئی وجہ آپ کو بتلا سکوں۔

اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما۔

مجھے معلوم نہیں آپ میرے خطوط رکھتے ہیں یا ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہرحال یہ خط کہیں سنبھال کر رکھ دیجئے۔ میری زندگی کا بڑا حصہ گزر چکا۔ جو باقی ہے وہ بہت کم ہے ممکن ہے کہ میں اس وقت تک نہ رہوں، لیکن یہ سطور باقی رہ سکتی ہیں۔ ایک وقت عنقریب آئے گا اور وہ میری "وابستگی" کی علت آشکار کر دے گا[1]

مولوی ظفر علی صاحب کو میں نے خط اس لئے لکھا تھا کہ مجھے شبہ ہوا ڈاکٹر ستیہ پال نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے صحیح ہے یا غلط[2] انھوں نے مجھ سے اس معاملہ کا ذکر کیا تو میں نے سخت سرزنش کی کہ ان بائی الکشنوں میں دلچسپی لینے اور معرکہ آرائی کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ مولوی ظفر علی اگر چلے گئے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟ عبدالعزیز چلے گئے

---

[1] مولانا آج اس دنیا میں نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ سطریں محفوظ رہ گئیں [2] مولانا ظفر علی خاں مرحوم مرکزی اسمبلی کے ضمنی انتخاب میں امیدوار بنے تھے اور میاں عبدالعزیز (جن کا انتقال جوانی ہی میں ہوگیا) مولانا کے مقابلے پر تھے کانگرس میاں عبدالعزیز کی حامی تھی میں نے عرض کیا تھا کہ اس قسم کی کشمکشیں پیدا کر کے کانگرس مسلمانوں میں ہر دلعزیز نہیں ہو سکتی۔

ایک اور بات بھی یاد رکھیئے۔ کانگرس ایک بہت بڑا نظام ہے تمام صوبوں، ضلعوں، دیہاتوں میں پھیلا ہوا۔ ہزاروں آدمی ہر سال اس میں منتخب ہوتے ہیں اور لاکھوں ممبر بنتے ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہر صوبے اور ہر مقام پر کانگرس کے عہدہ دار جو کچھ کرتے رہتے ہیں، وہ ٹھیک ٹھیک کانگرس کے مرکزی نظام و اصول کے مطابق ہوتا ہے۔ میرے علم میں خود ایک دو واقعات تحریکات کے زمانے میں آئے کہ بعض مقامات میں مسلمان والنٹیر نہ بھرتی کرنے کیلئے علیحدہ انتظامات کیئے گئے تھے اور کوئی رقم علیحدہ خرچ کی جاتی تھی۔ بمجرد علم میں نے انھیں سختی سے روک دیا اور ایک مقام کیلئے تحقیقات کی کمیٹی بھی بنا دی۔ بہت ممکن ہے کہ کسی مقام پر کوئی چھوٹی موٹی رقم کسی نے اس لیئے خرچ کردی ہو کہ چند مسلمان کو ساتھ لے لیں لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ کانگرس کا مرکزی نظام کوئی اس طرح کا مصرف جائز رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اس نے ایک لمحہ کیلئے بھی کوئی ایسی رقم منظور کی ہے یا نہیں؟ میرا جواب ہے کہ نہیں اور الحمدللہ کذب و دروغ بافی میرا اشعار نہیں۔

آپ نے پنجاب کانگرس کمیٹی کا ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کئی سال سے پنجاب میں کانگرس کا کوئی حقیقی حلقہ ہے ہی نہیں۔ یہی حال بنگال کا ہے۔ چند در چند وجوہ سے آج تک دونوں کی درستگی نہیں ہو سکی، لیکن اس طرح کے نقائص ایک وسیع اور جمہوری اداسے میں ہوا ہی کرتے ہیں۔ آپ لوگوں کا یہ حال ہے کہ "پرتاپ" سے لیکر ستیہ پال اور گوپی چند تک ہر چیز سرتا سر کانگرس ہے!

آپ لکھتے ہیں کہ پنجاب کے کانگرسی، مسلمانوں کے انتخاب کے بارے میں غلطیاں کرتے ہیں۔ لیکن پنجاب میں کانگرسی مسلمان ہے کون؟ اور کانگرس کا مرکزی نظام اس کے سوا کیا کر سکتا ہے جو کرتا رہا ہے؟ ڈاکٹر عالم ورکنگ کمیٹی کے ممبر بنائے گئے تھے، لیکن بعد کو علیحدہ کردیئے گئے۔ اس سے زیادہ کانگرس کیا کر سکتی تھی؟ پھر اچانک شہید گنج سے اوڑ کر وہ کانگرس میں پہنچ گئے۔ اب کانگرس کیا کرتی؟ کیا ایک اعلان نکالتی کہ وہ کانگرس کے ممبر نہیں بن

ہے اب تکمیل نظر میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔

"ترجمان القرآن" جلد سوم منشی عبدالقیوم لکھ رہے ہیں، جنھوں نے جلد دوم لکھی ہے
طباعت کے لئے کوئی خاص صورت سامنے نہیں آئی۔ ویسے، "مدینہ پریس" ہی کا خیال تھا
الا یہ کہ آپ کوئی دوسری صورت تجویز کریں۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۶۴)

۱۹۔اے، بالی گنج، سرکلر روڈ کلکتہ
۹۔اگست ۱۹۳۶ء

عزیزی۔

خط پہنچا۔ بغیر اس کے کہ مجھے علم ہو، میں نے بنوں کانفرنس کی صدارت بھی منظور کر لی اور اس سلسلے میں پنجاب کا دورہ بھی محقق ہو گیا۔ چونکہ بنوں جانے کے لئے دہلی، انبالہ، لدھیانہ، جالندھر، امرتسر، لاہور، وزیرآباد، راولپنڈی، کیمل پور وغیرہ سے گذرنا ناگزیر ہے اس لئے ان مقامات سے اقامت و پذیرائی کے دعوت نامے بھی آگئے! ان میں یہ نہیں پوچھا جاتا کہ میں بنوں جاتا بھی ہوں یا نہیں۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ کس تاریخ کو وہاں سے گذروں گا؟ کہیے اس کا کیا جواب دوں ہے؟

ہندوستان میں ذمہ داری کا احساس ویسے بھی معدوم ہے، لیکن دو معاملے تو قطعاً مستثنیٰ سمجھ لئے گئے ہیں، الکشن اور کانفرنسیں۔ جب کبھی کوئی کانفرنس منعقد کرنی چاہتا ہے

لے میں نے بعض صورتیں تجویز کی تھیں لیکن مولانا کی سیاسی مصروفیتیں انھیں کچھ سوچنے اور فیصلہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی تھیں۔

چلے گئے تو کون سی جیت ہو جائے گی؟ پہلے علامہ ہو گیا ہو گئے تھے تو کونسا انقلاب رونما ہو گیا تھا؟ علاوہ بریں کسی ایک انتخاب کی کامیابی وناکامی سے صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا پھر اگر ایسا ہی تھا تو خود ظفر علی خاں صاحب سے کیوں نہیں کہا گیا کہ وہ کانگرس کا ٹکٹ منظور کر لیں؟ اس پر انھوں نے کہا کہ وہ انھیں یہ بات کہہ چکے ہیں لیکن وہ منظور نہیں کرتے۔ بہر حال میں نے اس معاملہ میں دلچسپی لینے سے انکار کر دیا اور وہ چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد دوسرے دن مجھے خیال ہوا کہ معلوم نہیں ان کا بیان صحیح تھا یا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دولت مند امیدوار کو کھڑا کر کے ہنگامہ آرائی کرانا مقصود ہو اور مولوی ظفر علی صاحب کو موقعہ نہ دیا گیا ہو۔ بہتر ہے کہ میں براہ راست اس بارے میں انھیں لکھ دوں۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی عبدالقادر صاحب کو خط لکھا تھا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

---

(۶۴)

برلنگٹن ہوٹل، لکھنؤ

۱۳ر جولائی ۱۹۳۶ء

عزیزی

کلکتہ میں ڈاک دیکھ لی تھی، لیکن جواب لکھنے کی مہلت نہیں ملی، کیونکہ اسی دن لکھنؤ کے لئے روانہ ہو جانا پڑا۔ آپ کی کتاب سفر میں رکھ لی تھی اور اب بھی ساتھ ہے جب کبھی مہلت ملتی ہے نظر ڈال لیتا ہوں اور کچھ نہ کچھ لکھ بھی دیتا ہوں۔ امید

مجھے سفر میں زکام ہو گیا تھا۔ کئی سال سے یہ شکایت میرے لئے بڑی ہی سخت شکایت ہو گئی ہے۔ اس وقت تک مبتلا ہوں۔ سر جکڑا ہوا ہے۔ بالکل معطل ہو رہا ہوں

والسلام علیکم۔

ابو الکلام

---

(۶۵)

۱۹۔ اے، بالی گنج سرکلر روڈ۔ کلکتہ

۲۷ر اگست ۱۹۳۷ء

عزیزی،

بالآخر پشاور یا ایبٹ آباد کے لئے وقت نکالنا پڑا۔ صحت ساتھ نہیں دیتی مگر حالات کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ میں اس سفر میں ایا باً و ذہاباً پشاور کے سوا اور کہیں رک نہیں سکتا اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ لاہور ٹھہر سکوں لیکن لاہور اسٹیشن پر ڈیڑھ گھنٹے کی مہلت نکل آئے گی۔ آپ اگر آجائیں تو ملاقات ہو جائے۔

میں ۲۹ر کو پنجاب میل سے روانہ ہوں گا۔ ۱۳ کی صبح کچھ بجکر پچاس منٹ پر لاہور پہنچے گا اور پھر ساڑھے آٹھ بجے پشاور کی ٹرین روانہ ہو گی[1]

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ابو الکلام

---

[1] اس موقع پر مولانا کے کمپارٹمنٹ ہی میں بہ اطمینان باتوں کا موقع مل گیا۔ دوسرے اصحاب بھی خاصی تعداد میں آئے ہوئے تھے لیکن مولانا نے ان سے جلد فارغ ہو کر خاصا وقت نکال لیا۔

تو اس کی ضرورت بالکل محسوس نہیں کرتا کہ مجوزہ شرکاء کی منظوری حاصل کر لی جائے صرف یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ گرم بازاری کیلئے کن کن ناموں کا اعلان کر دینا ضروری ہے اور پھر بلا تامل ایک مکمل فہرست شائع کر دی جاتی ہے۔ میں تو اس صورت حال سے اس درجہ عاجز آگیا ہوں کہ کئی بار ارادہ کیا۔ اعلان کر دوں جب کسی کانفرنس میں میری شرکت یا صدارت کا اعلان اخباروں میں نظر آئے تو سمجھ لیا جائے قطعاً بے اصل ہے۔ جس طرح فقہا کہتے ہیں اصل اباحت ہے الّا یہ کہ حرمت ثابت ہو جائے۔ اسی طرح اس بارے میں اصل عدم شرکت ہے الّا یہ کہ شرکت کے لئے کوئی نصّ ظاہر و قطعی الدّلالۃ ثابت ہو جائے۔

مجھے اس کانفرنس کا حال کچھ معلوم نہ تھا۔ کلکتہ پہنچ کر ڈاک دیکھی تو ایک خط ملا۔ پھر تار آیا۔ میں نے لکھ دیا کہ بحالت موجودہ میری شرکت تقریباً ناممکن ہے۔ میں کسی طرح بھی اس سفر کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔

لیکن بہرحال آپ کی دعوت محبت کا شکر گزار ہوں۔ مجھے فرض کر لینے دیجئے کہ بنوں جاتے ہوئے لاہور سے گزرا اور ایک دن کے لئے رک گیا۔ آپ کو میرے "رسمی قیام" کا جو اندیشہ تھا، وہ پیش نہ آیا۔ میں "غیر رسمی" طور پر آپ کے یہاں ٹھہرا اور آپ کی مہمان نوازی سے خوش وقت ہوا۔

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کر دی

خیر اب نہیں تو پھر کبھی سہی۔ اس سودائے نقد کو اب معاملۂ قرض سمجھیئے۔ آپ محبت و اخلاص کے مقروض بنتے ہیں تو مجھے قرض وصول کرنے میں کبھی تامل نہ ہوگا[۱]

---

[۱] اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ مولانا بنوں کانفرنس کی صدارت فرمائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ بنوں جاتے ہوئے ایک دن کے لئے لاہور ٹھہر جائیے گا اور یہاں کا قیام "رسمی" نہیں بلکہ "غیر رسمی" ہو تاکہ خلوت میں بہ اطمینان باتیں کرنے کا موقع ملے کانگرس کی مشغولیتیں اس میں خلل انداز نہ ہو سکیں۔

(۶۸)

۱۹/اے، بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ

۲۷ ستمبر ۱۹۳۰ء

عزیزی ۔

روپیہ کلکتہ سے نہیں لکھنؤ سے بھیجا گیا تھا۔ مجھے خیال ہوا اگر آپ نے چیک براہ راست بینک سے بھنانا چاہا تو ممکن ہے وہ کلکتہ کی تصدیق کے بعد روپیہ دیں اور اس طرح ایک ہفتہ کی دیر ہو جائے، چونکہ روپیہ ایک دوسرا چیک دے کر لکھنؤ میں لے لیا تھا اس لئے بھیج دیا گیا[1] غالب کے لئے چند دن اور توقف کیجئے۔

ٹیپو سلطان کی جس کتاب کا ذکر کیا تھا، تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ وہی کتاب ہے جس میں فرنچ قواعد جنگ کو فارسی میں منتقل کیا گیا ہے۔ یہ وکٹوریہ میموریل ہال کی چیزوں میں سے ہے لیکن نگرانی کلکتہ میوزیم کی ہے۔ اگر اس کی ضرورت ہو تو غالباً نقل حاصل کی جا سکتی ہے حیدر اور ٹیپو کے لئے جن انگریزی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، غالباً وہ آپ نے جمع کر لی ہوں گی۔ چارلس اسٹیورٹ کی "میموئرس آف حیدر علی اینڈ ہزسن"، کرنیل ہیلس کی "اے ریویو آف دی اوریجن اینڈ کنڈکٹ آف دی وار ویتھ ٹیپو" اور این آفیسر اِن دی ایسٹ انڈیا کمپنیز سروس کی "آتھینک میموئرز آف ٹیپو"۔ دوسری اور آخری جنگ کے زمانے ہی میں لکھی گئی تھیں اور کتب خانوں میں مل سکتی ہیں۔ ایک فرنچ افسر ایم۔ ایم ڈی۔ ال ٹی نے حیدر ۔۔ علی کے حالات ۱۷۸۳ء میں لکھے تھے اور لندن میں شائع کئے تھے۔

---

[1] مولانا کیلئے نئی ٹرین کا ٹکٹ ہم نے خریدا تھا وہ ہماری طرف سے ٹکٹ قبول فرمانے پر راضی نہ تھے اور جاتے ہوئے ہمیں ٹکٹ کے روپے کا چیک دے گئے اور بعد میں روپے بھی بھیج دیئے گویا دگنی رقم عطا فرمائی میں نے گلہ مندانہ عریضہ بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا

(۶۶)

ایبٹ آباد۔

۵ ستمبر ۱۹۳۷ء

عزیزی،

آپ کا تار مل گیا تھا۔ مگر خط نہیں ملا۔ جواب اس لئے فوراً نہیں بھیجا کہ روانگی کا وقت غیر معین تھا۔ بہت ممکن ہے تین چار دن کی ابھی مزید تاخیر ہو۔ بہرحال روانگی کی اطلاع بر وقت ضرور دے دوں گا[۱] والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۶۷)

تار کا ترجمہ (از "انقلاب") لاہور

کل کلکتہ میل میں لاہور سے گذر رہا ہوں[۲] ابوالکلام

---

[۱] مولانا سرحد تشریف لے گئے تھے اور قیام کی جو تخمینی مدت بتا گئے تھے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے تار بھی دیا اور عریضہ بھی بھیجا کہ سرحد سے روانگی کا وقت معلوم ہو جائے۔

[۲] یہ اطلاع مولانا نے کسی کو نہ دی تھی۔ میں اور سالک صاحب لاہور سے گوجرانوالہ پہنچ گئے اور وہاں سے مولانا کے ساتھ لاہور آئے یہاں مولوی محمد علی مرحوم قصوری اور مولوی محمود علی قصوری بھی موجود تھے۔ مولانا کو لاہور سے بذریعہ کلکتہ میل جانا تھا، وہ جا چکی تھی۔ دوسری کوئی ٹرین موجود نہ تھی۔ لیکن مولانا ایک رات کے لئے بھی رکنے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے کہ چند ضروری کام در پیش تھے۔ لہٰذا ایک اور ٹرین میں ان کے لئے نشست کا بند و بست کیا گیا اور وہ کوئی تین گھنٹے کے قیام کے بعد روانہ ہو گئے۔

کتابوں کا ذکر کرتے تھے لیکن بعد کو جب مجھے خیال ہوا اور ان کتابوں اور یادداشتوں کو دیکھنا چاہا تو انقلابِ حال نے سارا کارخانہ برہم کر دیا تھا۔ کوئی چیز بھی کسی کے قبضہ میں باقی نہیں رہی تھی۔ اب پرنس غلام محمدؒ کے خاندان میں صرف غلام حسین باقی ہیں۔ میں نے انھیں کہلایا ہے کہ اگر کوئی کتاب باقی ہو تو اس کا سراغ لگائیں۔

ملا فیروز نے جارج نامہ میں لڑائیوں کا حال نظم کیا ہے اور وہ میرے کتب خانے میں موجود ہے، لیکن وہ تمام تر انگریزی بیانات کی نقل ہے۔ تاریخی حیثیت سے لائق اعتنا نہیں البتہ اس سے یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ حیدر علی کی عظمت اور ٹیپو کی شجاعت کا عام طور پر اعتراف کیا جاتا تھا حتیٰ کہ جو نظم انگریزوں کی مداحی میں لکھی جا رہی تھی وہ بھی اس کی جھلک سے اپنے کو نہ بچا سکی۔

آپ نے "ترجمان القرآن" کے انگریزی ترجمہ کی نسبت گفتگو کی تھی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب نے جلد اوّل کا ایک حصّہ مرتب کر لیا ہے۔ میں نے ابھی اسے دیکھا نہیں انھوں نے کہا تھا کہ وہ ٹائپ کرا کے بھیج دیں گے تاکہ کوئی رائے قائم کی جا سکے۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی دوسرے صاحب یہ کام کرنا چاہتے ہیں، تو میں فاروقی صاحب کا ترجمہ اُن کے حوالے کر دے سکتا ہوں۔ نیز جلد اوّل بھی نظرِ ثانی کر کے بھیج دے سکتا ہوں۔

جن صاحب کا آپ نے ذکر کیا تھا کہ وہ انگریزی ترجمے کے لئے معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو میں "اُمّ القرآن" انھیں اشاعت کے لئے دے سکتا ہوں۔ یہ تفسیر فاتحہ مندرجہ "ترجمان القرآن" سے ایک مختلف چیز ہو گئی ہے۔ کیونکہ علاوہ مطالب کی تہذیب و توسیع کے متعدد مباحث بالکل نئے ہیں اور جن لوگوں کے پاس "ترجمان القرآن" ہے وہ بھی مجبور ہوں گے کہ اس کا معاملہ ضرور کریں۔ معاملے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ ایک ایڈیشن کے لئے معاملہ کر لیں، ایک یہ کہ دائمی حق اشاعت لے لیں۔ میں پہلے کو ترجیح دوں گا۔ لیکن دوسرے کے لئے بھی تیار ہو جاؤں گا۔ والسلام علیکم

پرنسپل غلام محمد نے اس کی نقل کلکتہ میں چھپوا کر غدر سے پہلے شائع کی تھی[1] حیدر علی کیلئے یہ سب سے بہتر کتاب ہے۔ ان کے علاوہ اس عہد کے سرکاری ڈسپیچوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے جو شائع ہو چکے ہیں۔ خصوصاً لارڈ کارنوالس" اور ولسیلی کے۔ والٹر ہملٹن کے ایسٹ انڈیا گزٹ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔ لفٹننٹ کرنیل مارک ویلکس کی "ہسٹری آف میسور" میں بھی حیدر اور ٹیپو کی جنگوں کی تفصیلات مل سکتی ہیں۔

فارسی کتابوں میں صرف تین کتابیں قابل اعتنا ہیں، لالہ کھیم نرائن کی "فتوحاتِ حیدری"، حسین علی کرمانی کی "نشانِ حیدری" اور مولوی عبدالرحیم کی "کارنامہ حیدری" پہلی دو کتابیں شائع نہیں ہوئیں لیکن مولوی عبدالرحیم کے پیش نظر تھیں۔ ان کا تمام ضروری حصہ انھوں نے اپنی کتاب میں لے لیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ نقل کر لیا ہے۔ اس میں حیدر علی کے خاندان کو عربی اور شاہی خاندان بنا دینے کے لئے جو کہانی لکھی ہے وہ یقیناً فرضی ہے لیکن عام حالات ضرور مستند سمجھنے چاہئیں۔

ٹیپو سلطان کے خاندان کے قبضے میں چند کتابیں اور بھی تھیں۔ یہ لوگ چونکہ والد مرحوم کے مرید تھے، اس لئے اکثر گھر میں آتے رہتے تھے اور بچپنے کی بات یاد ہے کہ کئی قلمی

---

[1] کھیم نرائن کی "فتوحاتِ حیدری" ابھی تک شائع نہیں ہوئی، "نشان حیدری" ۱۸۹۰ء میں چھپ چکی تھی ممکن ہے ایم۔ ڈی۔ ال۔ ٹی کی کتاب کا ترجمہ الگ بھی پرنس غلام محمد نے شائع کر دیا ہو، "کارنامہ حیدری" میں بھی یہ شامل ہے۔ یہ کتاب دراصل فرانسیسی میں لکھی گئی تھی۔ پھر اس کا ترجمہ انگریزی میں ہوا ۱۸۵۶ء میں حیدر علی کے حالات کے ساتھ ٹیپو سلطان کے حالات شامل کرکے اسے دوبارہ چھاپا گیا۔ پنجاب پبلک لائبریری میں دونوں نسخے موجود ہیں۔ میں اس زمانے میں "ٹیپو سلطان" پر کتاب لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا اور مولانا سے میں نے مآخذ کے متعلق استفسار کیا تھا بلکہ تین سو صفحے لکھ بھی لئے تھے۔

گون بنایا تھا۔ اور بطور یادگار کے میڈم KAMPAN کو دیا تھا، نیز ایک غیر معمولی قسم کا طوطا جو ٹیپو کا سفیر سلطان کے لئے قسطنطنیہ لے جا رہا تھا اور قاہرہ میں دیکھا گیا تھا پہلے کا حال میڈم مذکور نے اپنی یادداشت کے دیباچہ میں لکھا ہے اور دوسرے کا ذکر جبرتی کی تاریخ میں ہے۔ میڈم KAMPAN کی میموئرس کا انگریزی ترجمہ چھپ چکا ہے اور جبرتی کی "عجائب الاسفار" ابن خلکان کے حاشیہ پر ہے اور الگ بھی چھپ چکی ہے۔

پہلی سفارت کے ورود کا ذکر پرنسس دی لامیاں کے میموئرس میں بھی ملتا ہے۔ اس تقریب سے کہ سفرا کے ورود کے دربار میں وہ شریک نہ ہو سکی کیونکہ ڈافن چیچک میں مبتلا تھا اور یہ اس کی تیمارداری میں لگی تھی۔

کتاب دیکھے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ محض حافظے سے لکھ رہا ہوں۔ اسکے انگریزی ترجمے کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں اور بازار میں عام طور پر ملتے ہیں۔

"تحفۃ المجاہدین" سید زین العابدین شوستری نے مرتب کی تھی۔ غالباً یہ ان سفراء ایران میں سے تھا جو کریم خاندان ژند نے حیدر علی کے خط کے جواب کے ساتھ بھیجے تھے، لیکن میسور میں مقیم ہو گیا۔ یہ ترکی سے بھی واقف تھا۔ بہت سی مصطلحات اس نے ترکی اختیار کی ہیں۔

فرنچ میں کئی کتابیں حیدر علی اور ٹیپو کے حالات میں لکھی گئی ہیں، جن کا انگریزی ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ کسی ماہر سے اس بارے میں خط و کتابت کر لی جائے بہتر ہو گا کہ موسیو ژلیچر سے خط و کتابت کیجئے جو نیشنل لائبریری پیرس کے مہتمم ہیں۔

والسلام علیکم۔

ابوالکلام

سائلنٹ صاحب بھی اس سلام میں شریک ہیں۔

ابوالکلام

---

(۶۹)

کلکتہ

۳۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

عزیزی،

ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اس وقت خیال ہوا کہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے حالات لکھتے ہوئے وہ کتابیں بھی سامنے رکھنی چاہئیں جو بعض انگریز قیدیوں نے رہائی کے بعد لکھی تھیں۔ اس سلسلے میں تین تحریروں کا حوالہ دیا جاتا ہے جیمس برسٹو کی سرگزشت، کرنیل بیلی کے ایک آفیسر کا جرنل اور جیمس سکری (SCURRY) کی لائف۔

حال میں "ٹریولرز لائبریری" نے ان تینوں رسالوں کا ایک مجموعہ "کیپٹور آف ٹیپو" کے نام سے شائع کر دیا ہے اور عام طور پر فروخت ہو رہا ہے۔ اگر آپ نے یہ کتاب ابھی نہ لی ہو تو بہتر ہے کہ منگوا لیجئے۔

ان لوگوں نے قید و بند کے جو شدائد بیان کئے ہیں، انھیں احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہئے، خصوصاً سکری کے بیانات۔ بہرحال یہ دوسرا سوال ہے۔ سردست مقصود یہ ہے کہ موضوع کا خام مواد جمع کر لینا چاہئے۔

ضمناً ٹیپو سلطان کا ذکر فرنچ اور عربی کی بعض کتابوں میں بھی آگیا ہے اور میری نظر سے گزرا ہے مثلاً سفارت فرانس کا پیرس میں ورود، اور ڈھاکہ کی ململ کا تحفہ جس کا میری اینٹوانیٹ[۱] نے

---

[۱] لوئی شانز دہم، شاہ فرانس کی ملکہ ان مکاتیب سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر معاملے کے اطراف پر مولانا کی نظر کس درجہ وسیع تھی اور ایسی معلومات وہ عموماً قلم برداشتہ تحریر فرما دیتے تھے۔

(۷۱)

۲۷ نومبر ۱۹۳۷ء

عزیزی،

خط پہنچا، پچھلے خطوط بھی مل گئے تھے۔ جواب میں تاخیر ہو تو اسے تغافل پر محمول نہ کیجئے معذوری کا نتیجہ سمجھئے۔ ہر چند چاہتا ہوں کہ ایسا نہ ہو، لیکن حالات مجبور کر دیتے ہیں۔

مولوی خلیل احمد مرحوم کی کتابوں کا حال اس وقت معلوم نہ ہو سکا۔ غالب کے خطوط اگر ہوں گے تو انھیں میں ہوں گے۔ ایک صاحب رنگون گئے ہوئے ہیں۔ واپسی کا منتظر ہوں ممکن ہے انھیں کچھ حال معلوم ہو۔[۵۱]

تنظیم زکوٰۃ بذریعہ قانون سازی یا بہ نگرانی حکومت کا مسئلہ ابتداءً مجھے سہل معلوم ہوا تھا۔ لیکن جب غور کیا تو چند در چند دشواریاں سامنے آگئیں اور ابھی تک طبیعت مطمئن نہیں ہوتی ہے کہ اس کا نقشہ کیا ہو۔ بہر حال دماغ اس طرف سے غافل نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ عنقریب اس بارے میں کچھ لکھ سکوں۔[۵۲]

---

۵۱ میں مرزا غالب کے ان خطوط کی تلاش میں تھا جو سید فخر الدین حسین سخنؔ کے نام تھے اور جن کا ذکر پہلے آچکا تھا۔ جب نواب سید علی حسن خاں اور مرزا احمد عسکری کے ذریعہ سے کوئی سراغ نہ مل سکا تو مولانا سے عرض کیا کہ وہ خلیل احمد مرحوم کے متعلقین سے دریافت فرمائیں۔

۵۲ یہاں خیال تھا کہ تنظیم زکوٰۃ کے لئے حکومت کے ذریعے سے انتظام کیا جائے اور اس بارے میں مولانا سے عرض کیا تھا کہ کوئی مناسب پروگرام تجویز فرما دیں تاکہ اسے قانونی شکل دی جا سکے اس کا ذکر آگے بھی آیا ہے۔

(۷۰)

کلکتہ

۴ر اکتوبر ۱۹۳۷ء

عزیزی،

خط پہنچا، غالباً میں نے اس مضمون میں میڈم کامپان اور پرنسس دی لامبال کی یادداشتوں کا حوالہ دیا تھا۔ ان دونوں کا انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اور میرے پاس موجود ہے۔ میرا نسخہ فرانس کی خود نوشتہ سوانح عمریوں اور یادداشتوں کے ایک پورے سلسلے کا جزو ہے جو امریکہ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں سات آٹھ کتابیں آ گئی ہیں۔ لیکن یہ کتابیں الگ الگ بھی چھپی ہیں۔

لیکن ان میں حیدر علی اور ٹیپو کے بارے میں کوئی ایسا مواد نہیں مل سکتا جس کے لئے ان کا مطالعہ ضروری تصور کیا جائے۔ صرف ٹیپو کی سفارت کا ضمناً ذکر آ گیا ہے اور وہ بھی چند سطروں میں۔ البتہ میڈم کامپان نے اپنے دیباچے میں ہندوستانی ململ کے ایک گون کا ذکر کیا ہے، جو ٹیپو کے فرستادہ تحفہ سے میری انتوانیت (لوئس شانزدہم کی بیوی) نے بنوایا تھا اور اسے بطور یادگار کے دیا تھا۔ چونکہ ان دونوں کتابوں میں صرف اتنا ہی ذکر ہے اس لئے اگر آپ چاہیں گے تو نقل کرا کے بھیج دوں گا۔ البتہ دونوں کتابوں کے موضوع سے اگر دلچسپی ہو تو منگوا لیجئے۔ لاہور کے کتب خانوں میں بھی ضرور مل جائیں گی۔

باقی امور کے لئے دوسرے خط کا انتظار کیجئے۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

اس طرح کی معاملت کرلیں۔

۱۔ تمام نسخے وہ لے لیں گے۔

۲۔ کمیشن یا حصہ ان کا قرار پا جائے۔

۳۔ جب میں کتاب طباعت کے لئے دے دوں (اور وہ فوراً دے دی جائیگی) تو وہ اتنی رقم پیشگی دے دیں جو مصارف طباعت کے فوری مطالبے کے لئے نیز، میری بعض فوری ضروریات کے لئے کفالت کرے۔ بقیہ رقم تکمیل طباعت کے بعد وصول کی جائے گی۔

کیا کوئی ایسی صورت ممکن ہے؟ اگر ممکن ہو تو مطلع کیجئے۔ تفصیلات آپ پر چھوڑتا ہوں، کیونکہ اس طرح کے معاملات میں میں نے آپ کو وکیل مطلق قرار دے دیا ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ کتاب کو تین ماہ میں نکل جانا چاہیئے۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۷۲)

۲۹ دسمبر ۱۹۳۷ء

عزیزی،

خط پہنچا، بہ حالت موجودہ تنظیم زکوٰۃ کی صحیح صورت یہی ہے کہ بغیر قانون سازی اور مداخلت حکومت کے کوئی جماعتی نظام استوار ہو۔ بلاشبہ یہ راہ دور کی راہ معلوم ہوتی ہے اور قانون سازی کی راہ بظاہر اقرب ہے، لیکن غور کرتا ہوں تو دوسری راہ میں متعدد اصولی

ہاں مولوی ظفر اقبال صاحب[1] کلکتہ آئے۔ مجھ سے ملے اور اپنے اخلاص و محبت کا اثر دل پر چھوڑ گئے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ "ترجمان القرآن" کا ایک اڈیشن بین السطور ترجمہ اور حواشی کے ساتھ بہ طرز قدیم و مالوف شائع کیا جائے۔ میں بھی اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں اور عام طور پر لوگوں کو اس کی طلب بھی بہت ہے۔ ان کی یہ تجویز بھی تھی کہ طباعت کا اہتمام جدید طریقہ سے کیا جائے جس میں کتابت کا عکس محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور آیندہ اڈیشنوں کے لئے نئی کتابت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ انھوں نے صرف تجویز ہی پیش نہیں کی تھی بلکہ نگرانی و اہتمام کے لئے پوری آمادگی بھی ظاہر کی تھی۔ اگر مولوی صاحب موصوف اور آپ مشورے کے بعد ایک طریق کار ٹھہرا لیں، تو بلاشبہ یہ ایک ضروری کام ہے جو انجام پا جائے گا۔

کسی پچھلے خط میں آپ نے "ام القرآن" کی طباعت کے باب میں میرا خیال دریافت کیا تھا۔ اس کا حال یہ ہے کہ رائل سائز پر (یعنی عام کتابی سائز) اگر کتابت کرائی جائے تو کم و بیش تین سو صفحوں کی ضخامت ہو جائے گی۔ کاغذ عمدہ لگوایا جائے اور جلد بھی بندھوائی جائے تو کم از کم قیمت تین روپیہ قرار دی جا سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ ۸ روپے۔ تعداد طباعت پانچ ہزار سے کم نہیں ہونی چاہئے۔ اس صورت میں پندرہ ہزار مجموعی قیمت پڑے گی یا بصورت ۴ روپے ساڑھے سترہ ہزار۔ مسودہ بالکل تیار ہے۔ میں چاہتا ہوں، اس کی کتابت و طباعت کا لاہور میں انتظام ہو جائے، کیونکہ منشی عبدالقیوم تیسری جلد کی کتابت میں مشغول ہیں، لیکن میں بوجوہ اس صورت کو ترجیح دوں گا، اگر کوئی صاحب مجھ سے

---

[1] مولانا ظفر اقبال صاحب ایم، اے جو اس وقت محکمۂ تعلیم میں امتحانات کے رجسٹرار تھے، مطبوعہ پرچے چھپوانے کے لئے کلکتہ گئے تھے، تو وہاں مولانا سے بھی ملے تھے۔ اس معاملے کا مزید ذکر آگے آئے گا۔

(۷۳)

کلکتہ

۱۴؍ دسمبر ۱۹۳۷ء

عزیزی السلام علیکم

خط لکھ چکا تھا کہ آپ کا خط ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ میری کتابوں کی طبع و اشاعت میں اس قدر دلچسپی لیتے ہیں۔ حد ہو گئی کہ آپ آمادہ ہیں، ضرورت پڑے تو "ام القرآن" کے مصارف کا خود پیشگی انصرام کر دیں۔ مگر نہیں، اس کی بالکل ضرورت نہیں۔ میرا مقصود صرف یہ تھا کہ اگر کوئی صاحب تاجرانہ انتفاع کے خیال سے معاملت کر سکیں تو میں بوجوہ معاملت کر لوں گا۔ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ شخصاً آپ اپنے اوپر کوئی بوجھ ڈالیں، حاشا و کلا[1]۔

---

[1] میں نے دراصل یہ لکھا تھا کہ نہ مسودہ کسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیے اور نہ طباعت سے قبل کچھ رقم لے کر کوئی معاملہ کرنا مناسب ہو گا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں نے اس سلسلے میں رقم کی ذمہ داری اٹھا لینے پر آمادگی ظاہر کی تو مولانا اسے کبھی قبول نہ فرمائیں گے۔ لہٰذا اس انداز میں لکھا تھا کہ آپ مسودہ بھیج دیں، طباعت کا بھی انتظام ہو جائے گا اور آپ کی خدمت میں روپیہ بھیج دیا جائے گا لیکن کتاب تکمیل طباعت کے بعد ہی فروخت ہو گی۔ مولانا نے میری اس تحریر سے اصل حقیقت کا اندازہ فرما لیا اور انکار کر دیا۔ دراصل وہ اپنے معاملے کے لئے کسی کی بھی آمادگی خدمت قبول کر لینے پر راضی نہ ہوتے تھے، خواہ وہ ان کے نزدیک کتنا ہی عزیز تھا۔ ان کا طریقہ یہی تھا کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور خود کوئی بھی خدمت منظور نہ فرماتے تھے۔ ان کی کتابوں کی باقاعدہ اشاعت میں اس وجہ سے افسوسناک تاخیر بھی ہوئی جس میں خود ان کا بھی خاصا مالی نقصان ہوا اور دنیا علم و دین کے ان جواہر پاروں سے بقدر شوق فائدہ نہ اٹھا سکی جو مولانا کے سوا کوئی فرد نہ دے سکتا تھا، لیکن وہ اپنے طرز عمل میں خفیف سے تغیر پر بھی راضی نہ ہوتے۔

اور عملی اشکال حائل ہیں۔ اگر معاملہ سنجی کے بغیر کوئی اقدام کیا گیا تو ناکامی کا اندیشہ ہے۔ بہرحال اس بارے میں آیندہ لکھوں گا۔

"اُم القرآن" کا معاملہ یوں سمجھا جائے کہ کتاب پانچ ہزار چھپے گی، قیمت ہے تصور کر لی جائے۔ صاحب معاملہ کتاب کے تمام نسخوں کے لینے کا معاملہ کرلیں۔ کمیشن جو آپ تجویز کردیں وہ قرار پا جائے۔ چونکہ صاحبِ معاملہ کو قیمت کا ایک حصّہ قبل طباعت دے دینا پڑے گا۔ اس لئے یقیناً اُسے حق ہونا چاہیئے کہ کمیشن میں مزید رعایت کا خواستگار ہو۔

اب کمیشن کے تعین کے بعد اُسے جو رقم میرے حوالے کرنی چاہیئے میں چاہوں گا کہ اس کا اتنا حصہ قبل طباعت دے دیں جو طباعت کے ناگزیر مصارف کے لئے کفایت کرے، نیز ڈھائی ہزار روپیہ مجھے وصول ہو جائے۔

طباعت کے مصارف کا اندازہ سترہ اٹھارہ سو روپیہ کا ہوتا ہے۔ رائل سائز پر چھپے گی اور ضخامت تین سو سے کچھ زائد ہوگی۔ مسودہ میں آپ کو بھیج دوں گا۔ اگر خوش نویس نے تساہل نہ کیا تو زیادہ سے زیادہ تین ماہ کے اندر کتاب نکل جا سکتی ہے۔

"غالب" کے لئے چند دن اور انتظار کیجئے۔

طبیعت اچھی نہیں ہے، درد کا پھر دورہ پڑا ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابوالکلام

"اُم القرآن" کے لئے جو صورت میرے ذہن میں آئی تھی، لکھ دی۔ اگر آپ کوئی دوسری صورت تجویز کریں تو اس میں بھی مجھے تامل نہ ہوگا۔

یہ جنون رہا تھا کہ تخت اودھ واپس مل جائے گا۔ جادوگروں سے جادو، عاملوں سے اعمال تسخیر نقش نویسوں سے تعویذ اور فقراء و مشائخ سے توسل کا سلسلہ برابر جاری رہا کرتا تھا اور بہتوں کی روزی اسی سے چلتی تھی۔ ممکن ہے کسی نے حافظ جمال الدین مرحوم سے درخواست دعا کی ہو اور انھوں نے سُنّی ہو جانے کی فرمائش جڑ دی ہو۔[1]

ابوالکلام

خط کے آخر میں سلام لکھنے کی جگہ نہیں رہی، اس لئے اب ابتدا میں لکھ دیا ہے، ورنہ صحیح محل آخر مکتوب ہی ہے۔

---

(۷۴)

کلکتہ

۲۳ر دسمبر ۱۹۳۷ء

عزیزی،

خط پہنچا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے کہ میرے درد رنجوری کے لئے اس درجہ حساس دل رکھتے ہیں لیکن اس کی کہاں تک فکر کیجئے گا۔ حیران ہوں۔ اپنے جسم کو زیادہ بیمار کہوں یا دل کو ؎

کہ گفتہ بود کہ دردش دوا پذیر مباد!

”ام القرآن“ کے لئے لکھ چکا ہوں۔ آپ کا یہ خیال درست ہے کہ طباعت و اشاعت کے لئے اس طرح کی معاملت کا خیال موزوں نہیں۔ جس تاجر کو کتاب کمیشن پر

۱؎ غالباً میں نے پوچھا تھا کہ آیا واجد علی شاہ کو سنیت قبول کر لینے کی دعوت دی گئی تھی؟

کتاب پانچ ہزار ضرور چھپنی چاہیے۔ قیمت کا آپ نے جو اندازہ لگایا ہے یعنی ۱۲ء ٹھیک ہے کمیشن کی مقدار بھی اس صورت میں ٹھیک ہے، اگر صاحب معاملہ بہ دست روپیہ نکالیں وہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ مسودہ لے لیں اور بطور خود چھاپیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی صورت متوقع نہ ہو تو پھر سر دست کوئی معاملت کرنا بے سود ہوگا۔ کتاب بطور خود چھاپ لی جائے گی۔ اور جب چھپ جائے گی تو معاملے کا صحیح وقت ہوگا۔

دراصل مجھے اس معاملے کا خیال بعض خاص حالات کی بنا پر ہوا تھا، ورنہ پیشگی مطالبہ کی بنا پر معاملہ کرنا کوئی موزوں طریق کار نہیں ہے، الّا یہ کہ معاملہ کی بنیاد مسودہ کی خرید و فروخت پر ہو۔ اب میں کسی دوسرے انتظام کی فکر کروں گا، ایسا جس سے موجودہ حالات کا تقاضا بھی پورا ہو جائے اور مصارف کا بھی۔ پھر جب کتاب نکل جائے گی تو روپیہ آ جائے گا۔

"ترجمان القرآن" کے طبع ثانی کے لیے آپ نے اور مولوی ظفر اقبال صاحب نے جو تخمینہ کیا ہے وہ ٹھیک ہے اور اس کے لیے بھی شکر گزار ہوں۔ البتہ الگ الگ پاروں کی اشاعت کی تجویز کسی اعتبار سے بھی ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ کتاب یک مرتبہ ہی نکلنی چاہیے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا کام جو زیادہ وقت لے گا، کتابت کا ہے۔ پھر جب قلم بن گئی تو طباعت، تو یہ اختیار کی بات ہوگی سب سے پہلے اس کا انتظام ہونا چاہیے۔ میں ان شاء اللہ اس بارے میں بھی آپ کو اپنے طریق کار سے مطلع کروں گا۔ مولوی ظفر اقبال صاحب کی سعی و آمادگی کا بھی شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں بھی جزائے خیر دے۔

انیسویں صدی کے اوائل میں اطراف اودھ کے ایک صاحب حافظ جمال الدین کلکتہ آئے اور مقیم ہو گئے۔ پیری مریدی کا مشغلہ تھا اور غالباً سید صاحب بریلوی سے بیعت بھی کی تھی چنیت پور روڈ میں ایک مسجد ان ہی کی سعی سے بنی جو حافظ جمال الدین کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انھیں حافظ جمال الدین نے شوق تبلیغ سنیت میں واجد علی کو یہ پیام بھیجا ہو۔ واجد علی اور ان کے مصاحبوں کی مجنونانہ حرکتیں اس باب میں مشہور ہیں۔ انھیں آخر عمر تک

البتہ عارف اور قاسم، علی گوہر[1] (شاہ عالم بہ عہد ولی عہدی) کے پاس بنگال چلے گئے اور نہیں کہا جاسکتا کہ غالب کے دادا بھی ساتھ گئے یا نہیں، لیکن حالات کی تمام کڑیاں، دونوں خاندانوں کی بالکل مشترک اور ہم عنان ہیں اور قیاس کہتا ہے کہ غالباً تفرقہ سفرِ بنگال کے بعد ہوا۔ ذرا وقت نکلے تو آپ کی کتاب میں یہ تفصیلات بھی لکھ دوں۔

اتفاقاً ادھر "درفشِ کاویانی" پر بھی نگاہ پڑ گئی اور تیس برس کے بعد دوبارہ مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ افسوس کہ اس کی خصوصیات پر خواجہ حالی نے کوئی توجہ نہیں کی۔ کئی جہات خصوصیت کے ساتھ ابھارنی چاہئیں، خصوصاً خاتمے کے فوائد۔ یقیناً ملا عبدالصمد ایک غیر معمولی نظر و تحقیق کا آدمی تھا۔ میں چاہتا ہوں یہ سب باتیں آپ کے لئے لکھ دوں اور آپ "غالب" کا دوسرا ایڈیشن ہر اعتبار سے مکمل و متمم بنا سکیں۔

افسوس ہے کہ زمانہ میرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سامان نہ کرسکا۔ غالب کو تو صرف اپنی ایک شاعری ہی کا رونا تھا، نہیں معلوم میرے ساتھ قبر میں کیا کیا چیزیں جائیں گی۔

نارَوا بود بہ بازارِ جہاں جنسِ وفا
رونقے گشتم و از طالعِ دُکّاں رفتم!

بعض اوقات سوچتا ہوں تو طبیعت پر حسرت والم کا ایک عجیب عالم طاری ہو جاتا ہے مذہب، علوم و فنون، ادب، انشا، شاعری، کوئی وادی ایسی نہیں ہے جس کی بےشمار نئی راہیں مبدٔ فیاض نے مجھ نامراد کے دماغ پر نہ کھول دی ہوں اور ہر آن و ہر لحظہ نئی نئی بخششوں سے دامنِ دل مالامال نہ ہوا ہو۔ بحدیکہ ہر روز اپنے آپ کو عالمِ معنی کے ایک نئے مقام پر پاتا ہوں اور ہر منزل کی کرشمہ سنجیاں پچھلی منزلوں کی جلوہ طرازیاں ماند کر دیتی ہیں۔

مازلت انزل فی ودادک منزلا
تتحیر الالباب عند نزولہا!

---

[1] مولانا نے شاہ عالم ثانی کا نام جہاں کہیں لکھا "علی گوہر" ہی لکھا۔ لیکن صحیح نام "عالی گوہر" تھا۔

خریدنی ہے، دو تین مہینے پہلے کیوں رقم لگائے؟ البتہ یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کوئی منفعت خواہ مسودہ کا کاپی رائٹ کسی معین زمانے کے لئے یا ہمیشہ کے لئے خرید لے اور پھر خود چھاپے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا کوئی ایسی صورت ممکن ہے؟

شرمندہ ہوں کہ آپ کی کتاب "غالب" اس وقت نہ بھیج سکا۔ بھیجنے کو تو جب چاہوں بھیج دوں، لیکن خیال ہے کہ ساری ضروری باتیں لکھ کر بھیجوں۔ اسی غرض سے روک رکھی ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ نواب حسام الدین حیدر اور ان کے لڑکے معین الدولہ حسین مرزا کی نسبت پوچھا تھا کہ ان کا تعلق کس خاندان سے تھا؟ اِدھر ایک ضرورت سے تاریخ کی الماریاں دیکھ رہا تھا، حسنِ اتفاق کہ ایک رسالہ جو غدر سے پہلے تاریخ پنجاب کے نام سے آگرہ میں چھپا تھا، نکل آیا۔ اُسے دیکھا تو نواب احمد بخش خاں کے خاندان کا مفصل حال مل گیا اور خود معین الدولہ کی زبانی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی اسی خاندان کی دوسری شاخ تھے، یعنی احمد بخش کا خاندان عارف جان سے چلا، ان کا قاسم جان سے، اور دونوں بھائی تھے[1]۔ بلیماران کے پاس قاسم جان کی گلی کی وجہ تسمیہ یہی قاسم جان ہیں۔ یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ احمد بخش کا خاندان اور غالب کا خاندان بیک وقت سمرقند سے نکلا، بیک وقت لاہور آیا، بیک وقت میر منّو کے یہاں ملازم ہوا،

---

[1] حسام الدین حیدر خاں کے بیٹے حسین مرزا کا لقب ذوالفقار الدولہ تھا۔ اور اسے عارف جان یا قاسم جان کے خاندان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مولانا کو اس باب میں اشتباہ ہوا جیسا کہ اگلے مکتوب میں انھوں نے خود تصریح فرمادی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ میری کتاب پر ضروری یادداشتیں تحریر فرمانے کے لئے زیادہ فرصت نہ نکال سکتے تھے اور یہ خیال بھی تھا کہ مجھے افادات سے محروم نہ فرمائیں۔ جتنا وقت ملتا اور جو کچھ پیش نظر آتا تحریر فرما دیتے۔ نہ زیادہ فرصت تھی اور نہ مراجعت کتب کی مہلت پاتے تھے۔ جس رسالے کا ذکر فرمایا ہے، وہ "تحفۃ الاحباب" نام تاریخ پنجاب تھی۔

ایسا معاملہ نہیں کرے گا۔ مقصود یہ تھا کہ دس بارہ برس کے لئے یا ہمیشہ کے لئے لے لے۔ اس صورت میں ایک مسلسل انتفاع کی چیز اس کے قبضہ میں ہوگی اور وہ اپنی منفعت کے خیال سے توسیع اشاعت میں بھی پوری طرح ساعی ہوگا۔ مجھے یہ خیال کیوں ہوا؟ اسے بھی آپ سے چھپانا نہیں چاہتا۔ اس لئے ہوا کہ فوری ضروریات کا تقاضا تھا۔ چاہتا تھا ان سے عہدہ برآ ہو جاؤں۔ بلاشبہ مالی نقطۂ خیال سے یہ صورت مرجح نہیں ہے، لیکن آپ جانتے ہیں، میں اس نقطۂ خیال سے اپنے معاملات کو دیکھتا ہی نہیں۔ میرے لئے معاملات کا مالی پہلو صرف اتنا ہوتا ہے کہ وقت کی ضرورت کا جواب مل جائے اور کسی انسان کا بارِ احسان اٹھانا نہ پڑے۔[1]

آپ نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے۔ دراصل یہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ حسام الدین حیدر کی جگہ معین الدین حسین کی طرف ذہن منتقل ہو گیا۔ معین الدین شرف الدولہ کے پوتے تھے نہ کہ حسام الدین اگر آپ کا استفسار حسام الدین کے بارے میں تھا تو نہیں معلوم کیوں کر میرے ذہن میں معین الدین کا خیال پیدا ہو گیا۔

حسام الدین غالباً مرزا سلیمان شکوہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر آپ کے پاس طباطبائی کی تاریخ لکھنؤ موجود ہو تو اسے دیکھئے۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ حسام الدین حیدر کا ذکر کہیں آیا ہے۔

غالباً یہی حسام الدین بہادر شاہ کے شیعی ہونے کے واقعہ میں اصل محرک[2] تھے۔ انہی کی

---

[1] یہ جو کچھ فرمایا، مولانا کی پوری زندگی اس کی تصویر تھی۔

[2] یہاں بھی مولانا کو حسام الدین حیدر اور مرزا حیدر شکوہ نبیرۂ میرزا سلیمان شکوہ میں نام کے جزوی اشتراک کی بنا پر اشتباہ ہوا۔ حیدر شکوہ اور اس کا بھائی اس زمانے میں دلی آئے تھے جب بہادر شاہ سخت بیمار ہو گیا تھا۔ حیدر شکوہ نے بطور خود منّت مانی اور بادشاہ کو صحت ہوئی تو لکھنؤ جا کر حضرت عباسؓ کی درگاہ میں علم چڑھایا۔ اس سے مشہور ہوا کہ بہادر شاہ شیعہ ہو گیا ہے۔ دلی میں اس کے خلاف رنج و ناراضی کا طوفان اٹھا۔

لیکن افسوس، جس ہاتھ نے فکر و نظر کی ان دولتوں سے گرانبار کیا، اُس نے شاید سر و سامانِ کار کے لحاظ سے تہی دست رکھنا چاہا۔ میری زندگی کا سارا ماتم یہ ہے کہ اس عہد اور محل کا آدمی نہ تھا، مگر اس کے حوالے کر دیا گیا۔[1]

کم اردنا ذاک الزمان بمدح

فشغلنا بذم ھذا الزمان

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابوالکلام

---

(۷۵)

کلکتہ

۱۲ر فروری ۱۹۳۸ء

عزیزی،

دونوں خط ملے۔ آپ نے "ام القرآن" کی طباعت کے لئے آمادگی ظاہر کی تھی۔ میں نے اس کی پوری قدر و قیمت محسوس کی۔ اخلاص و محبت کے سوا اور کون سی بات اس کے لئے محرک ہو سکتی تھی؟ میں شکر گزار ہوں اور یقین کیجیے میرا اظہارِ تشکر ہمیشہ شائبۂ تظاہر سے پاک ہوا کرتا ہے۔

میں نے کاپی رائٹ کے انتقال کی نسبت جو کچھ لکھا تھا، اس سے مقصود یہ نہ تھا کہ صرف ایک ایڈیشن کے لئے کوئی شخص معاملہ کرے۔ ظاہر ہے کہ کاروباری نقطۂ خیال سے کوئی بھی

---

[1] مکتوب گرامی کا آخری حصہ جو "افسوس ہے کہ زمانہ" سے شروع ہوتا ہے اس وقت بھی درد انگیز تھا جب لکھا گیا تھا اور آج تو اس کی درد انگیزی دہ چند ہو گئی ہے۔

بادہ آشاموں کا شیوہ ہے کہ جب تک شراب نہیں چھٹتی، اپنے بیمار کو نہیں سمجھتے۔ مجھے شراب میسّر نہیں
جائے پر قانع ہوں۔ یہ بھی چھٹ جاتی ہے تو سمجھتا ہوں، اب تندرستی نے جواب دے دیا۔
"یہ بھی" کے حرفِ حصر پر زور دیجئے تب صورتِ حال واضح ہوگی۔

بہ ہر حال چند ضروری خطوط کا جواب دیے بغیر چارہ نہیں اور سب سے پہلے آپ سے مخاطب ہوتا ہوں۔

یہ آپ "ام القرآن" کی طباعت کے معاملہ کو اسقدر طول کیوں دے رہے ہیں؟ وہ بات جو میں نے لکھی تھی ایک خاص وقت کی تھی۔ وقت نکل گیا اور اس کی بات بھی آئی گئی ہو چکی تھی رہی کتاب کی اشاعت تو وہ ضرور عمل میں آئے گی۔ آپ ہی کو بھیج دوں گا۔ اس بارے میں فکر و تشویش کو دخل نہ دیجئے۔

"غالب" میں اب ضرور بھیج دوں گا مطمئن رہئے۔ رام پور نے مکاتیب کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے اس سے بعض نئے حالات روشنی میں آئے ہیں۔ ایک دو نظمیں بھی نکل آئی ہیں۔ اگر یہ مجموعہ نظر سے نہ گزرا ہو تو منگوا لیجئے۔ کوئی صاحب عرشی ہیں[1]، انھوں نے مرتب کیا ہے۔ مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ ٹائپ میں چھپوایا ہے اور نسخ ٹائپ میں۔

میں نے مجبور ہو کر کانگرس ورکنگ کمیٹی کی یہ خواہش منظور کرلی تھی کہ لاہور جاؤں، مگر اب صحت اجازت نہیں دیتی۔ بمبئی کی علالت نے بہت تھکا دیا ہے۔ جواہر لال کو لکھ رہا ہوں کہ یہ قضیہ وہی جا کر نپٹا لیں۔ اگر وہ نہ جا سکے تو پھر کسی اور کو بھیجوں گا۔ دراصل میری زندگی اب صرف جاڑے کے چند مہینوں کی رہ گئی ہے وہ اس تیزی سے نکل جاتے ہیں کہ آنے کی خوشی اور جانے کا ماتم ایک ساتھ کرنا پڑتا ہے۔

زمانہ جام بہ دست و جنازہ بر دوش است!

والسلام علیکم　　　　ابوالکلام

---

[1] جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی۔ "مکاتیب غالب" ان کی پہلی تصنیف تھی اور اس وقت تک شہرت کے اس درجے کو نہ پہنچے تھے جو انھیں بعد میں حاصل ہوا۔

ترغیب سے انھوں نے مجتہد کے نام شقہ لکھا تھا اور حضرت عباسؑ کی درگاہ میں علم چڑھایا تھا۔ یہ بات کہیں میں نے پڑھی ہے مگر کہاں؟ ذہن میں محفوظ نہیں!

غالب میں انشاء اللہ اس ماہ کے اواخر میں بھیج دوں گا۔ اِدھر بالکل مہلت نہیں ملی۔ صرف چند دن اور مطلوب ہیں۔

تحریر میں بھی تحیۃ اولیٰ و مستحسن ہے جس طرح ملاقات میں، لیکن اس کا موزوں محل ابتداء میں ہے یا اختتام میں؟ اس بارے میں اختلاف ہوا۔ امام احمد بن حنبل اختتام کے محل کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی طریقہ مکتوبات نبویہؐ میں ملحوظ رہا ہے۔ میں بھی اکثر یہی طریقہ ملحوظ رکھتا ہوں۔ مع ہٰذا دوسرا طریقہ بھی معمول بہا ہے اور موجب ردوقدح نہیں[1]

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابوالکلام

---

(۷۶)

کلکتہ

۹ مارچ ۱۹۴۳ء

عزیزی

آپ کو معلوم ہے کہ میں چائے پیتا ہوں اور بالالتزام صبح و شام پیتا ہوں۔

مے خوردنِ ہر روزہ ز عاداتِ کرام است

مگر طبیعت کا انحراف دیکھیے کہ ایک گھنٹے سے چائے دھری ہے اور پینے کو جی نہیں چاہتا۔

---

[1] میں نے سوال کیا تھا کہ آپ ہمیشہ اختتام پر سلام لکھتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ اس سوال کا جواب ہے۔

(۷۸)

کلکتہ

۱۸/ جون سنہ ۱۹۳۸ء

عزیزی

خط مل چکا ہے لیکن لکھنے کی مہلت نہیں ملتی خط ضروری خطوط میں رکھ لیا ہے۔ ایک دو دن مزید توقف کیجئے۔ یہ سطریں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ تغافل پر محمول نہ کیجئے۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۷۹)

۱۹/ جولائی سنہ ۱۹۳۸ء

عزیزی

آپ کو اپنے محبت و اخلاص کی وجہ سے جس بات کا خیال ہوا ہے یہ بارہا بعض دوستوں اور عزیزوں کے سامنے آئی اور وہ نہایت مصر بھی ہوئے لیکن میری طبیعت کی آشفتگی ساتھ نہ دے سکی۔ اس بارے میں طبیعت کی افتاد کا یہ حال ہے کہ اخبار والوں، ڈائرکٹری والوں کی جانب سے صرف چند سطروں کے مواد کا بھی تقاضا ہوتا ہے تو اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا[۱]۔ اصل یہ ہے کہ اس معاملے کے لئے قدرتی راہ یہی ہے کہ موت کا انتظار کیا جائے۔ جب تک میری زندگی مجھ میں

---

[۱] میں نے گذارش کی تھی کہ سوانح کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔

(۷۷)

کلکتہ

۴ مئی ۱۹۳۸ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ میں "غالب" آپ کو آئندہ ماہ کے پہلے ہفتے میں ضرور بھیج دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر اتنا مزید توقف آپ کے کام کے لئے حارج نہ ہو تو گوارا کر لیجئے۔

ادھر کئی سال سے میرا یہ حال ہو رہا ہے کہ گرمیوں میں تقریباً معطل ہو جاتا ہوں۔ اس سال تعطل اور بڑھ گیا ہے۔ بہرحال آپ کی کتاب نکالتا ہوں اور مئی کے بقیہ دنوں میں وقتاً فوقتاً اسے دیکھتا رہوں گا۔

زاہد از ما خوشۂ تاکے بچشم کم مبیں
ہیچ می دانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم [1]

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

---

[1] یہ میرزا غالب کا شعر ہے۔ مولانا نے یہ شعر میری کتاب کے ابتدائی صفحے پر بھی تحریر فرمایا تھا۔ اگر میں کہوں کہ غالب نے یہ شعر اسی محل، اسی موقع کے لئے لکھا تھا تو اسے مبالغہ نہ سمجھئے۔ مولانا کا ایک کمال یہ تھا کہ شعر استعمال کر کے اس کے مفہوم و معنی کا ہر گوشہ آشکارا فرما دیتے تھے۔ اکثر بہترین اشعار کے معانی مجھ پر مولانا کے استعمال ہی سے واضح ہوئے۔

(۸۰)

کلکتہ

یکم اگست ۱۹۳۶ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا، وہ اس بارے میں میرے واقعی احساسات تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ ٹالنا چاہا ہو، بہرحال۔

بیا کہ ما سپر اندا ختیم اگر جنگ است

اس بارے میں جو کچھ آپ کے پیش نظر ہے لکھئے، میری جانب سے کمی نہ ہوگی۔ بہرحال میں محبت و اخلاص کے لئے شکر گزار ہوں۔

تعبیر حالِ ما ز نگہ مے تواں بود
لختے ز حالِ خویش بہ سیما نوشتہ ایم[۱]

ہاں آپ نے جب "غالب" بھیجی تھی تو مختلف اوقات میں بعض مقامات کی نسبت کچھ لکھا تھا، بجنسہ بھیج دوں گا۔

ابوالکلام

---

[۱] نظیری کا شعر ہے، اس نے پہلے مصرع میں "تعبیر" کی جگہ تحقیق اور دوسرے میں "لختے" کی جگہ "حرفے" لکھا ہے، مولانا نے اس میں تصرف فرمایا ہے یا ممکن ہے، ان کے حافظے میں یہ شعر اسی طرح محفوظ ہو۔

اور لوگوں کے درمیان حائل ہے، شاید وہ میرے لئے کچھ نہیں کر سکتے، یعنی میرے حالاتِ زندگی نہیں لکھ سکتے۔ صحیح وقت اس کا میرے بعد آئے گا۔ کیوں نہ اس کا انتظار کیا جائے؟ جانسن باسول والی بات ٹھیک ہے[1]، لیکن ضروری نہیں کہ ہمیشہ پیش آئے۔

"غالب" کے بارے میں آپ کو یقیناً انتظار کی حالت میں نہیں رکھوں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے مہلت نہیں ملتی۔ جس وقت کو سمجھتا ہوں کہ مہلت کا ہوگا، وہی مشغولیت کا نکل آتا ہے۔ پھر بے چارگی یہ ہے کہ وہی چوبیس گھنٹے میرے حصے میں آئے ہیں، جو سب کو ملے ہیں۔ بہر حال میرا جی چاہتا تھا کہ اگر میں آپ کے لئے کچھ کر سکتا ہوں تو ضرور کروں۔ اگر جلد کچھ بھیج سکا تو بھیج دوں گا، نہ بھیج سکا تو آپ اپنا کام شروع کر دیجئے گا[2]۔

اس مرتبہ یہاں برسات کا موسم میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو رہا ہے۔ دیکھئے انسانی کمزوریوں کا کیا حال ہے۔ یہی کلکتہ ہے، یہی اس کا برسات کا موسم ہے جو اپنے خصائص کے ساتھ برابر گزرتا آیا ہے اور اب بھی ویسا ہی ہے، جیسا ہمیشہ تھا۔ وہ نہیں بدلا لیکن چونکہ میں بدل چکا ہوں، اس لئے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا بالکل ایک نئی طرح کا موسم چھا گیا ہے!

جی میں آیا دو چار باتیں اور کر لوں! اور کوئی بات تھی نہیں، موسم کا سہارا لینا پڑا۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[1] انگریزی زبان کے مشہور اہلِ قلم ڈاکٹر جانسن کے سوانح باسول نے ساتھ رہ کر مرتب کئے تھے۔ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بے شک اس طرح زیادہ سے زیادہ صحیح اور مستند سوانح مرتب ہو جاتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ میرے متعلق بھی اسی ذریعے سے کام لیا جائے۔

[2] میں نے عرض کیا تھا کہ کتاب کا نیا ایڈیشن تیار کرنا ہے، اگر آپ کے تحریر فرمائے ہوئے افادات مل جاتے تو میں انھیں مناسب مقامات پر شامل کر دیتا۔

(۸۲)

کلکتہ

۸ر جنوری ۱۹۳۹ء

عزیزی،

خط پہنچا، آپ نے جو شعر لکھا ہے اس کا یہاں کیا موقع تھا؟[1] ایک حدیث قدسی ہے۔ مَن تقرَّبَ اِلیَّ شبراً، تقرَّبتُ اِلیہ ذراعاً۔ عمر بھر میری کوشش رہی ہے کہ اس وصف کے تخلق سے محروم نہ رہوں۔ اب بھی اس پر عامل ہوں اور عامل رہوں گا۔

ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا!

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[1] شعلہ اصفہانی کا شعر ایک عریضے میں لکھا تھا۔

آں بخت نہ داریم کہ ہم بزم تو باشیم ؛ ما و سرِ راہِ تو د آہے و نگاہے

میں عموماً ایسے اشعار لکھتا رہتا تھا جو ان کی طبیعت میں شگفتگی پیدا کرنے کا باعث ہو سکتے تھے تاکہ وہ رسمی باتوں کے علاوہ بھی کچھ تحریر فرمائیں مثلاً ایک مرتبہ لکھا تھا۔

بختے نہ کہ با یار بیامیزم من ؛ قلبے نہ کہ از عشق بہ پرہیزم من

دستے نہ کہ در دامنش آویزم من ؛ پائے نہ کہ از میانہ بگریزم من

(۸۱)

کلکتہ

۱۶ اگست ۱۹۳۸ء

عزیزی

خط پہنچا۔ جو سوالات پیش نظر ہوں، وہ آپ فل سکیپ کاغذ پر اس طرح لکھنا شروع کردیں، کہ بالمقابل جواب کے لئے کافی جگہ باقی رہے اور وہ مجھے بھیج دیں۔ اس کے سوا عملاً اور کوئی صورت ممکن نہیں۔ انشاء اللہ میں جوابات ان کے سامنے لکھ کر یا لکھوا کر ضرور آپ کے حوالے کردوں گا۔[۱]

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[۱] یہ سوانح ہی کا سلسلہ ہے۔ میں آرزومند تھا کہ خود پاس بیٹھ کر متعدد صحبتوں میں سب کچھ سنوں اور سوالات اس انداز میں مرتب کرنا ممکن نہ تھا کہ وہ تمام احوال پر حاوی ہوتے۔ افسوس کہ فراوانی شوق اس لطف و نوازش سے فائدہ اٹھانے پر راضی نہ ہوئی اور جو کچھ میں چاہتا تھا، اس کے لئے وقت ساتھ نہ دے سکا۔

(۸۴)

پشاور

۱۳ر فروری ۱۹۳۹ء

عزیزی،

سندھ اکسپریس والی بات اب بنتی دکھائی نہیں دیتی۔ معلوم نہیں یہاں سے کب اور کس طرح مہلت ملے۔ بہرحال اگر سندھ اکسپریس سے روانہ ہوسکا تو آپ کو مطلع کروں گا ورنہ ملاقات کا موقع اب صرف دہلی میں باقی رہ گیا ہے۔ جس دن دہلی پہنچوں۔ اگر آپ بھی آسکیں تو دن بھر کی مہلت مل سکے گی۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

(۸۵)

الہ آباد

۴ر مارچ ۱۹۳۹ء

عزیزی،

رات کو درد کی وجہ سے نیند نہیں آئی۔ صبح کا وقت پٹیوں کے بندھنے کھلنے اور اسفنج وغیرہ میں نکل جاتا ہے[1]۔ دوپہر کو کسی قدر سکون ہوتا ہے۔ اس وقت لیٹے لیٹے

---

[1] الہ آباد کے اسٹیشن پر اتفاقیہ مولانا کا پاؤں کیلے کے ایک چھلکے پر پڑا۔ اور وہ گر گئے، جس سے گھٹنے کی ہڈی میں فریکچر ہوگیا۔ یہ اسی حادثے کا ذکر ہے۔

(۸۳)

کلکتہ

۵ فروری ۱۹۳۹ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ مجھے یاد نہیں آپ کا کوئی خط آیا تھا، جس کا جواب میں نے نہیں دیا۔ اگر ایسا ہوا ہے تو متاسف ہوں، لیکن اس بارے میں میری جو حالت ہے اس سے آپ کو بے خبر نہیں ہونا چاہیئے۔ بہ ہرحال۔

ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا!

پشاور گئے بغیر چارہ نہیں۔ لیکن اس وقت نہیں کہہ سکتا کہ فوراً جا رہا ہوں، یا پانچ چھ دن کے بعد۔ انشاء اللہ روانگی سے آپ کو مطلع کروں گا۔ لاہور ٹھہرنے سے تو مجبور ہوں، لیکن یہ بہت اچھا ہو کہ آپ پشاور آجائیں۔ وہاں کے معاملات ایسے ہیں کہ غالباً قیام چار پانچ دنوں تک ممتد ہو۔

میں غالباً دہلی ایک دن ٹھہرتا ہوا جاؤں۔ اگر دہلی ٹھہرا تو بہت ممکن ہے جی، آئی، پی ایکسپریس سے روانہ ہوں۔ اس صورت میں لاہور سے پشاور تک کا وقت شب میں کٹے گا اور گفتگو کے لیئے راہ کی معیت چنداں سودمند نہ ہوسکے گی۔ ہاں فرنٹیر میل کی صورت میں ممکن ہے۔ بہرحال بہتر یہی ہوگا کہ جب پشاور پہنچ جاؤں تو آپ بھی وہاں آجائیں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

۵۱ مولانا سیاسی مشاغل کے سلسلے میں پشاور جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ایاب و ذہاب میں ایک دو روز لاہور ٹھہریں۔

کار مشکل بود ما بر خویش آساں کردہ ایم

اپنی مشغولیت کے بارے میں جو فیصلہ کر چکا ہوں وہ بہر حال فیصلہ ہے[1] وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ۔ چونکہ خود لکھنا چاہتا تھا اس لئے منتظرِ وقت رہا۔ اور جواب میں دیر ہوئی۔ آپ کے اخلاص و محبت کا شکر گزار ہوں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۸۷)

کلکتہ

۲ر جولائی ۱۹۳۹ء

عزیزی،

عذر خواہ ہوں کہ آپ کے خطوط آئے اور بروقت جواب نہ دے سکا۔ میں ابھی تک چلنے پھرنے سے مجبور ہوں اور اوقات یک قلم غیر منضبط۔ ۱۸ مئی کو جب پلاسٹر کاٹا گیا تو ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ ایک ماہ کے اندر اس کا اثر دور ہو جائے گا، مگر اب ایک ماہ سے زیادہ عرصہ مالش اور بجلی کے معالجوں پر گزر چکا ہے اور پاؤں کی حالت بدستور ہے۔ اتنا ضرور ہوا ہے نی کیپ (KNEE CAP) چڑھا کر اور دو لکڑیوں کا سہارا لے کر چند قدم چل لیتا ہوں اور ضروریات کے لئے غسل خانہ چلا جاتا ہوں

---

[1] فیصلہ یہ تھا کہ وہ سیاست کی عملی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو کر علمی و دینی کاموں میں مصروف ہو جائیں گے زبانی بات چیت ہو چکی تھی۔ میں نے تصدیق مزید چاہی تو فرمایا کہ فیصلہ پختہ ہے لیکن رفیقوں کے اصرار کے باعث اپنا فیصلہ ملتوی کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ وہ صدر کانگرس منتخب ہوئے اور گرفتاریوں کا خطرہ سامنے آگیا۔ اس حالت میں علیحدگی پر راضی ہو ہی نہ سکتے تھے۔

کچھ لکھ سکتا ہوں، لیکن رات کی بے خوابی کی وجہ سے اس وقت نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ وقت بھی نکل جاتا ہے۔ آج نیند کا غلبہ نہیں ہے کیونکہ شب کو سینک سے درد میں کمی ہوئی اور آنکھ لگ گئی۔ چاہتا ہوں کہ چند خطوط کا خود جواب لکھ دوں۔ ان میں ایک آپ کا بھی خط ہے۔

مگر کیا لکھوں؟ بجز اس کے کہ شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ آج کلکتہ کا قصد ہے۔ وہاں یکسوئی کے ساتھ علاج جاری رہے گا۔ ڈاکٹروں کا تو فیصلہ یہ ہے کہ چار پانچ مہینوں تک اسی طرح پڑا رہنا پڑے گا۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۸۶)

کلکتہ

۱۹؍ اپریل ۱۹۳۹ء

عزیزی،

بائیں گھٹنے میں دو جگہ فتور واقع ہوا۔ اوپر کے جوڑ کی بڑی ہڈی اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور نیچے کے جوڑ میں جسے TIBIA کہتے ہیں "فرکچر" ہو گیا۔ اب پیرس پلاسٹر پورے پاؤں پر چڑھا دیا گیا ہے اور شب و روز چت پڑا رہنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ کم از کم چھ ہفتے تک اسی طرح رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد پلاسٹر کاٹیں گے۔ اگر ہڈی جڑ گئی تو پھر چند ہفتے اور مطلوب ہوں گے کہ پاؤں کھل جائے اور کام دے سکے۔ تقریباً تین ہفتے گزر چکے ہیں۔ بقیہ ہفتے بھی گزر جائیں گے۔ ع

(۸۸)

کلکتہ

۱۱ جولائی ۱۹۳۹ء

عزیزی

خط پہنچا۔ پاؤں کی موجودہ حالت میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے مغربی طریق علاج کی خامی یا ناکامی کی طرف منسوب کیا جائے۔ میرا تاثر محض میری جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ میں چاہتا ہوں جلد سے جلد یہ حالت ختم ہو، اس لئے طریق علاج کی طوالت سے گھبرا سا گیا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے خیال ہوا بعض قدیم مرکبات استعمال کروں[1]۔

سب کہتے ہیں کہ ہڈی کا معاملہ خصوصاً گھٹنے کا بڑا وقت لیتا ہے خود میرے ایک معالج کو دو سال ہوئے کار ٹکرا جانے کا حادثہ یہاں پیش آیا تھا اور ہڈی میں انشقاق ہو گیا تھا مجھے معلوم ہے کہ چھ ماہ کے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تھے اور وہ بھی لکڑی کے ساتھ۔

علاوہ بریں عمر کو بھی ان امور میں بہت دخل ہے، اگر یہ حادثہ مجھے بیس سال پہلے پیش آتا تو شاید اتنا وقت نہ لیتا۔

اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ سردست علاج کی تبدیلی غیر ضروری ہے اور اس لئے آپ نے ازراہِ محبت و اخلاص ایک آدمی کے بھجوانے کا جو قصد کیا ہے اسے ملتوی کر دیں۔ اگر وہ

---

[1] میں نے عرض کیا تھا کہ میرے تجربے کے مطابق ہڈی کے انشقاق یا جوڑوں کے ہل جانے میں مغربی طریقِ علاج کے بجائے مشرقی طریقہ علاج زیادہ موثر ثابت ہوا ہے۔ خود میرے بچے کی کہنی ہل گئی تھی۔ دیر تک ڈاکٹروں کا علاج جاری رکھا اور فائدہ نہ ہوا۔ موچی دروازہ کے اندر ایک پہلوان تھا، اس نے مالش کے لئے تیل تیار کر دیا اور اس سے بہت جلد فائدہ ہوا۔

لیکن نہ تو پوری طرح پاؤں کھلتا اور بند ہوتا ہے، نہ گھٹنے کا ورم اور درد کم ہوا ہے اور نہ یہ قوت پیدا ہوئی ہے کہ پاؤں ٹھیک طرح زمین پر ٹک سکے معلوم ہوتا ہے کہ گھٹنے کے پٹھوں میں بھی کوئی حرج واقع ہوا ہے، صرف ہڈی کا معاملہ نہ تھا۔ اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے قدیم معالجات کی طرف توجہ کروں۔ ایک لیپ طیار کرا رہا ہوں۔ کل سے اس کا تجربہ شروع ہو گا۔ ڈاکٹر چونکہ صرف بجلی کا طریق علاج کام میں لا رہے ہیں، اس لئے لیپ کا استعمال اس میں مخل نہیں ہو گا۔

میں نے آپ کی کتاب "غالب" نکلوالی ہے اور پاس رکھوالی ہے۔ آپ نے اتنے دنوں انتظار کیا ہے تو کم از کم چند ضروری باتیں، جن کا تعلق وقائع سے ہے، قلم بند کر دوں مطمئن رہئے اب میں بہت جلد بھیج دوں گا۔

آپ نے میری آئندہ مشغولیت کے فیصلے کی نسبت جو پوچھا ہے، تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، البتہ اس حادثہ کی وجہ سے کسی قدر دیر ہو گئی۔ بعض ضروری امور تھے جنھیں طے کر کے یکسو ہونا چاہیئے تھا کیونکہ وہ بغیر میرے اس شکل میں طے نہیں ہو سکیں گے، جس شکل و نوعیت میں طے کرنا چاہتا ہوں۔ اگر یہ معذوری نہ پیش آگئی ہوتی تو میرا اندازہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ اپریل تک وقت لگے گا۔ اس کی وجہ سے یہ تمام زمانہ بیکار ہو گیا۔ اب کوشش کر رہا ہوں کہ بغیر نقل و حرکت کے انھیں کسی طرح نپٹا لوں[1]۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[1] پچھلے مکتوب کے حاشیہ میں اصل معاملے کا ذکر کر چکا ہوں، حادثے کی وجہ سے تاخیر ہوئی اگر ۱۹۳۹ء میں علمی کام شروع ہوتے تو سترہ اٹھارہ سال میں خدا جانے کتنا عظیم الشان ذخیرۂ تصانیف فراہم ہو جاتا، ممکن تھا کہ اس حالت میں "الہلال" بھی جاری ہو جاتا اور ایک یا زیادہ روزانہ اخباروں کا انتظام بھی وہ اپنے معیار کے مطابق فرما دیتے۔

افسوس ہے کہ جس قدر وقت دینا چاہتا تھا نہ دے سکا چونکہ اب بہت عرصہ ہو چکا ہے اور آپ بھی مصر ہیں، اس لئے جس قدر لکھا جا سکا تھا اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور بھیج رہا ہوں۔

زاہد از ما خوشۂ تاکے بہ چشم کم مبیں
ہی، نمی دانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم

---

(۹۰)

کلکتہ

۴ فروری ۱۹۴۰ء

عزیزی،

خط پہنچا۔ شرمسار ہوں کہ "غالب" کی نسبت آپ کی فرمائش پوری نہ کر سکا۔ بہرحال اب اس کتاب کا اور زیادہ عرصے تک یہاں پڑا رہنا مجھے گوارا نہیں کرنا چاہئے۔ آج اس کے ابتدائی صفحہ پر آپ کا نام لکھ کر دفتر کے حوالے کر رہا ہوں کہ رجسٹرڈ بھیج دیں۔ میں نے آپ کو غالب کا شعر لکھا تھا۔

زاہد از ما خوشۂ تاکے بچشم کم مبیں
ہی، نمی دانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم

یہ تاک کا پورا ایک خوشہ بھی نہیں ہے لیکن اوقات کا ایک پورا پیمانہ ضرور نقصان کرنا پڑتا ہے۔

میں نے جا بجا عبارات و الفاظ کی نسبت بھی اشارات کئے ہیں۔ ان کی درستگی پر خصوصیت کے ساتھ زور دوں گا۔ آپ کا اسلوب پختہ اور بے داغ ہو جاتے اگر ان امور پر نظر رکھی جائے۔

پاؤں کی خلش بدستور ہے اور شاید اب جانے والی نہیں۔

آدمی مل جائے تو اس کا پتہ محفوظ رکھئے مگر سردست اس سے زیادہ کچھ نہ کیجئے۔ اگر آگے چل کر ضرورت ہوئی تو میں آپ کی اس کوشش سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔[۱]

یہاں بھی ایک پہلوان پنجاب کا ہے اور اپنے کام میں بہت ہوشیار سمجھا جاتا ہے۔ وہ بیچارہ بار بار اصرار کر چکا ہے کہ اس کا علاج آزمایا جائے۔ ایک صاحب ایک دوسرے معالج کو بھی لائے تھے میں ابھی اپنی حالت دیکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے چند دنوں کے بعد ان کا علاج آزماؤں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس محبت کے لئے جزائے خیر دے شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۸۹)

عزیزی،

سادہ صفحات پر جابجا یادداشتیں لکھی گئی ہیں۔ ان پر نمبر نہیں ہیں کہ یہاں حوالہ دیا جائے۔ چاہئے کہ ایک مرتبہ ہر ورق کو دیکھ لیا جائے بعض جگہ اصل کتاب کے حواشی پر اشارات ہیں۔ اس لئے ہر صفحہ پر نظر ڈال لینی چاہئے۔[۲]

ابوالکلام

کلکتہ۔ ۲۹/۱/۴۶

---

[۱] میرے عزیز دوست شیخ محمد حیات سے اس پہلوان کے بڑے تعلقات تھے اور شیخ صاحب اسے کلکتہ بھجوانے پر آمادہ تھے۔ میں نے مولانا سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سردست ضرورت نہیں۔

[۲] یہ تحریر مکتوب کی شکل میں نہیں آئی تھی، بلکہ میری کتاب "غالب" کے آغاز میں مرقوم تھی، چونکہ اس کا انداز مکتوب کا تھا اس لئے اسے یہاں رکھا گیا۔ اس کے تین چار روز بعد ارسال کتاب کے ساتھ ایک مکتوب بھی بھیجا گیا جس کا مضمون فی الجملہ یہی ہے مگر اس میں زیادہ تفصیل ہے۔ وہ مکتوب آگے ملاحظہ فرمائیے۔

نجات دے دوں[۵۱]۔ آپ نے اس وقت تک جو محبت و اخلاص مجھ سے رکھا ہے اس کے لیے شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابوالکلام

---

(۹۲)

کلکتہ

۱۴۔ مارچ ۱۹۴۰ء

عزیزی،

ایک خط لکھ چکا تھا کہ آپ کا خط ملا۔ تفضل حسین خان کے حالات میں "نانا" سے مقصود صریح پیشوا کا متبنیٰ نانا راؤ ٹھور (کانپور) والا ہے نہ کہ نانا بمعنی جد[۵۲]۔ رکن المدرسین کا تو بمبئی میں غدر سے کچھ پہلے انتقال ہو گیا تھا[۵۳]۔

[۵۱] "انقلاب" میں ایک تحریر شائع ہوئی تھی جس کا اسلوب بڑا ہی افسوسناک تھا لیکن میں اس وقت لاہور میں نہ تھا۔ بعد میں مولانا کا گرامی نامہ آیا اور میں نے وہ تحریر دیکھی تو معذرت بھی کی، حقیقت حال بھی لکھی، یہ بھی عرض کیا کہ آپ کو آخری فیصلے سے پیشتر تحقیق فرما لینی چاہیے تھی۔

[۵۲] میری کتاب "غالب" میں مولانا نے ایک مقام پر نواب تفضل حسین والی فرخ آباد کا ذکر کرتے ہوئے ایک یا دو جگہ "نانا" کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس سے مقصود ڈھونڈو پنت نانا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ ممکن ہے، یہ مولانا کے اپنے والد ماجد کے نانا رکن المدرسین کی طرف اشارہ کیا ہو، صرف رفع اشتباہ کے لیے میں نے پوچھا تو توضیح فرما دی کہ یہاں نانا راؤ مراد ہے۔

[۵۳] مولانا نے بالکل بجا فرمایا کہ رکن المدرسین مولانا منور الدین کا انتقال بمبئی میں غدر سے کچھ پہلے ہوا۔ ایک موقع پر انھوں نے مفصل حالات سناتے ہوئے فرمایا تھا کہ رکن المدرسین ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے کچھ پہلے اپنے نواسے (مولانا کے والد) کو لے کر بہ عزم ہجرت حجاز روانہ ہو گئے تھے۔ بھوپال پہنچے تو ہنگامہ شروع ہو گیا اور انھیں وہیں رکنا پڑا۔ ہنگامہ فرو ہوا تو بھوپال سے بمبئی پہنچے لیکن جہاز پر سوار ہونے سے پیشتر فوت ہو گئے۔ بعد ازاں مولانا کے والد تنہا حجاز گئے اور معلوم ہے کہ ۱۸۹۸ء تک وہیں رہے۔

اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا

البتہ بجلی کے عملیہ سے ایک دوسری شکایت کو کافی فائدہ ہوا جو پچھلے دنوں شروع ہو گئی تھی اور پٹنہ میں زور کیا تھا۔ یعنی ریڑھ کے نیچے بیٹھ کے درد ہیں۔

آپ نے اپنے جس خط کا ذکر کیا ہے کہ جواب نہیں دیا گیا، میرے حافظے میں نہیں ہے۔ مجھے تو یہی یاد پڑتا ہے کہ ہر خط کا جواب دیتا رہا ہوں۔

سالک صاحب کو دعا، حسب ضابطۂ رسم اور سلام حسب ضابطۂ اسلام۔ آپ کے لئے بھی دعا اور سلام دونوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'

ابوالکلام

---

(۹۱)

کلکتہ

۱۵/مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

عزیزی'

لاہور سے کئی شخصوں نے مجھے "انقلاب" کا ایک کٹنگ بھیجا ہے، جس میں آپ لکھتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں پر بہتان لگایا اور قرآن کریم کی یہ آیت بھی مجھے یاد دلائی گئی ہے کہ سُبحانکَ ھذا بُھتانٌ عظیم۔ بہتان اگر فرد پر لگایا جائے تو سخت جرم ہے لیکن اگر ایک مسلمان خود مسلمانوں پر لگائے تو اس جُرم کی شناعت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ مجھے یقین ہے کہ اب آپ کی وہ رائے میری نسبت نہیں رہی ہوگی، جس کی بنا پر آپ اظہارِ اخلاص کرتے رہے ہیں اور یقیناً آپ یہ پسند نہیں کریں گے کہ مداہنت و نفاق سے کام لیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مخمصے سے آپ کو

(۹۳)

۷۔ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

عزیزی،

خط پہنچا اور یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ آپ نے میرے خط کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ایک چیز عقائد و مسائل کا اختلاف ہے، ایک شخصی دیانت و عدم دیانت کا معاملہ۔ آپ یقیناً ایک شخص سے عقائد و مسائل میں سخت اختلاف رکھتے ہوئے بھی اخلاص و محبت رکھ سکتے ہیں اور یہ اخلاص اس سے مانع نہیں ہو سکتا کہ اس کے عقائد و مسائل پر سخت سے سخت نکتہ چینی کریں۔ امام بخاریؒ نے عبدالرزاق کی نسبت کہا تھا لو ارتد عبدالرزاق اگرچہ عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائے جب بھی میں اس کی دیانت میں شک نہیں کروں گا لیکن اگر آپ کے سامنے ایسی باتیں آئی ہیں کہ آپ کو اسکی دیانت پر اعتماد نہیں رہا اور اختلاف صرف عقائد و مسائل ہی سے نہیں ہے بلکہ شخصی اخلاق و خصائل سے ہے تو اس صورت میں آپ اس سے اخلاص و محبت نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ اب کوئی چیز باقی نہیں رہی جس کے لئے اخلاص اُبھر سکے۔ جس شخص کے اخلاص و خصائل پر آپ کو اعتماد نہیں رہا، آپ بغیر مداہنت و نفاق کے کیونکر اس سے اخلاص و محبت رکھ سکتے ہیں؟

ایک شخص کی غیر معمولی قابلیت اور دماغی محاسن کا ہم پر اثر پڑ سکتا ہے یہ جاننے پر بھی کہ وہ اخلاق و خصائل سے محروم ہے ہم یہ تاثر دل سے نکال سکتے لیکن اس طرح کے تاثر کو دوسرے ناموں سے پکارنا چاہئے۔ یہ "اخلاص" اور "محبت" سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

لاہور سے جو کٹنگ "انقلاب" کا آیا تھا، وہ اس کے لیڈنگ آرٹیکل کا تھا۔ ابھی اس بحث میں نہ جائیے کہ میں نے تقریر میں کیا کہا تھا؟ تقریر ہزاروں مسلمانوں نے سُنی تھی اور ان سے دریافت کیا جا سکتا تھا کہ اصلیت کیا ہے۔ بہرحال کسی وجہ سے آپ کو یقین ہو گیا کہ میں نے

لکھنؤ کے سقوط کے بعد گونڈا اور ترائی کا علاقہ انقلابی جنگ کی تمام قوتوں کا ملجا بن گیا تھا۔ موسم اور مزید فوجی طیاریوں کے اہتمام نے چھ سات ماہ کی مہلت پیدا کر دی تھی اس عرصے میں تمام انقلابی فوجیں اس طرف کا رُخ کرتی رہیں۔ نومبر ۱۸۵۸ء میں کمانڈر انچیف نے الٰہ آباد سے کوچ کیا اور اندرونِ اودھ کے تمام علاقوں کو مسخر کرتے ہوئے جنوری میں گورکھپور پہنچ گیا۔ یہاں نانا راؤ، تفضل حسین اور حضرت محل کی متحدہ فوج سے ایک فیصلہ کن مقابلہ ہوا۔ متحدہ فوج شکست کھا کر ترائی کے علاقے میں ہٹ گئی۔ اس موقع پر تفضل حسین خاں نے مایوس ہو کر ہتھیار رکھ دیئے تھے۔ "ٹائمز" لندن کا نامہ نگار رسل اس موقع پر موجود تھا جب تفضل حسین کمانڈر انچیف کے خیمہ میں آئے۔ وہ لکھتا ہے اس موقع کو دیکھ کر یہ باور کرنا نگاہوں کے لئے دشوار تھا کہ یہی شخص کل تک ہماری فوجوں سے نبرد آزمائی کر رہا تھا!

"لسان الصدق" کے پرچے بڑی مشکل سے ملیں گے، نہیں معلوم کس ڈھیر میں پڑے ہیں[۱]۔

منشی عبدالکریم کی تاریخ رجسٹرڈ بھیجی جارہی ہے، بہ احتیاط واپس کر دیجیے گا[۲]۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[۱] مجھے "لسان الصدق" (مولانا کا پہلا اخبار) کے چند پرچے مل گئے تھے، چاہتا تھا کہ فائل مکمل کرلوں مولانا سے ذکر کیا تو انہوں نے باقی پرچے مہیا کر دینے کا وعدہ فرمایا۔ خط لکھا تو یہ جواب ملا۔

[۲] منشی عبدالکریم کی "تاریخ پنجاب" مجھے پرانی کتابوں کے ایک انبار سے مل گئی تھی اور مولانا کی کتاب میں نے جلد واپس کر دی تھی۔

(۹۴)

آل انڈیا کانگرس کمیٹی

سوراج بھون۔ الہ آباد۔ کلکتہ

۲۸ جون ۱۹۴۲ء

عزیزی،

"ام القرآن" میں کچھ اور بھی بیشی کرنی تھی اس لیے اتنا وقت نکل گیا۔ اب میں طباعت کے لیے آپ کو بھیج سکتا ہوں۔ کتابت میں خوش نویس کو آسانی ہو گی کیونکہ بڑا حصہ مطبوعہ ہے کتابت کا انتظام ایسا ہونا چاہیے کہ پنجاب کی تعلیمی کتابوں کی طرح لفظ الگ الگ لکھے جائیں اور پنکچویشن کا صحت کے ساتھ التزام رہے۔ جابجا قرآن کی آیات آگئی ہیں اسلیے نسخ کا بھی بہترین خوش نویس مطلوب ہو گا۔ امید ہے سالک صاحب بخیریت ہونگے[1]۔ والسلام علیکم۔

ابوالکلام

---

[1] اس سے تھوڑی دیر بعد مولانا بمبئی میں گرفتار ہوئے اور انھیں احمد نگر کے قلعے میں پہنچا دیا گیا، جہاں قریباً تین برس کامل انقطاع کی حالت میں گزارے۔ تقسیم کے بعد میں دہلی گیا اور "ام القرآن" کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اس میں مزید اضافے کرتے ہیں اور حجتِ ابراہیمی پر ایک مضمون الہلال (دورِ ثانی) کے چار نمبروں میں شائع ہوا تھا، وہ مل جائے تو "ام القرآن" مکمل ہو جائے۔ ان کے پاس "الہلال" کا کوئی پرچہ نہ تھا۔ میں نے لاہور پہنچ کر حجتِ ابراہیمی والا مضمون تیئیس ۲۳ فل سکیپ اوراق پر نقل کرا کے بھیج دیا۔ پھر حکم آیا کہ وہ پرچے بھیجو۔ میں اپنا فائل دے نہ سکتا تھا۔ بڑی تلاش کے بعد دس پرچوں کا ایک مجموعہ ملا جن میں وہ چار پرچے بھی تھے۔ چنانچہ وہ خرید کر بھجوا دیے۔ لیکن جون ۱۹۵۸ء تک وہ اس مضمون کو ام القرآن میں شامل نہ کر سکے تھے۔

مسلمانوں پر افترا کیا اور اس درجہ یقین ہو گیا کہ مضمون کی سرخی یہی قرار دی گئی۔ نیز جو آیت واقعہ افک کی نسبت نازل ہوئی ہے، وہ میری نسبت لکھنی پڑی کہ سبحانک ھٰذا بہتان عظیم۔ اب سوال یہ نہیں ہے کہ آپ نے میرے عقیدہ و مسلک سے اختلاف کیا بلکہ آپ کے سامنے میرے اخلاق و خصائل کا ایک بدترین پہلو نمایاں ہو گیا۔ میں نہ صرف ایک فرد واحد۔ بلکہ تمام مسلمانوں پر بہتان لگانے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ ایسی حالت میں مجھے کیا سمجھنا تھا؟ کیا ایک لمحہ کے لیے یہ توقع جائز ہو سکتی تھی کہ آپ بدستور اخلاص و محبت رکھیں گے؟ یقیناً مجھے یہی سمجھ لینا تھا کہ اس معاملے کے بعد آپ ایسا نہیں کر سکتے اگر کرینگے تو مداہنت ہوگی اور نفاق۔ کیوں نہ میں خود آپ کو اس مخمصے سے نجات دلا دوں۔ چنانچہ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو میں نے یہی الفاظ اس خط میں لکھے تھے۔ میں آپ کے ساتھ بڑی ناانصافی کرتا اگر سمجھتا کہ اب بھی آپ محبت و اخلاص رکھ سکتے ہیں۔ اگر میں ایسی توقع رکھتا تو اس کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے تھے، میں آپ کو منافق تصور کرتا۔ میں آپ کو ایسا کبھی نہیں تصور کر سکتا۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں، اسلیے میں نے محسوس کیا کہ اب آپ اپنے آپ کو مخمصے میں مبتلا پاتے ہوں گے۔ میں کیوں اسے برداشت کروں کہ ایک شخص جسے اپنا عزیز سمجھتا رہا ہوں اس مخمصے میں مبتلا رہے؟ مجھے فوراً اس کی راہ کھول دینی چاہیے

مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ مضمون آپ کا نہیں ہے، ۔۔۔ اب آپ نے لکھا تو صورتِ حال معلوم ہوئی، اگر آپ کا ایسا خیال نہیں ہے کہ میں نے مسلمانوں پر افترا کیا تو ظاہر ہے کہ آپ کے لئے اس مخمصے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ آپ یقیناً مجھ سے اخلاص و محبت اب بھی رکھ سکتے ہیں، جیسا کہ ہمیشہ رکھتے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ۔۔۔۔

آپ نے تاریخ پنجاب مانگی تھی، جو بھجوا دی گئی تھی۔ اس کی رسید نہیں ملی۔ جب کام پورا ہو جائے تو بھیج دیں۔ والسلام علیکم :

ابوالکلام

(۹۶)

وائسرائے لاج۔ شملہ
۲۶۔ جون ۱۹۴۵ء

عزیزی،

بمبئی سے ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اسی سلسلے میں اب پھر لکھ رہا ہوں۔ منشی عبدالقیوم مرادآبادی کو میں نے دہلی بلایا تھا لیکن چونکہ یہاں قیام کی مدت اب بڑھ گئی ہے، اس لیے وہ یہیں آکر مجھ سے مل لیں۔ روانگی میں تاخیر نہ کریں۔ والسلام

ابوالکلام

(۹۷)

وائسرائے لاج
۲۷۔ جون ۱۹۴۵ء

عزیزی،

خط لکھ چکا تھا کہ آپ کا خط ملا۔ منشی عبدالقیوم اگر مرادآباد میں ہیں تو شاید وہ شملہ آکر نہ مل سکیں۔ بہرحال "زمزم" سے ان کا پتہ دریافت کر کے مجھے لکھ دیجیے تاکہ جونہی موقع ملے انھیں بلوالوں۔

سردست دہلی جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ غالباً چند دن اور شملہ میں ٹھہرنا پڑے۔ اگر آپ یہاں آسکتے تو ملاقات ہو جاتی۔ بہرحال آیندہ کوئی نہ کوئی موقع نکل آئے گا۔

والسلام

ابوالکلام

(۹۵)

بمبئی

۲۲۔ جون سنہ ۱۹۴۵ء

عزیزی،

زندہ ہوں اور پھر دنیا میں واپس آگیا ہوں، معلوم نہیں جو کچھ دیکھ رہا تھا، خواب تھا، یا اب جو کچھ دیکھ رہا ہوں، خواب ہے؟ :

بیداری میانِ دو خواب است ہستیم
گردِ تخیلِ دو سراب است ہستیم

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ سالک کو دعا رخیر پہنچا دیں۔

یہ خط ایک خاص ضرورت سے لکھ رہا ہوں۔ مراد آباد کے ایک خوش نویس عبد القیوم ہیں اور معلوم ہوا ہے وہاں کوئی "زمزم" پریس ہے، وہاں مقیم ہیں۔ انہیں میرا یہ پیغام پہنچا دیجیے کہ مجھے تھوڑا سا کام ان سے فوراً لینا ہے۔ میری نقل و حرکت انھیں اخبارات سے معلوم ہوتی رہے گی۔ جونہی میں شملہ سے دہلی واپس ہونے والا ہوں، دہلی پہنچ کر مجھ سے مل لیں۔

یہ بات صاف کر دیجیے گا کہ سردست "ترجمان" کے لیے نہیں بلا رہا ہوں، بعض اور مختصر چیزیں ہیں، جو انہیں دینی ہیں۔ مجھ سے مل کر کام کی نوعیت سمجھ لیں۔ انھیں خرچ کی ضرورت ہو تو میری جانب سے بلا تامل دے دیں۔ میں آپ کو بھیج دوں گا۔[۱]

والسلام علیکم

ابوالکلام

۱؎ احمد نگر سے رہائی کے بعد یہ پہلا مکتوب ہے۔ منشی عبد القیوم وہی خوش نویس تھے جنھوں نے ترجمان جلد دوم کی کتابت کی تھی۔ میں نے حسب ارشاد پتہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ مراد آباد میں ہیں اور مولانا کو شملہ اطلاع بھجوا دی۔

(۹۹)

۱۹۔ اے، بالی گنج سرکلر روڈ
کلکتہ ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء

عزیزی

آپ حق بجانب ہیں مگر عرفت ربی بفسخ العزائم۔ کانگریس کی صدارت ایک سال کیلئے تھی۔ کسے معلوم تھا کہ جنگ کی وجہ سے غیر متوقع حالات رونما ہونگے اور پانچ سال نکل جائیں گے۔ بہرحال اب امید ہے غالباً اپریل میں سالانہ جلسہ ہو اور کم از کم اس ذمہ داری سے سبک دوش ہو سکوں[1]۔

"غبار خاطر" کی کاپیوں میں معمولی غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ انھیں درست کر دیجیے۔

باقی رہے دریافت طلب امور تو انھیں بہ ترتیب لکھتا ہوں۔

(۱) موٹر کا لفظ میری زبان پر مونث ہی چڑھا ہوا ہے اور مجھے کبھی اس میں شک نہیں ہوا۔

(۲) فارسی میں صحیح املا[3] "نہ بہرام و نہ گورش" ہی ہو گا لیکن سہولتِ تلفظ کے لیے "نے" کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

۱۔ میں نے عرض کیا تھا کہ دیکھیے علیحدگی کا فیصلہ فرمالینے کے بعد کتنی مدت ضائع ہو گئی اور اصل کام شروع نہ ہو سکا۔ ۲۔ "غبار خاطر" لاہور میں چھپ رہی تھی مجھے بعض امور کے متعلق استفسار کی ضرورت پڑی مثلاً "موٹر" مذکر استعمال ہوتا ہے اور مولانا نے مونث استعمال کیا تھا۔ ۳۔ میں نے عرض کیا تھا کہ "نہ بہرام است و نہ گورش" میں آخری "نہ" کو "نے" بنا دیا جائے یا بجنسہ قائم رکھا جائے؟ ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں عام طور پر "نے" استعمال ہوتا تھا اور اس کے بغیر شعر کا وزن ٹھیک نہیں رہتا تھا۔

(۹۸)

وائسرائے لاج

۱۔جولائی ۴۵ء

عزیزی،

خط ملا، شملہ کا قیام ممتد ہو گیا ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا۔ ہم اسکے بعد تک اب قیام متعین ہے۔ منشی عبدالقیوم کو یہیں بلا رہا ہوں۔ اس سفر کے سلسلے میں ممکن نہ ہوگا کہ پنجاب کے لیے وقت نکالوں۔ جونہی یہاں کے معاملات سے فارغ ہوا، کوشش کروں گا کہ چند دنوں کے لیے کسی گوشے میں جا کر آرام کرسکوں۔ اگرچہ زندگی میں آرام کہاں؟

موجیم کہ آسودگیِ ما عــدم است

ما زندہ ازانیم کہ آرام نہ گیریم

والسلام علیکم، عزیزی سالک کو دعاءِ خیر

ابوالکلام

آپ کو بھیج دیں گے۔ روپیہ کی طلبی میں ہرگز تامل نہ کیجیے گا۔ جب لکھیے بھیج دوں گا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اس مخلصانہ خدمت کے لیے جزائے خیر دے۔ سالک صاحب کو دعائے خیر۔ ہاں طباعت کے بارے میں جو عزیز آپ کے ساتھ آتے رہے اور جنھوں نے کاغذ کا اہتمام کیا ہے، میں ان کا نام بھول گیا ہوں۔ انھیں دعاء خیر پہنچایئے اور ان کا نام مجھے یاد دلا دیجیے[۵۱]۔

اگرچہ دماغ مطمئن تھا۔ خیال ہوا برسوں کی بات ہے اصل مقام نکال کر دیکھ لوں۔ چنانچہ مآثر الامراء میں یہ مقام مل گیا اور دولت خاں لودھی کا مقولہ ٹھیک وہی نکلا جو حافظہ میں محفوظ رہ گیا تھا۔ طبیعت خوش ہوئی کہ تیس برس تک دماغ نے اس مقولہ کی پوری محافظت کی تھی اور ایک لفظ بھی ادھر اُدھر نہیں ہوا تھا۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۱۰۰)

۱۹۔ اے، بالی گنج، سرکلر روڈ
کلکتہ ۲۹۔ اکتوبر

عزیزی،

خط وصول ہوا، تفصیلی جواب متعاقب روانہ ہوگا۔ سردست چند ضروری باتیں لکھنی ہیں:

۱۔ "غبار خاطر" پانچ ہزار ایک سو کی تعداد میں چھپے گی اس غرض سے کہ کچھ کاغذ

---

[۵۱] یہ مولوی محمد احمد صاحب تھے۔

(۳) "دونوں زندگیوں کے مرقع کی الگ الگ روغن سے نقش آرائی ہوئی ہے" ٹھیک ہے۔ نقش آرائی اگر پہلے آئے گا تو نحو کے لحاظ سے صحیح ہوگا مگر محاورے کے لحاظ سے بے مزہ ہو جائے گا۔[ف۱]

(۴) "کوٹھڑی" کو "ٹھری" لکھنا منشی عبدالقیوم کا رسم الخط ہے، میرا نہیں ہے۔ اسے درست کر دیجیے لیکن اگر بہت سے مقام پر ہو تو چھوڑ دیجیے۔ کثرتِ تصحیح کاپی کو خراب کر دیتی ہے۔

(۵) اگر آپ کا مقصد مکڑی یعنی عنکبوت سے ہے تو وہ یقیناً "ڑ" سے ہے "ر" سے نہیں ہے "ر" پر ط بنا دیجیے۔[ف۲]

(۶) دولت خاں لودھی کا مقولہ محض حافظے سے لکھا ہے لیکن اس میں "فتح آسمانی" ہی ہے یعنی حالت ایسی ہے کہ سر و سامان کی بنا پر فتح کی امید نہیں کی جا سکتی آسمان کی مدد ہی سے ہو تو ہو۔

"آسمان نے" ہرگز نہیں ہو سکتا جس لفظ نے پورے جملے میں زور پیدا کیا ہے، آپ اسی کو نکال دینا چاہتے ہیں۔ یہ قیامت کرتے ہیں۔[ف۳]

بقیہ کاپیاں بھی تصحیح کر کے منشی عبدالقیوم کو بھیج دی ہیں۔ امید ہے کہ وہ بہت جلد

ف۱ میری گزارش تھی کہ نقش آرائی کو الگ الگ سے پہلے آنا چاہیے۔

ف۲ مولانا کے مسودے میں "مکڑی" کی "ر" پر "ط" نہ تھی۔

ف۳ میرے نزدیک اس فقرے میں "فتح آسمانی" عام فارسی محاورے کے مطابق نہ تھا لہذا عرض کیا کہ غالباً اصل الفاظ "فتح آسماں نے" ہوں۔ چونکہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی بعض کتابوں کے مصححین اکثر غلطیاں کرتے رہے، اس لئے خیال تھا کہ مآثر الامرا کی یہ عبارت بھی صحیح نہ پڑھی گئی ہو۔ مولانا نے "فتح آسمانی" ہی کو درست قرار دیا اور یہ بھی فرمایا کہ مآثر الامرا میں یوں ہی ہے۔

فارم چھپ چکے ہیں تو ایک ایک فارم بلا تاخیر بھیج دیجیے۔

اب کتاب کی تکمیل میں صرف تین مکاتیب کی کتابت مزید مطلوب ہے، وہ اس خط کے ہمراہ مرسل ہیں۔ جس خوش نویس کا آپ نے ذکر کیا تھا کہ وہ لاہور کے موجودہ کاتبوں میں بہتر درجہ کا تسلیم کیا جاتا ہے، اس سے یہ مکاتیب جلد لکھوا لیجیے اور خود تصحیح کر کے چھپنے کے لئے دے دیجیے تا کہ کتاب مکمل ہو جائے۔

اس کے بعد صرف دیباچہ رہ جائے گا۔ اس کا مسودہ متعاقب بھیجتا ہوں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۱۰۲)

۲۔ ونڈسر پیلس، دہلی

عزیزی،

دہلی پہنچتے ہی خط ملا۔ چھپائی کی تاخیر نے طبیعت کو بے کیف کر دیا ہے۔ جی نہیں چاہتا کہ کچھ لکھوں یا چھپواؤں۔ آپ نے صرف ایک فارم بھیجا ہے، وہی میرے علم میں مطبوعہ ہے۔ اس سے زیادہ ایک ورق بھی اس وقت تک مجھے نہیں ملا۔ پریس والوں کا حال معلوم ہے لیکن توقع یہ تھی کہ آپ کی جانب سے سرگرمی جاری رہے گی۔ دیباچہ فائل میں پڑا ہے لیکن کچھ چھپے ہوئے فارم ملیں تو بھیجوں، کاپیاں لکھوانے سے فائدہ کیا؟

میں ۲۵ تک دہلی ہی میں رہوں گا۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

روی ہو جاتے ہیں۔ فی ہزار ایک دستہ زیادہ رکھ لیا جاتا ہے۔ یا جیسا آپ مناسب سمجھیں۔

۲۔ کاپیاں سب آپ کے پاس چلی گئیں، اس لیے فہرست کی ترتیب کے لیے صفحات مطلوب ہیں۔ اتنی زحمت برداشت کیجیے کہ ہر مکتوب کی تاریخ اور نمبر صفحہ لکھ کر بھیج دیجیے۔ مثلاً:

مکتوب ۱۰۔ اگست ۴۲ء صفحہ........

۳۔ ہر کاپی جو چھپ جائے اس کا ایک فرما بھیجتے رہیے۔

آپ اور محمد احمد صاحب جس قدر زحمت میری خاطر اٹھا رہے ہیں اس کا مجھے پورا احساس ہے۔ احمد صاحب کا خط بھی مجھے مل چکا ہے۔ شکر گزار ہوں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۱۰۱)

کلکتہ

۲۰۔ دسمبر ۱۹۴۵ء

عزیزی،

اگر میں صحت کی کمزوری اور اشغال کے ہجوم سے مجبور ہو گیا تھا تو آپ کو تو بالکل خاموش نہیں بیٹھنا تھا؟ کچھ نہیں معلوم کہ کاپیوں کا کیا حشر ہوا۔ میں نے کہا تھا جونہی فارم چھپنا شروع ہوں، مجھے ایک ایک کاپی بھیجتے رہیے، لیکن ابھی تک ان کی صورت نظر نہیں آئی مجھے امید ہے کہ آپ کی جانب سے عمداً تغافل نہیں ہوا ہو گا۔ اگر تمام کاپیاں چھپائی جا چکی ہیں تو

غلطی نہیں ہے[1]

میں بیماری سے لڑتا رہا، لیکن اب اعتراف شکست کے سوا چارہ نہیں۔ پرسوں بندھیاچل کا قصد کر رہا ہوں۔ یہ ایک غیر آباد مقام ہے اور آب و ہوا کے لحاظ سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کئی ڈاکٹروں نے اس پر زور دیا۔ مسودات ساتھ لے جا رہا ہوں۔ تنہائی سب سے بڑی نعمت ہے جس کا تشنہ ہوں۔ امید ہے کہ وہاں ہاتھ آئے۔ آپ کو جو رسالہ کتابت کے لیے بھیجنا تھا وہ انشاءاللہ وہاں سے بھیجوں گا، کیونکہ اس کے بعض اجزاء میں مزید اضافے کرنے ہیں، جو رہائی کے بعد مطالعہ کتب سے سامنے آئے۔ جب احمد نگر میں قلم بند ہوا تھا تو حافظہ کے سوا کوئی چیز سامنے نہ تھی۔

"ترجمان" حصہ سوم کی نسبت منشی عبدالقیوم نے جو کچھ کہا تھا، وہ ان کا ذاتی خیال ہوگا۔[2] میں تو انھیں بندھیاچل بلا رہا ہوں تاکہ اس کام میں لگا دوں۔ جواب بندھیاچل ضلع مرزاپور کے پتہ سے بھیجیے۔ بندھیاچل ریلوے اسٹیشن کے پاس پوسٹ آفس ہے اور اس سے انتظام ڈاک کا کر لیا گیا ہے۔ والسلام علیکم

ابوالکلام

---

[1] میں ملا معین واعظ کاشفی سے بالکل بے خبر تھا اور صرف ملا حسین واعظ کاشفی سے آگاہ تھا لہٰذا مولانا کی تحریر دیکھ کر خیال ہوا کہ ممکن ہے نام صحیح نہ لکھا ہو۔ مقصود صرف یہ تھا کہ مولانا کو اطلاع ہو جائے اور اپنے لیے اطمینان مطلوب تھا۔

[2] منشی عبدالقیوم نے کسی سے ذکر کیا تھا کہ "ترجمان" جلد سوم ابھی تیار نہیں ہوئی۔

(۱۰۳)

بندھیاچل (ضلع مرزاپور)

۴- جنوری ۴۶ء

عزیزی،

کلکتہ سے ایک رجسٹرڈ خط مع مسودات کے بھیج چکا ہوں۔ آپ کی خاموشی تع
ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ "غبار خاطر" کی کاپیاں چھپیں یا نہیں؟ میں نے آپ پر اعتماد کیا
ہے کہ آپ کی جانب سے دانستہ تغافل عمل میں نہیں آئے گا۔ مجھے بلا تاخیر
حال سے مطلع کیجیے۔ میں ۱۵- جنوری تک یہیں بندھیاچل میں مقیم رہوں گا۔

---

(۱۰۴)

آل انڈیا کانگریس کمیٹی

سوراج بھون، الہ آباد

بندھیاچل (مرزاپور) ۲۰- جنوری ۴۶ء

عزیزی،

"غبار خاطر" کا بہت تھوڑا حصہ باقی ہے۔ مطمئن رہیے۔ تقیہ کا بیان جب
ہوگی۔

ملا معین واعظ کاشغی، ملا محمد حسین صاحب تفسیر حسینی سے مختلف شخصیت
ان سے مقدم ہے۔ ملا معین نے سیرۃ میں "معارج النبوۃ" لکھی ہے اور تف
"...کار" دونوں متداول ہیں۔ پس یہ نام بجنسہ رہنے دیجیے، اس میں کتابت

نے گھر بنا لیا ہے اوائل اکتوبر میں ۱۷ کاپیاں آپ کے حوالے کی گئیں آج ۲۰ رجنوری ہے
اور ایک فارم سے زیادہ وجود پذیر نہیں ہو سکا ہے!

عجب نہیں کاغذ کے معاملہ میں روپے کا سوال اُٹھا ہو، میں نے بار بار آپ سے کہا کہ
کہ میں روپیہ بھیج دے سکتا ہوں، لیکن آپ نے اور محمد احمد صاحب نے بہ اصرار انکار کیا
اور کہا کہ بعد کو لے لیا جائیگا۔ اب کم از کم یہی کیجئے کہ کاپیاں واپس کر دیجئے کہ کوئی اور انتظام
کیا جائے۔ بہرحال آپ کا شکر گزار ہوں [۱] والسلام علیکم

ابوالکلام

---

(۱۰۷)

تار کا ترجمہ

۲۵ رجنوری ۱۹۴۶ء

(نئی دہلی سے)

چودھری غلام رسول مہر، انقلاب۔ لاہور

مہربانی فرما کر تمام چھپے ہوئے فرمے دہلی بھیج دیجئے [۲]

(ابوالکلام آزاد)

---

[۱] کاغذ یا روپے کا سوال نہ تھا چھپائی مولوی محمد احمد صاحب نے اپنے ذمہ لی تھی اور بعض ناگزیر اسباب
کی بنا پر اسمیں غیر معمولی تاخیر ہو گئی، اس تاخیر میں مولانا نے جو تاثرات قبول کئے ندامت سے عرض کرنا پڑتا
ہے کہ وہ بالکل درست تھے۔ [۲] مراد ہے غبارِ خاطر کے فرمے۔

(۱۰۵)

۴۔ وِنڈسر پیلیس، نئی دہلی

مکرمی تسلیم

مہر صاحب کا خط حضرت مولانا کے نام آیا تھا کہ وہ دو تین دن کے لیے باہر جا رہے ہیں[۱]

اُن کو اطلاع دے دیجیے گا کہ کتاب کی قیمت جو مقرر ہو چکی، وہ ہو چکی۔ اب زیادتی نہ ہوگی۔

اس کے علاوہ سو جلدیں کسی شخص کے ہاتھ مولانا کے پاس مسٹر آصف علی کے مکان واقع مندرجہ بالا پر روانہ فرما دیجیے۔ ریل سے نہ بھیجیے۔ امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

نیاز مند

محمد اجمل خان

---

(۱۰۶)

دہلی، ۲۔ جنوری ۴۶ء

عزیزی،

جب چھپائی کا یہ حال ہے تو لکھنا بے سود ہے۔ لاہور میں آپ کی اور محمد احمد صاحب کی عزیزانہ سرگرمیوں نے طبیعت میں نئی امنگیں پیدا کر دی تھیں، لیکن اب ان کی جگہ افسردگی

---

[۱] یہ خط خان محمد اجمل خاں پرائیویٹ سیکرٹری نے سالک صاحب کو لکھا تھا، اس لیے کہ میں لاہور سے باہر چلا گیا تھا۔

(۱۰۹)

دہلی یکم فروری ۱۹۴۶ء

عزیزی

۳۱ کا خط ابھی ملا، اپنی صحت کی کہانی آپ کو کیا سناؤں ؟

گہے از دست، دگاہے از دل و گاہے ز پا ... تم

بہ سرعت می روی اے عمر! می ترسم کہ واماتم

کل صبح کراچی جا رہا ہوں۔ غالباً ۵ کو کلکتہ واپس ہوں اور فوراً شیلانگ کے لئے روانہ ہو جاؤں گا اس لئے بقیہ فارم کلکتہ کے ہی پتہ سے بھیجئے۔ ۵ یا ۶ کو وہاں پہنچوں گا ڈول جائیں گے۔ دیباچہ وغیرہ کل کراچی سے روانہ کردوں گا۔ وہاں ایک بجے پہنچ جاؤنگا۔ ہوائی جہاز سے سفر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آدمی بہ اطمینان تمام لکھ سکتا ہے کان بیکار رہ جاتے ہیں، اس لئے آنکھیں پوری یکسوئی کے ساتھ کام کرنے لگتی ہیں۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

(۱۱۰)

دہلی ۱۱ مارچ ۱۹۴۶ء

عزیزی

"غبار خاطر" کا دیباچہ وغیرہ بھیجتا ہوں، یہ سابق انداز سے بڑھ گیا ہے اب آپ کی مستعدگی و آمادگی کی آزمائش ہے اگر جلد اور صحت کے ساتھ یہ چھپ گیا تو

(۱۰۴)

دہلی ۳۰ جنوری ۴۶ء

عزیزی

پانچ فارم مع پہلے فارم کے جو پہلے آچکا تھا، وصول ہوئے۔ ۱۶۴ صفحے پر ختم ہونے والے فارم کے بعد ۱۶۵ والا ہونا چاہیئے مگر وہ غائب ہے صفحہ ۱۸۱ والا فارم اس کے بعد آیا ہے معلوم نہیں وہ کاپی ابھی جمی نہیں یا غلطی سے فارم بھیجنے سے رہ گیا۔

پہلا فارم اگرچہ بالکل صاف نہیں چھپا تھا، تاہم غنیمت تھا لیکن اب جو فارم آئے ہیں انھیں دیکھ کر طبیعت کو بڑی کوفت ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح سنگ کا کام بالکل نہیں ہوا، جیسی کچھ کاپی جمی تھی اس پر چھپائی شروع کر دی، جا بجا حروف ناقص ہیں، دوائر درستگی سے رہ گئے ہیں اور بعض حروف سیاہی کا دھبا بن گئے۔ اکثر سطور داغدار اور میلی ہیں۔ غلطیاں بھی رہ گئی ہیں۔ بہر حال آپ کو جو دردِ سر کرنی پڑی اس کے لئے شکر گزار ہوں[۱]۔ دیباچہ عنقریب پہنچ جائے گا۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

[۱] بلا شبہ چھپائی توقع اور امید کے خلاف اچھی نہ تھی اس وجہ سے مولانا بہت متألم ہوئے، مگر دیکھئے کہ اس اہتمام کے لئے بھی جو شکستہ اعتراف تھا، زبانِ قلم پر شکریہ کے الفاظ ہیں:

(۱۱۲)

بمبئی ۱۴ مارچ ۱۹۴۶ء

عزیزی

۱۱ کو دہلی سے دیباچہ وغیرہ کا مسودہ رجسٹرڈ بھیج چکا ہوں، اب غلط نامہ بھیجتا ہوں، یہ غلط نامہ لوح کے بعد رکھا جائے اس کے بعد فہرست ہوگی۔

چونکہ کتاب کے تمام نسخے مجلد فروخت ہوں گے اس لئے ٹائٹل پیج اس طرح کا چھپوانا چاہیے جو جلد کے اوپر کے کور کا کام دے جیسا کہ عام طور پر انگریزی کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس کے لئے کاغذ کسی قدر دبیز رکھنا پڑیگا اور اتنا بڑا ہونا چاہیئے کہ دونوں طرف اس کے اطراف جلد کے اندر تک چلے جائیں۔

فہرست کے بعد پھر ایک سادہ لوح رکھی گئی ہے جس پر صرف "غبارِ خاطر" متوسط قلم سے لکھا جائیگا، لوح کی طرح زیادہ جلی نہ ہوگا۔

اب بنیادی باتیں تین ہیں

(۱) خوشنویس بہتر سے بہتر ہو، آخر کے اوراق آپ نے جس سے لکھوائے ہیں وہ بدخط ہے، خدارا اُس سے نہ لکھوائیے۔

(۲) جلد کام ہونا چاہیے یعنی کتابت بھی اور طباعت بھی

(۳) کاپیاں اور پروفوں کی صحت۔ اس بارے میں طبیعت بہت اندیشہ ناک ہے اور اگر میرے اندیشے بے جا ثابت ہوئے تو پھر میری خوش اعتقادیوں کا ایک نیا دور شروع ہو جائیگا۔

تصحیح اس طرح نہیں ہو سکتی کہ بغیر اصل مسودے کے مقابلے کے محض کاپیاں پڑھ لی گئیں اور جو بات غلط معلوم ہوئی کاٹ دی۔ اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو نکل چکا ہے

پھر میں اپنے تمام مسودات آپ کے حوالے کر دوں گا۔ نہ ہو سکا تو سمجھوں گا کہ میری محرومی کا علاج نہیں۔

"غبارِ خاطر کے آخری اوراق جس کاتب نے لکھے ہیں وہ بہت ہی بدخط ہے خدا کے لئے اس سے نہ لکھوائیے۔ زیادہ سے زیادہ اُجرت دینے کے لئے طیار ہوں، لیکن جو سب سے بہتر خوش نویس ہو اُس سے لکھوائیے محمد احمد صاحب سے کہئے کہ آپ نے پشاور میں مجھے جو اعتماد دلایا تھا اس پر میں نے بھروسا کیا ہے، امید ہے کہ دیا ہی ہو گا۔

والسلام

ابوالکلام

---

(۱۱۱)

۸۹۔ وارڈن روڈ
بمبئی ۱۳ر مارچ ۱۹۴۶ء

مکرمی مہر صاحب تسلیم

جو مسودہ میں نے دہلی سے رجسٹرڈ روانہ کیا ہے، امید ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ اس میں جو تمہید میں نے لکھی ہے۔ اس کے آخر میں دستخط سے پہلے جو آخری جملے ہیں اُن کی اصلاح یوں کر دیجئے۔

مگر در اصل یہ "بے ستون" نہیں ہے، "بہ ستون" (بہستان یا باغستان) ہے فارسی قدیم میں "باغ" خدا یا دیوتا کو کہتے ہیں، یعنی یہ مقام "خداؤں کی" جگہ ہے[۱]

محمد اجمل خاں

---

[۱] یہ گرامی نامہ خان محمد اجمل خاں کی طرف سے تھا لیکن "غبارِ خاطر" ہی کے سلسلہ میں تھا اور ظاہر ہے کہ مولانا کے ایما پر تحریر ہوا۔

بھیج دونگا۔ مصارف میرے ذمہ ہوں گے۔

سخت مشغولیت کے اوقات میں بھی میں صبح کا وقت نکال لیتا ہوں اور اپنا تھوڑا بہت دماغی کام کر لیا کرتا ہوں۔

محمد احمد صاحب اور سالک صاحب کو دعائے خیر۔

والسلام علیکم

ہاں لاہور میں آخری صفحات کی کاپی محمد احمد صاحب نے دی تھی وہ میرے پاس رہ گئی اب اسے بھی بھیجتا ہوں یہ آخری چو صفحہ تو الگ ہی چھپے گا۔ کیونکہ دیباچہ بڑھ گیا ہے۔

اصل کتاب میں صفحات کا شمار ا سے ہوا ہے، اب دیباچہ کو بھی ا۔ سے شروع کرنا پڑے گا۔ امتیاز کے لئے یہ کر دیجئے کہ اعداد صفحات میں اوپر نہ دئے جائیں نیچے دئے جائیں۔

ابوالکلام

---

(۱۱۳)

بمبئی ۱۷ / مارچ ۱۹۳۶ء

عزیزی،

آخری خطوط کا جو مسودہ میں نے آپ کو بھیجا تھا، اُسکی مطبوعہ حالت میں میں نے پوری طرح نہیں دیکھا تھا۔ صرف ابتدائی حصے پر نظر پڑی اور اس کی غلطیوں نے طبیعت کو بے حال کر دیا۔ لیکن اب اس وقت اُس کا پورا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ سرے سے تصحیح کسی نے کی ہی نہیں۔ اور اگر کی ہے تو اصل مسودے کا مقابلہ کرکے نہیں کی ہے۔

یعنی "صحیح چار بجے کا وقت نہیں ہے" کی جگہ "چار بجے کا وقت ہے" بنادیا جائیگا یا خود اپنے ظن و قیاس سے نئی نئی اصلاحات عمل میں آئیں گی اور تصحیح کی جگہ مزید تخریب ہو جائیگی۔ تصحیح کا اعلیٰ طریقہ ایک ہی ہے یعنی دو آدمی وقت دیں ایک اصل مسودہ سامنے رکھے دوسرا کاپی پڑھتا جائے تصحیح سے مقصد یہ ہے کہ کاپیوں کو اصل مسودہ کے مطابق کردیں۔ اور بس۔ .... مصحح کا فرض تصحیح ہے، اصلاح و ترمیم نہیں ہے۔ اگر ایک مقام مصحح کو غلط معلوم ہو مگر اصل مسودہ میں ایسا ہی ہے تو وہ غلطی چھوڑ دینا چاہئے اس کی ذمہ داری مصحح پر نہیں عائد ہوگی مصنف پر ہوگی۔

میں آپ سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ جیسا کچھ مسودہ ہے، ٹھیک ٹھیک اس کے مطابق کاپیاں درست کردی جائیں، اگر مسودہ میں غلطیاں ہیں تو غلطیاں ہی چھپنی چاہئیں[۵]

مجھے امید ہے کہ آپ اور محمد احمد صاحب اس بارے میں جو کچھ کر سکتے ہیں، ضرور کرینگے اور چھپائی کے بارے مجھے پریشانی اور کوفت نہ ہوگی، لیکن اگر آپ تصحیح کے معاملہ کے لئے پورا وقت نہیں نکال سکتے یا مطمئن ہو کر ذمہ داری نہیں لے سکتے تو پھر میں مزید تاخیر گوارا کرلونگا اور درخواست کرونگا کہ کاپیاں مجھے تصحیح کے لئے بھیجدی جائیں اور دیر ہوگی تو ہو لیکن عبارتیں خبط و مسخ تو نہیں ہو جائیں گی۔

میں یہاں سے کلکتہ جاؤنگا اور پھر غالباً ۲۵ کو دہلی جاؤں۔ آپ یوں کر سکتے ہیں کہ ایک آدمی کے ہاتھ کاپیاں دہلی بھیج دیں میں تصحیح کرکے اس آدمی کے ہاتھ واپس کر سکتا

---

۵ کاتب مولوی محمد احمد صاحب نے تجویز کئے تھے اور چھپائی بھی وہ اپنے اہتمام میں کراتے تھے البتہ ہدایات مولوی صاحب موصوف تک پہنچانا اور رفتار طباعت کے متعلق مولانا کی خدمت میں گذارشات پیش کرنا میرا کام تھا۔ اس سے مقصود حقیقت کی توضیح ہے، یہ نہیں کہ اپنی ذمہ داری سے اعراض کروں، افسوس کہ مولانا کے اندیشے بے جا ثابت نہ ہوئے اور ان کی خوش اعتمادیوں کا نیا دور شروع نہ ہو سکا۔

خیال نہ کریں ۔ ایسے موقعہ پر مصارف کی کمی کرکے آپ مجھے خوش نہیں کریں گے ۔ بلکہ نئی نئی کاہشوں میں مبتلا کریں گے ۔ لاہور میں جو بہتر سے بہتر خوش نویس ہو اس سے کام لینا چاہیے اور دگنی اجرت دینی چاہیے تاکہ دوسرے کام چھوڑ کر اسے جلد سے جلد انجام دے دے ۔ پھر اسی طرح چھپائی کا کام کرنا چاہیے ۔ کاپیاں طیار ہوتے ہی جم جائیں اور بیک وقت متعدد مشینوں پر چھپائی شروع ہو جائے ، اجرت دو گنی سہ گنی دیجئے مجھے ایک لمحہ کے لئے شکایت نہ ہوگی ۔

غلط نامہ آپ کو بھیج چکا ہوں اس کے آخر میں اغلاطِ مندرجہ صدر کا بھی اضافہ کر دیجئے ۔ اس میں تغافل نہ ہو ۔

مجھے امید ہے کہ اس معاملہ میں آپ زحمت برداشت کرکے جو کچھ کر سکتے ہیں ضرور کریں گے ۔ تصحیح دو آدمی بیٹھ کر اس طرح کریں کہ ایک اصل مسودہ پر نظر رکھے ، دوسرا کاپی پر ۔ بغیر اس کے تصحیح محال ہے ۔ کل ہوائی جہاز سے کلکتہ جا رہا ہوں وہیں جواب لیجئے ۔

ابوالکلام

---

(۱۱۴)

دہلی ۱۴ر مارچ ۴۶ء

عزیزی

کل بمبئی سے ایک خط بھیج چکا ہوں چونکہ بمبئی سے براہِ راست کلکتہ جانے کے لئے ہوائی سفر کا فوراً انتظام نہیں ہو سکتا تھا ۔ اس لئے آج دہلی آ گیا ۔ کل صبح کلکتہ کے لئے روانہ ہو جاؤں گا ۔ اب مجھے کلکتہ کے پتہ سے اطلاع دیجئے کہ دیباچہ کا کیا حال ہے ؟ کتابت شروع ہوئی یا ابھی تک خوش نویس کی جستجو ہو رہی ہے ؟

محض قیاس سے تصحیح کردی اور وہ چونکہ عموماً میرے ذوق اور اسلوبِ تحریر کے خلاف ہوا کرتا ہے، اس لئے تصحیح نے اور زیادہ تحریف و تخریب کا سامان کر دیا۔

علاوہ صفحہ ۲۷۳ کی دو غلطیوں کے جن کا لاہور میں ذکر کیا تھا، مزید غلطیوں کا یہ حال ہے۔ صفحہ ۲۵۵ سطر ۸ "اور میں پسند نہیں کرتا کہ ایسی خاموشی میں" کی جگہ "اس خاموشی" میں ہونا چاہیے۔ صفحہ ۲۲ سطر ۲ "جیسے دماغ کا" کی جگہ "جسے دماغ کا" ہونا چاہیے۔

براہِ عنایت مسودہ دیکھئے، آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ کس طرح صریح میری عبارت میں دخل دیا گیا ہے اور اسے محرف کر دیا ہے۔ جس جگہ ہم تیدیتے وہ خود ایک احاطہ تھا، اس کے اندر کسی دوسرے احاطہ کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ چونکہ پچھلے خطوط میں اسی احاطہ کا ذکر کر چکا ہوں اس لیے یہاں اشارہ کیا گیا کہ "احاطہ کے اندر" کاتب صاحب نے اس میں اصلاح کر دی کہ "ایک احاطہ کے اندر" گویا اس احاطہ کے اندر دوسرا احاطہ ہے اور اس میں قبر ہے۔ آپ نے چونکہ اصل مسودہ سامنے نہیں رکھا تھا، اس لئے اسے صحیح سمجھا اور صریح خلافِ واقعہ بات بنا دی گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ دیباچہ وغیرہ جو چھپ رہا ہے اس کا حشر کیا ہوگا؟ پہلے کاتب اصلاحات کرے گا، پھر آپ محض قیاس سے تصحیح کرتے ہوئے دھوکا کھا جائیں گے اور عبارت کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ اگر کاپیاں منگواتا ہوں تو خواہ مخواہ کو دیر ہوگی، پہلے ہی صبر آزما دیر ہو چکی ہے۔ نہیں منگواتا تو پچھلا تجربہ بلائے جان ہو رہا ہے اور طبیعت مطمئن نہیں ہوتی۔ کیا میں یہ توقع رکھوں کہ آپ مجھے اس خلش سے نجات دلا دیں گے۔؟

میں چاہتا ہوں کہ ایک ہفتہ کے بعد یعنی زیادہ سے زیادہ ۲۵ مارچ تک کتاب مکمل ہو کر نکل آئے۔ کافی وقت جلد بندی کے لئے بھی مطلوب ہوگا اور اگر کتاب ایک ہفتہ کے اندر نہیں نکلی تو پھر بہت زیادہ دیر ہو جائے گی۔ آپ خدارا مصارف کی کمی کا

ورنہ کتاب کا ابتدائی حصہ مسخ ہوجائے گا۔

محمد احمد صاحب اور سالک صاحب کو دعا و محبت۔ والسلام

ابوالکلام

---

(۱۱۵)

کلکتہ

۲۲ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء

عزیزی

خطوں کے جواب کا انتظار ہے۔ اس وقت "غبارِ خاطر" کے پروف دیکھے تو ایک غلطی اور نظر آئی۔ مہربانی کر کے اسے بھی غلط نامے میں بڑھا دیجئے۔ صفحے کے نمبر کی ترتیب سے اس کی جگہ نکالی جائے۔

صفحہ ۱۰۱ سطر ۱۴ "چودہ پندرہ برس سے آگے نہیں بڑھا" کی جگہ "چودہ پندرہ برس کی عمر سے آگے نہیں بڑھا" ہونا چاہیئے۔ والسلام

ابوالکلام

---

(۱۱۶)

کلکتہ ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء

عزیزی

"غبارِ خاطر" کی ایک اور غلطی اس وقت نمایاں ہوئی۔ اسے بھی

نیز کاپیوں کی تصحیح کے لئے کیا انتظام کیا گیا ہے؟ مسودہ میں نے بمبئی جانے سے پہلے روانہ کر دیا تھا۔ غالباً ۱۱ مارچ کو یا ۱۲ کو مل گیا ہوگا، آج ۱۸ ہے ایک ہفتہ ہو چکا کتابت کا کام ایک ہفتہ سے زیادہ کا نہ تھا۔ بشرطیکہ بلا تاخیر شروع کر دی ہو۔

مجھے امید ہے تصحیح و نگرانی کے بارے میں مزید مایوسیوں کا سامنا نہ ہوگا۔ لاہور میں آپ نے از سرِ نو توقع دلائی ہے اور میں نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ تصحیح کے لئے بنیادی بات یہ ہے کہ کاپیاں محض قیاس کی بنا پر درست نہ کی جائیں بلکہ اصل مسودے سے لفظ بہ لفظ مقابلہ کر کے تصحیح کی جائے یہ کام صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ بہ یک وقت دو اصحاب کام میں شریک ہوں۔ ایک کاپی پڑھتا جائے دوسرا اصل مسودے پر نظر رکھے۔ تصحیح کا معیار ذاتی قیاس نہ ہو بلکہ مسودے سے مطابقت۔ اگر مصحح کہیں غلطی بھی محسوس کرے تو دخل نہ دے اس کا کام اصلاح نہیں ہے اصل مسودہ سے مطابقت کی کوشش ہے۔

غلط نامے کی بعض اغلاط جو پہلے رہ گئی تھیں بعد کو لکھ کر بھیجی گئی ہیں ان کا اضافہ کر دینا ضروری ہے۔

ٹائیٹل پیج اس طرح کا چھپوانا چاہیئے کہ جلد کے اوپر کور کا کام دے کیونکہ تمام نسخے مجلد فروخت ہوں گے۔

لوح دو ہوں گی، ایک فہرست سے پہلے، ایک مقدمے سے پہلے فہرست سے پہلے والی لوح پر کتاب کا نام جلی قلم سے بہ طرزِ لوح لکھا جائے گا لیکن دوسری لوح میں اس درجہ کا جلی قلم نہیں ہونا چاہیئے، متوسط قلم سے نام لکھا جائے اور صفحہ کے وسط میں لکھا جائے۔

خوشنویس اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیئے۔ جس خوشنویس سے آپ نے آخر کے اجزا لکھوائے ہیں، وہ نکما ہے اس سے خدارا نہ لکھوائیے گا

۷۔ جلد پوری کپڑے کی ہو، ۳۳ روپے فی مد مجھے منظور ہے۔ آرڈر دیدیجئے
کلکتہ دہلی ہوائی جہاز سے دہلی روانہ ہونگا۔ اور ۵ تک ٹھہروں گا۔"

والسلام علیکم

اگر محمد احمد صاحب والا کاتب اچھا ہے تو لکھئے کوئی دوسری کتاب کتابت
کے لئے بھیج دوں

ابوالکلام

---

(۱۱۸)

دہلی ۲۔ اپریل ۱۹۴۷ء

عزیزی

زندگی کی سخت غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ تھی کہ "ترجمان القرآن" اول کے طبع ثانی کی اجازت .... کو دے دی۔ دو برس گزر چکے ہیں، کچھ معلوم نہیں اس کا کیا حشر ہوا۔ اجمل خاں خط پر خط لکھ کر تھک گئے جواب ہی نہیں ملتا، میں چاہتا ہوں آپ ان سے ملیئے اور میری جانب سے دریافت کیجئے کہ "ترجمان" کا کیا حشر ہوا؟ نیز بطور خود صورت حال معلوم کرکے مجھے مطلع کیجئے

سالک صاحب کو دعائے خیر

ابوالکلام

غلط نامے میں شامل کر دیجیے۔

صفحہ ۲۰۶ سطر ۴ " انسان اپنی زندگی کے اندر" کی جگہ " انسان اپنی ایک زندگی کے اندر" ہونا چاہیے۔

کوئی خط آپ کا ابھی تک نہیں ملا۔

ابوالکلام

---

(۱۱۷)

کلکتہ

۱۔ اپریل ۱۹۴۶ء

عزیزی

مدت کے انتظار کے بعد اب آپ کا خط مورخہ ۲۰ر مارچ وصول ہوا۔

۱۔ لوحیں اتنی ہی رہیں گی جتنی قرار دی گئی ہیں۔

۲۔ کور جو جلد کے اوپر آئے گا، اس پر وہ عبارت اور شعر (مپرس تا چہ نوشتہ است الخ) لکھی جائے جو اندر کی اصل لوح پر لکھی گئی ہے، "یعنی" ابوالکلام آزاد کی بعض تحریرات جو قلعہ احمد نگر کی قید کے زمانے میں (۹ راگست ۱۹۴۲ء سے ۱۵ رجون ۱۹۴۵ء تک) لکھی گئیں" روشنائی رنگین نہ ہو سیاہ ہو

۳۔ نام ابوالکلام آزاد ہی لکھیے احمد سے لوگ آشنا نہیں ہیں گو نام وہی ہے۔

۴۔ پشت پر بھی "غبار خاطر" از ابوالکلام آزاد لکھا جائے۔

۵۔ قیمت چار روپے للعہ مجلد کور پر لکھ دیجیے۔

۶۔ اس سے اطمینان ہوا کہ صحت کی طرف سے آپ نے اطمینان دلایا ہے۔

(۱۲۰)

تار کا ترجمہ

نئی دہلی ۔ ۷۔ اپریل ۱۹۴۶ء

مہربانی فرما کر "غبارِ خاطر" کا مکمل نسخہ معاً بھیجیے

آزاد

---

(۱۲۱)

نئی دہلی

۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۶ء

جنابِ محترم!

آپ کے سب سلام پہنچ گئے، مولانا شکر گزار ہیں اور دعا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو نہی موقع ملا آپ کو بلاؤں گا۔

راقم

محمد اجمل خاں[1]

---

[1] خان محمد اجمل خاں سے ذاتی تعلقات بھی بہت گہرے تھے لیکن اب سے مولانا کے ساتھ نامہ و پیام انھیں کی وساطت سے ہونے لگا ان کے جو خطوط مولانا کے مکاتیب کے ساتھ درج کئے جا رہے ہیں وہی ہیں، جو مولانا کے ارشاد کے مطابق انہوں نے مجھے تحریر فرمائے۔ کہیں کہیں ضمناً دوسری باتوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔

(۱۱۹)

دہلی ۴؍اپریل ۱۹۴۶ء

عزیزی

خط پہنچا۔ کلکتہ سے ایک خط لکھ چکا ہوں، آپ کا خیال صحیح ہے۔ نظیری کے مقطع میں "ماند" زیادہ موزوں ہے، بہ مقابلہ "اند" کے

تاریخ واقعاتِ شہاں نانوشتہ ماند
افسانۂ کہ گفت نظیری کتاب شد

آپ کاپی میں "ماند" ہی کردیں[1]

اب خدا را جلدی کیجئے لکھ چکا ہوں کہ تمام نسخے جلد سازی کے لئے فوراً دیدئیے جائیں۔ جلد پوری کپڑے کی ہوگی۔

میں "حالی پبلشنگ" کو آپ کے نام کا خط دے رہا ہوں۔ جلد سازی میرے ذمے ہے۔ وہ مجلد نسخے لے لیں گے۔ والسلام علیکم۔

ابوالکلام

---

[1] مولانا کے مسودے میں نظیری کے اس شعر کا پہلا مصرع یوں تھا۔

"تاریخِ واقعاتِ شہاں نانوشتہ اند"

میں نے عرض کیا تھا کہ اصل شعر میں نے یوں دیکھا ہے

"تاریخِ واقعاتِ شہاں نانوشتہ ماند

مولانا نے فرمایا کہ "اند" کی جگہ "ماند" بنا دیا جائے۔

کرنا ناممکن ہے۔

۵۔ احیاء القلوب، تاریخ حبیب اللہ میرے کتب خانہ میں ہیں۔ اگر جانا ممکن ہوا تو لادوں گا۔ مطبوعہ ہیں (لوہے کے ٹائپ کلکتہ کی)

۶۔ تاریخ "لب لباب" وہی ہے جسے آپ دیکھ چکے ہیں۔

۷۔ درمکنون (فارسی) بھی میرے کتب خانے میں ہے، اس میں مہدیوں کو گالیاں دی گئی ہیں، جن میں حضرت سید احمد اور سید محمد جونپوری وغیرہ کا نام ہے۔

مثنوی کی نقل کے لئے میں نے خط لکھ دیا ہے جمیع کتب کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر میں جا سکا تو لے آؤں گا۔

میں نے دادا صاحب کے حالات کے متعلق بھائی صاحب کو خط لکھا ہے۔ وہ تلاش میں ہیں ؛

مولانا کی طبیعت ہنوز ویسی ہی ہے صحت ہونے پر اطلاع دوں گا، مگر یہ کہ ڈاکٹر سید عبدالعلی لکھنوی بھی ٹونک کی چند قلمی کتابوں کا ذکر کرتے تھے یہ ندوۃ العلماء لکھنو کے سکریٹری ہیں اور نبیرہ سید احمد شہید ہیں ؛

نیازمند

اجمل

---

(۱۲۳)

۱۳۔ جنوری ۱۹۴۷ء

برادر محترم

جمعرات کو مولانا کلکتہ گئے تھے، کل اتوار کو آنے والے تھے معلوم نہیں کیوں

(١٢٢)

٢٧- دسمبر ١٩٤٦ء

مکرمی

تسلیم

دو خطوں کا جواب دینے ہی والا تھا کہ آپ کا کارڈ ملا

١ Chantes Populaire Les Afgans

کے متعلق آپ پروفیسر نعیم الرحمن علے بیلی روڈ الہ آباد کو میرے حوالے سے لکھ دیجئے۔ یہ کتاب پبلک لائبریری الہ آباد میں موجود ہے اور اگر یہ لوگ اس کے ممبر ہوئے تو وہاں سے لے کر آپ کو روانہ کر دیں گے، ورنہ اس کی تفصیل آپ کو مل جائے گی۔ کہ کہاں چھپی ہے تا کہ آپ خود خرید سکیں

٢- پیرجی کا فالنامہ قصبہ گوتنی ضلع پرتاب گڈھ میں دس پندرہ سال ہوئے میں نے خود دیکھا تھا۔ میں خط لکھتا ہوں اگر وہ صاحب موجود ہوئے اور کتاب باقی ہوئی تو نقل مل جائے گی۔ اس کی نصف نقل میں نے کرائی تھی۔ ممکن ہے الہ آباد میں میرے کاغذات میں ہو

٣- اسلامی تجدیدی تحریکیں ISLAMIC Movements of ISLAM

یا اسطرح کا کوئی انگریزی نام ہے جولیس جرمانس Germanus نے شانتی نکیتن بنگال سے شائع کیا ہے۔ پتہ اس کے ملنے کا یہ ہے۔

Secretary Vishwabharti

P.o SHANTINIKETAN (BENGAL)

٤- رسالہ جہاد میرے کتب خانہ الہ آباد میں موجود ہے، لیکن بغیر میرے گئے اس کا ملنا مشکل ہے میری بیوی دمہ کی مریض ہیں اور کمزور بے حد ہیں ان کے لئے تلاش . . .

(۱۲۵)

نئی دہلی

۱۷-۲-۴۷

برادرِ محترم تسلیم

آپ کے دو گرامی نامے موصول ہوئے، مولانا فرماتے ہیں کہ جیسا آپ نے لکھا ہے اس طرح کی غفلت کاتبوں وغیرہ سے ہو جاتی ہے۔

محمد اجمل خاں

میں نے دادا صاحب اور والد صاحب کے حالات کی جستجو کی[۵]۔ دادا صاحب کے حالات بہت ہی کم دستیاب ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر آپ فرمائیں تو ایک خط کی صورت میں، جس میں بعض دیگر تفاصیل بھی ہوں، لکھ کر روانہ کر دوں۔ والد صاحب کا انتقال ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ اس وقت میں طالب علم تھا۔ دادا صاحب غدر سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے۔

نیاز مند

اجمل

---

۵ ان حالات کی جستجو مجھے اپنی کتاب 'جماعت مجاہدین' کے سلسلے میں تھی۔

نہ آسکے ؛

میں غالباً ۲۰ تک الہ آباد سے واپس آسکوں گا، بشرطیکہ حضرت مولانا نے ۵ اکی رات کو جانے کی اجازت دے دی۔

عند الملاقات مفصل گفتگو ہوگی ۔

نیاز مند

اجمل

---

(۱۲۴)

دہلی ۹ - فروری ۴۶ء

عزیزی،

"غبارِ خاطر" کے نئے ایڈیشن کی تصحیح میں آپ نے بھی حصہ لیا تھا اور میں اس طرف سے بالکل مطمئن تھا لیکن بعض مقامات پر نظر پڑ گئی تو معلوم ہوا کہ غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مثلاً "طائرہ" کو ظالم کاتب نے "طاہرہ" بنا دیا ہے۔ بہرحال ان اغلاط سے طبیعت کو زیادہ کوفت نہیں ہوئی، لیکن اس وقت ایک صاحب نے دکھایا کہ عید اضحی کو عید الفضحی کر دیا ہے[1]۔ یہ غلطی ناقابل برداشت ہے۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ غلط نامہ کتاب کے ساتھ شامل کیا جائے۔ معلوم نہیں کتنے نسخے نکل چکے ہیں۔ بہرحال کل بھیجوں گا۔

ابوالکلام

---

[1] یہ غلطی واقعی ناقابل برداشت تھی۔ کاپی دیکھتے وقت درست کر دی گئی تھی، لیکن کاتب نے تصحیح نہ کی۔ اُسے یقین تھا کہ صحیح وہی ہے جو اس کے قلم سے نکلا ہے ؛

محمد احمد خان صاحب کو میں نے ایک خط لکھا ہے۔ جواب کا منتظر ہوں جو انگریزی ڈکشنری انہوں نے چھپوائی ہے، اس میں ہر سطر میں اغلاط ہیں۔ پروف دیکھ رہا ہوں، اس کو دُرست کرانے کے بعد شائع کرنا چاہیئے۔ ورنہ ڈکشنری اگر غلط چھپے تو گویا پوری زبان (جو اس کے ذریعے سے سکھائی جائے گی) غلط ہو جائے گی۔

براہِ کرم انھیں سمجھا دیجئے گا۔ میں علیحدہ بھی ان کو خط لکھ رہا ہوں۔

چونکہ موجودہ مکان یکم مئی تک تبدیل کرنے کا ارادہ ہے، لہٰذا آئندہ خطوط کے جوابات ۱۹ - اکبر روڈ بذریعہ وزیر تعلیمات آئیں تو بہتر ہوگا۔

سیرت بھی محمد احمد خاں صاحب کے زیر نگرانی طبع ہو رہی تھی۔ اس کا مقدمہ (پس منظر اسلام) دہلی میں چھپ رہا تھا، لیکن عرصہ دو ماہ سے اس کے چند فارم نہیں چھپ سکے۔ طباعت بند ہے۔ پریس والوں نے مجھے فون کیا تھا کہ بعض وجوہ سے طباعت رُکی ہوئی ہے اور انھوں نے محمد احمد خاں صاحب کو لکھا ہے۔ جواب کا انتظار ہے۔

میں بھی آپ کی طرح سیرت کو جلد از جلد شائع ہوتا دیکھنا چاہتا ہوں لیکن معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ ابھی اس کی طباعت شروع بھی نہیں ہوئی۔

نیاز مند

اجمل

---

(۱۲۸)

نئی دہلی

۲۹ - اپریل ۶۲ء

برادرم تسلیم

طباعت کے متعلق مولانا کو حالات بتا دیئے گئے، بلوچستان کے متعلق مولانا

(۱۲۶)

نئی دہلی

۲۰- اپریل ۱۹۴۷ء

برادرم تسلیم

مولانا کا شملہ جانا ابھی طے نہیں ہوا- جونہی ہوا، آپ کو اخبارات سے معلوم ہو جائے گا:

محمد احمد خاں صاحب کو مسودہ عنقریب روانہ کر دیا جائے گا۔

آپ کی کتاب کب تک شائع ہو گی؟

محمد احمد خاں صاحب میری چند کتابیں چھاپ رہے تھے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ آج کل وہ اپنی مشغولیتوں کی وجہ سے اس کام کا جلد سرانجام نہ کر سکے ہیں نے بنیادی ہندوستانی پر چند رسالے بھی انھیں دیئے تھے، جس میں ایک لغت بھی تھی معلوم نہیں کہ کیوں دیر ہو رہی ہے۔

نیازمند

محمد اجمل

---

(۱۲۷)

نئی دہلی

۲۰- اپریل ۱۹۴۷ء

برادر محترم تسلیم

گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت مولانا کو طباعت کی حالت بتا دی گئی۔

"ترجمان" ابھی نہیں پہنچا۔
محمد احمد خان صاحب کا خط آیا تھا۔

والسلام مع الاکرام
نیازمند
محمد اجمل خاں

---

(۱۳۰)

۲۲۔ پرتھوی راج روڈ، نئی دہلی
۸۔ جولائی ۱۹۴۷ء

برادر محترم تسلیم

آپ کو معلوم ہے کہ .... نے عرصہ ہوا "ترجمان القرآن" شائع کردی ہے لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ باوجود متعدد خطوط اور ایک تار کے انھوں نے نہ تو حضرت مولانا کو ایک جلد روانہ کی، نہ خطوں کا جواب دیا۔ کتاب بازار میں موجود ہے لیکن وہ خود بھیجنا نہیں چاہتے۔ کیا آپ ان کی اس بدمعاملگی پر توجہ دلا کر انھیں فرائض محسوس کرائیں گے؟

اُمید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا اور آپ کی کتاب جلد شائع ہونے والی ہوگی۔

محمد احمد خاں صاحب، فرنٹیئر کمپنی لمیٹڈ کے نام سے کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے "بیس منظر اسلام" دہلی میں چھپوانا شروع کی تھی لیکن مہینوں سے وہ ادھوری چھپ کر رہ گئی ہے۔ پریس والے انھیں خط پر خط لکھتے ہیں، لیکن وہ جواب نہیں دیتے ....

جس سیرت کا آپ سے ذکر ہوا تھا اس کا نصف بھی محمد احمد خاں صاحب کے ذریعہ سے چھپنے والا تھا۔ مسودہ ان ہی کے پاس ہے لیکن ابھی تک ایک فارم بھی وابستۂ سنگِ مطبع نہ ہوسکا۔

نے فرمایا کہ کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی[۱]۔ انہیں اپیل کرنا چاہئے۔ اپیل میں معاملہ ادھر آجائے گا۔ پھر جو کچھ ہونا ہوگا، ہوگا۔

محمد احمد خاں صاحب کا خط آیا ہے۔ حالات معلوم ہوئے۔ زیادہ نیاز

محمد اجمل خاں

---

(۱۲۹)

۸۔ مئی ۱۹۴۴ء

برادرم
تسلیم

میں نے انتقالِ مقدمہ کے سلسلے میں حضرت مولانا سے گفتگو کی تھی انھوں نے فرمایا تھا کہ اس بارے میں کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی۔ مقدمہ چلے گا، پھر اپیل ہوگی۔

آپ فرماتے ہیں کہ "اپیل کو پہنچے ہوئے کم وبیش دو مہینے گذر چکے ہیں" غالباً آپ کی مراد "درخواستِ انتقالِ مقدمہ" ہے نہ کہ اپیل، کیونکہ اپیل تو فیصلہ کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

بہرحال جو کچھ مولانا نے فرمایا ہے وہ میں آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اب آپ جو حکم دیں وہ کروں۔

آپ آخر میں پھر تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ اپیل کی نقل پڑھ لیں" اس سے بھی مراد "درخواستِ انتقالِ مقدمہ" ہے۔

حضرت مولانا کو سلام پہنچا دیا گیا۔ وہ دعائے خیر کہتے ہیں اور آج کل حالات کی رفتار سے بہت بے چین ہیں۔ اللہ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔

---

[۱] یہ ایک عزیز کا معاملہ تھا، جس کی تفصیل یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۳۲)

۱۹- اکبر روڈ- نئی دہلی

۸- اکتوبر ۱۹۴۷ء

برادر محترم　　　　تسلیم

گرامی نامہ ملا - ان حالات کو پڑھ کر بہت افسوس ہوا، حضرت مولانا نے اس کے متعلق فوری کارروائی کرنے کا انتظام کیا ہے اور امید ہے کہ کسولی سے وہ بخیریت لدھیانہ تک پہنچا دیئے جائیں گے[1]

محمد احمد خاں صاحب یہاں ۵- دسمبر کو تشریف لائے تھے اور دس بارہ دن کے قیام کے بعد ہوائی جہاز سے لاہور تشریف لے گئے ہیں- وہ بیچارے بھی تباہ ہو گئے ہیں ان سے میرے حالات معلوم ہوں گے[2]

اگر وہ لاہور میں ہوں تو میرا سلام پہنچا دیجئے گا- میں نے کئی خط بھیجے، جواب نہیں ملا- اسی طرح ایک محمد ذکی خاں نمبر ۱ فلیمنگ روڈ پر مقیم ہیں- ان سے کہلوا دیجئے کہ ان کی بیوی مع الخیر ان کے والد کے پاس ہیں- دہلی سے عرصہ ہوا چلی گئی ہیں، لیکن ان کا سامان جو یہاں تھا وہ لٹ چکا ہے- زیادہ نیاز،

جواب کا متمنی　　　　اجمل

---

[1] اگلے خط کا حاشیہ ملاحظہ ہو [2] تقسیم کے دوران میں محمد احمد خاں صاحب بھی خوفناک حوادث کا ہدف بنے اور اجمل خاں صاحب کا سامان بھی دہلی میں لُٹ گیا، ان کی کتابیں نذر آتش ہوئیں- وہ خود مشکل سے بچے-

یہ حال ہے باشندگان .... جیسے عربی میں ..... کہتے ہیں ۔

امید ہے کہ .... سے گفتگو کرنے کے بعد آپ حضرت مولانا کو صورت حال سے مطلع فرما دیں گے ۔

نیاز مند

محمد اجمل خاں

---

(۱۳۱)

نئی دہلی

۲۷ - ۷ - ۴۷

برادرم   سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ عبدالرحیم صاحب کا بھی خط آیا اور جو دو نسخے انھوں نے شملہ روانہ کیے تھے، وہ پہنچ گئے ۔

میں چاہتا تھا کہ سیرت کی طباعت جلد ہو جاتی لیکن محمد احمد خاں صاحب باوجود وعدوں کے اپنا کام اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے تو پس منظر اسلام" دہلی میں چھپوائی ہے۔ پریس والے کہتے ہیں کہ وہ بالکل خبر نہیں لیتے۔ سیرت مکمل پوری تیار کر کے دے چکا ہوں اور ایک سال سے یہی قصہ ہو رہا ہے۔ مدینہ لکھ رہا ہوں لیکن معلوم نہیں وہ کب ادھر متوجہ ہو سکیں گے ۔

خدا جانے آپ کی کتاب کب تک منصۂ شہود پر آئے گی ۔

مولانا کو میں نے سلام پہنچا دیا اب دوبارہ عرض کیا، وہ بھی سلام کہتے ہیں اور دعائے خیر کرتے ہیں ۔

نیاز مند

اجمل

(۱۳۴)

۵ ستمبر ۱۹۴۹ء

عزیزی

خط ملا، کیا آپ اپنے کسی کاروبار کے سلسلے میں دہلی نہیں آسکتے؟ اگر ممکن ہو تو آیئے اور ایک دو دن یہاں ٹھہریئے۔

والسلام علیکم

ابوالکلام

(۱۳۵)

دہلی ۲۲۔ اکتوبر ۴۹ء

عزیزی،

آپ نے لکھا ہے، وسط نومبر میں آپ آئیں گے، ضرور آیئے اور یہیں ٹھہریئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

(۱۳۶)

نئی دہلی ۲۱۔ نومبر ۱۹۴۹ء

مائی ڈیر چودھری صاحب

مولانا صاحب نے آپ کے خط کی رسید بھیجنے کے لئے کہا ہے موصوف

(۱۳۳)

۱۹ - اکبر روڈ، نئی دہلی
۲۱ - اکتوبر ۱۹۴۷ء

برادرم تسلیم

پہلے خطوط کا جواب دے دیا گیا تھا اور حضرت مولانا نے فرمایا تھا کہ میں خود کارروائی کردوں گا۔ بلکہ اس سلسلے میں شملہ ٹیلیفون بھی کیا گیا تھا۔ معلوم نہیں آپ کے بھائی لدھیانے پہنچے یا نہیں[۱] اور تعجب ہے کہ آپ تک خط کیوں نہیں پہنچا۔

راقم
محمد اجمل خاں

---

[۱] میرا چھوٹا بھائی امیر احمد خاں علوی سناور (نزد کسولی) میں تھا۔ دہ وہاں سے ایک قافلے میں روانہ ہوا خود بال بچوں کے ساتھ موٹر میں تھا اور سامان ٹرک میں رکھا تھا۔ موٹر اور ٹرک راستے میں رہ گئے۔ میرے بھائی کا کنبہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ بڑی دیر کے بعد کالکا سے ایک کارڈ ملا۔ دس پندرہ دن کے بعد کنبے کا ایک حصہ بہ خیر و عافیت پہنچا اور خاصی دیر کے بعد میرا بھائی اور بچے آئے۔ اس سلسلے میں مولانا کو بھی لکھا تھا۔ اس سے پہلے خط میں بھی یہی ذکر ہے۔

(۱۳۸)

گورنمنٹ آف انڈیا

منسٹری آف ایجوکیشن

نئی دہلی ۳ ۔ ۴ جنوری ۵۰ء

ڈیر چودھری صاحب

مولانا صاحب کو آپ کے خطوط موصول ہوئے۔ وہ ۶۔ جنوری سے ۱۲ جنوری تک دہلی سے باہر رہیں گے۔ اگر آپ ۱۲۔ جنوری کے بعد دہلی تشریف لائیں گے، تو وہ یہاں موجود ہوں گے۔

آپ کا فرمانبردار

ایم ۔ این ۔ مسعود

پرائیویٹ سکریٹری عزت مآب وزیر تعلیمات

(۱۳۹)

۲۰۔ مئی ۵۰ء

منوگرام

عزیزی

وزیر تعلیمات ہندوستان

آپ کا خط مجھے مل گیا تھا، مگر اِدھر اس درجہ مشغولیت رہی کہ میں اس معاملے کی تفصیلات پر غور کرنے کے لئے وقت نہیں نکال سکا۔[1] بہر حال بہت جلد صورت حال سے آپ کو مطلع کر دوں گا۔ آپ کا خط میں نے ضروری کاغذات میں رکھ دیا ہے تاکہ پیش نظر رہے۔ والسلام علیکم ابو الکلام

[1] میں نے مولانا کے حسب ارشاد ایک سکیم بنائی تھی کہ "ترجمان القرآن" کی تینوں جلدیں پورے اہتمام سے کم از کم مدت میں شائع ہو جائیں۔ شیخ نیاز احمد صاحب (شیخ غلام علی اینڈ سنز) اس سلسلے میں گرانقدر رقم خرچ کرنے کے لئے تیار تھے۔ میری تجویز یہ تھی کہ تفسیر سورۂ فاتحہ کو ترجمان سے الگ کر لیا جائے۔ جلد اول کے حواشی میں اتنا اضافہ فرما دیا جائے کہ یہ جلد دوسری اور تیسری کے درجے پر آ جائے۔ تفسیر فاتحہ "ام القرآن" کے نام سے الگ شائع ہو جائے۔ مکتوب گرامی میں اس معاملے کی طرف اشارہ ہے۔

اس ماہ کے آخر تک دہلی میں ہوں گے۔ موجودہ پروگرام کے مطابق ۲۔ دسمبر کو میسور جائینگے اور تین چار روز میں واپس آجائیں گے۔ دسمبر کے تیسرے ہفتے میں دوبارہ تین چار روز کے لئے بمبئی تشریف لے جائیں گے۔ آپ دہلی آنے کا قصد ایسے موقع پر کیجئے کہ مولانا صاحب یہاں موجود ہوں[۱]۔

مخلص

ایم۔ این مسعود

(۱۳۷)

نئی دہلی
۱۷۔ دسمبر ۱۹۴۹ء

جناب عالی

مولانا صاحب نے آپ کے خط کی رسید بھیجنے کے لئے کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ دہلی میں قیام کے متعلق چنداں فکرمند نہ ہوں۔ ان کا مکان آپ کی آمد کا استقبال کرنے کے لئے موجود ہے۔

آپ کا فرمانبردار

ایم۔ این مسعود

---

[۱] یہ مولانا کے پرائیویٹ سیکریٹری کے انگریزی خط کا ترجمہ ہے۔ میں نے پروگرام دریافت کیا تھا، اس لئے کہ دہلی جانے کا قصد کر رہا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے یہ خط لکھوایا۔

سید صاحب کے متعلق ہیں جنھیں مولانا منگوا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں بہتر ہوگا کہ آپ دہلی تشریف لے آئیں اور کچھ دن ٹھہر کر اطمینان سے یہ کتابیں دیکھ لیں[۱]۔

۲۔ "ترجمان القرآن" کی طباعت کے متعلق بھی آپ دہلی آجائیں گے تو باتیں ہو جائیں گی۔

مولوی عبد الرزاق صاحب اپنی کتاب "نہج البلاغۃ"[۲] ختم کر چکے ہیں۔ ان کو آپ کا سلام کل پہنچا دوں گا اور رسالہ کے متعلق بھی کہہ دوں گا۔

نیاز مند

محمد اجمل خاں

---

(۱۴۱)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ، نئی دہلی

۳۔ جنوری سنہ ۵۱ء

برادرم تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۹۔ جنوری سنہ ۵۱ء ملا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بہت اچھی بات ہے۔ خوشی سے آیئے اور یہاں قیام کیجئے۔

مولانا ملیح آبادی کو تشویش تھی کہ کتاب پہنچی یا نہیں[۲]۔ بہر حال اب آپ کی اطلاع سے وہ مطمئن ہو گئے ہیں۔ امید ہے کہ سیرت نبوی کے متعلق آپ سے یہاں آنے پر گفتگو ہو سکے گی[۳]۔

نیاز مند محمد اجمل خاں

---

[۱] میری گزارش پر مولانا نے نواب حبیب الرحمٰن خاں ٹونک کے کتب خانے سے حضرت سید احمد شہید کے متعلق کچھ قلمی نسخے منگوائے تھے، یہ ان کا ذکر ہے بعد میں اور کتابیں بھی آگئی تفصیل درج ہے۔ دہلی جا کر ان کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا۔

[۲] نہج البلاغۃ کے حصۂ مکاتیب کا ترجمہ جو مل گیا تھا اور شیخ نیاز احمد صاحب نے اسے چھپوایا تھا[۳] اس سے مراد وہ سیرت ہے جو خاں محمد اجمل خاں نے قرآن مجید کو پیش نظر رکھ کر تیار کی تھی اور "پیس منظر اسلام" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ پہلے مختصر، بعد ازاں متوسط۔ مفصل سیرت ان کے پاس مدت سے تیار ہے۔

(۱۴۰)

۴۔کنگ اڈورڈ روڈ، نئی دہلی
۲۲۔اکتوبر ۱۹۵۰ء

مکرمی تسلیم

بحمدہ، اب مولانا بالکل اچھے ہیں۔ پاؤں اور ہاتھ میں جو ضربات آئی تھیں، ان پر مالش ہوتی ہے اور کوئی شکایت نہیں[1]۔

چند کتابیں سید صاحب کے متعلق حضرت مولانا کے پاس آگئی ہیں مثلاً:

ا۔ مجموعہ خطوط، چشم دید حالات: اردو کی ایک ضخیم کتاب، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں نواب صاحب ٹونک نے سید صاحب کے ساتھیوں کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ تمام چشم دید حالات لکھوا دیں۔ مولوی حیدر علی نے یہ مرتب کئے۔ افسوس ہے کہ اس میں زیادہ تر خوش اعتقادی کے واقعات ہیں۔ ان کی زندگی کے تاریخی کوائف پر روشنی نہیں پڑتی۔ درمیان سے ناقص بھی ہے۔

ب۔ مجموعہ فارسی: اس میں بھی سفر کے حالات اور قیام کی تفصیلات ترتیب وار درج ہیں۔ نواب صاحب ٹونک سے معلوم ہوا کہ وہاں کے کتب خانے میں بعض اور کتابیں بھی

---

[1] مولانا ۱۹۔ اکبر روڈ والی کوٹھی سے ۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ والی کوٹھی میں منتقل ہو گئے تھے۔ آٹھویں دن رات کے وقت باہر نکلتے ہوئے گر گئے جس سے ہاتھ اور پاؤں میں سخت ضربات لگیں اور مدت تک پابند بستر رہے۔ میں اس سے پیشتر ایک مرتبہ ڈھاکہ سے واپس آتے ہوئے دہلی میں ٹھہر کر انھیں دیکھ چکا تھا۔ پھر ایک مرتبہ مولانا موٹر میں جا رہے تھے اچانک سامنے سے دوسری موٹر آگئی مولانا کے ڈرائیور نے اپنی موٹر ایک دم روکی۔ جھٹکا لگنے سے مولانا موٹر ہی میں گر گئے اور ہاتھ پر سخت ضرب لگی۔

یہ لکھا تھا کہ جو خطبہ آپ مرتب کر رہے ہیں اُسے کر سکتے ہیں، لیکن اس میں آپ نے لکھا تھا کہ غرض طباعت نہیں۔ اب جو خط آیا ہے اس میں اس کی طباعت کا ذکر ہے۔ اس کا کوئی جواب مولانا نے نہیں دیا۔ جب آپ یہاں تشریف لائیں گے تو گفتگو کر لیجئے گا۔

"ترجمان" کے متعلق آپ کا تخمینہ پہنچ گیا اور حضرت مولانا کو دے دیا گیا۔ وہ ان کے سامنے ہے مگر ان کو درد کمر اور بخار کی شکایت ہو گئی ہے۔ پارلیمنٹ جانا بھی بند ہے اور سب کام بند کر رکھا ہے۔ ذرا طبیعت درست ہو تو آپ کو لکھیں گے۔

آپ کا خط آنے کے دوسرے دن مولانا ملیح آبادی صاحب کے نام کا روپیہ امرتسر سے وصول ہو گیا تھا، وہ انہیں دے دیا گیا۔ رسید انھوں نے ابھی نہیں دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ کتاب ایک اشاعت کے لئے وہ اس معاوضہ پر دے سکتے ہیں یہی شرط ہوئی تھی ہمیشہ کیلئے نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے بہتر ہو کہ آپ ان سے براہ راست خط و کتابت کر کے معاملہ صاف کر لیں، یا مسودہ واپس کر دیں، جو صورت طے ہو۔

خلاصہ سیرت کا کام تیزی سے ہو رہا ہے اور اُمید ہے کہ ماہ مارچ کے آخر میں کتاب بالکل مکمل ہو جائے گی۔ اس کے لئے بھی تحریری یادداشت کی ضرورت ہو گی +

حضرت مولانا کی طبیعت جوں ہی درست ہوئی وہ آپ کو خط لکھیں گے۔ ٹونک سے بعض کتابیں آگئی ہیں۔ بقیہ کے لئے حضرت مولانا نے لکھوایا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ بھی مل جائیں گی +

اُمید کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور جلد ملاقات ہو گی۔

نیازمند

محمد اجمل خاں

(ڈپٹی پرائیویٹ سیکریٹری حضرت مولانا آزاد مدظلہٗ)

(۱۴۲)

۴۔کنگ اڈورڈ روڈ، نئی دہلی
۱۷۔فروری ۱۹۵۱ء

برادرِ محترم تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۳۰۔جنوری وصول ہوا تھا مگر احمد آباد جانے کے بعد ۲۔فروری سے حضرت مولانا کو بخار شروع ہو گیا کچھ کھانسی بھی تھی، اب بحمد اللہ اچھے ہیں۔ مولانا عبد الرزاق صاحب کو آپ کا سلام پہنچا دیا گیا۔ لیکن ابھی تک الفیس روپیہ نہیں ملا۔

جن کتابوں کو آپ نے ٹونک سے منگوانے کیلئے کہا تھا، وہ پھر بذریعہ تحریر منگوائی گئی ہیں۔ دو کتابیں آچکی ہیں، بقیہ کا انتظار ہے۔ سیرت کی تلخیص ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ جلد ہو جائیگی خلافت کے خطبہ کے متعلق بالمواجہ گفتگو ہو جائے گی۔[1] میں سمجھتا ہوں کہ ایسے پبلک ڈاکومنٹ کی اشاعت کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر مقصود اشاعت نہیں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے بلکہ صرف ترتیب ہے تو اس کو تو آپ ضرور کر سکتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

نیازمند
محمد اجمل خاں

---

(۱۴۳)

۴۔کنگ ایڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

مکرمی تسلیم

آپ کے پہلے خط کا براہِ راست مسلم ٹاؤن کے پتہ پر جواب دے دیا گیا تھا پہلے خط میں

---

[1] مولانا کا خطبۂ صدارت جس میں خلافت کے مسئلے پر مفصل بحث کی گئی تھی۔

(۱۴۵)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ، نئی دہلی

دوشنبہ ۱۶۔ اپریل ۵۱ء

برادر محترم۔ تسلیم

گرامی نامہ ۶۔ مارچ کو ملا تھا۔ جواب دے دیا گیا تھا، امید ہے کہ مل گیا ہوگا۔

.... ان دنوں حضرت مولانا کی طبیعت ناساز رہی۔ اب خود انھوں نے اپنے قلم سے ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے، جو مرسل ہے[1]۔

مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کو روپیہ پہنچ گیا ہے لیکن اسکے بعد انھوں نے آپ کو اپنے طور پر خط لکھا ہے اور اپنا مسودہ واپس مانگا ہے۔

میرا خلاصہ سیرت بھی تیار ہے، امید ہے کہ مئی جون میں اس کی اشاعت کی کوئی سبیل نکل آئے گی۔ اس زمانے میں مجھے فرصت بھی ہوگی۔

نیازمند

محمد اجمل

(۱۴۶)

۴۔ کنگ ایڈورڈ روڈ نئی دہلی

۹۔ مئی ۵۱ء

مکرم و محترم جناب مہر صاحب تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۶۔ اپریل پہنچ گیا اور حضرت مولانا کا خط انھیں دیدیا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کتابیں ٹونک سے آئی ہیں ان میں کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ اپنی کتاب شائع کر دیں ان کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] یعنی خط ۱۴۷

(۱۴۴)

ایجوکیشن منسٹر انڈیا
۱۶ - اپریل ۱۹۵۱ء

عزیزی،

آپ کا خط مجھے فروری میں مل گیا تھا، مگر میں یکے بعد دیگرے امراض میں مبتلا رہا۔ اور آپ کو بروقت جواب نہ بھیج سکا۔ آپ "ترجمان" کی طباعت کیلئے جو کوشش کر رہے ہیں اس کے لئے شکر گزار ہوں +

مجھے تین روپیہ رائلٹی منظور ہے۔ صرف اتنی تبدیلی چاہتا ہوں کہ جسطرح پچھلا ایڈیشن چھ ہزار چھپا تھا، نیا ایڈیشن بھی اتنی مقدار میں چھپے۔ جہاں تک تیسری جلد کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں اس کی تعداد اس سے بھی زائد ہونی چاہیئے۔ جو لوگ پہلی دونوں جلدیں لے چکے ہیں، وہ ضرور تیسری جلد بھی لیں گے اور نئے خریدار بھی مکمل سٹ کے خواستگار ہوں گے۔ اس پہلو پر غور کر لیجئے

میں پہلی فوراً دے سکتا ہوں، دوسری بھی تیار ہے۔ ان کی کتابت کا کام بلا تاخیر شروع ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد تیسری کا مسودہ مطلوب ہوگا۔

لیکن اب ایک وقت یہ پیش آگئی ہے کہ میں ۳ مئی کو انگلینڈ جا رہا ہوں۔ جون کے آخر میں واپس آؤں گا۔ جتنے دن اب اپریل کے باقی رہ گئے ہیں، ان میں معاملے کی انجام دہی مشکل ہوگی۔ بظاہر اسکے سوا چارہ کار نظر نہیں آتا کہ کام جولائی کے پہلے ہفتے میں انجام پائے۔

جولائی میں پہلی جلد دے دوں گا، ستمبر میں دوسری جلد۔ یہ دونوں جونہی قریب الاختتام ہوں گی تیسری جلد کی طباعت شروع کر دی جائے گی۔

ہر جلد کی رقم مجھے علیٰحدہ علیٰحدہ وصول ہو جانی چاہیئے، چھ ہزار طباعت کا معاہدہ ہوگا۔[۱]

ابوالکلام

---

[۱] میرے نام یہ آخری خط ہے جو مولانا نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا +

تقریباً بارہ تصویریں اور تین یا چار نقشے بھی ہوں گے جن کے بلاک بنوانے ہوں گے۔
اُردو کا حق طباعت مناسب معاوضے کے عوض، میں دینے کو تیار ہوں۔ یہ صرف ایک اشاعت کیلئے ہوگا۔ آپ جتنی جلدیں چھاپنا چاہیں چھاپ سکتے ہیں اور چھاپنے کے بعد چند سال کی مدت بھی متعین کر سکتے ہیں کہ اس درمیان میں نہ چھاپ سکوں یا آپ سے دوبارہ معاہدہ کر سکوں۔ اس پہلی طباعت و اشاعت کے بعد کتاب کے جملہ نقشوں اور تصویروں کے بلاک اور پلیٹیں مجھے واپس کر دی جائیں گی۔

میں چاہتا ہوں کہ اس کا ترجمہ یا اس کے خلاصے کا ترجمہ بھارت اور پاکستان کی مختلف زبانوں میں بھی کراؤں اور انگریزی، عربی، فارسی، چینی، جاوی، برمی اور ملائی میں بھی ہو۔ ترجمہ کرانے کا انتظام یہاں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر ان زبانوں میں اشاعت کا کام بھی آپ کر سکیں تو جہاں تک ترتیب و ترجمہ کا کام ہے، وہ میں کرا دوں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کیلئے بنگالی زبان میں سیرت کا ترجمہ بہت کارآمد ہوگا۔ اس لئے کہ بنگالی زبان میں کوئی معقول کتاب اس سلسلے کی نہیں ہے۔ کلکتہ اور بردوان میں میرے چند احباب ایسے ہیں، جو بہت اچھی اُردو اور بنگالی جانتے ہیں۔ وہ ترجمہ کر دیں گے۔ البتہ چینی میں ترجمے سے پہلے انگریزی ترجمہ شائع کرنا ضروری ہوگا۔

یہ ایک بہت بڑے انٹرنیشنل پبلشنگ کا کام ہے اور پانچ چھ سال تک آپ کو مصروف رکھ سکتا ہے، اس لئے سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔

البتہ اُردو اشاعت کے لئے آپ اپنی تجاویز جلد بھیجئے تاکہ معاملہ طے ہو جائے اور آئندہ ہفتے سے کتابت کا کام شروع کرا دیا جائے۔ اگر یہ معاملہ جلد طے نہ ہو سکا تو میں ہند میں کسی نہ کسی صورت سے اس کی طباعت کا انتظام کروں گا، اس لئے کہ مجھے صرف سات ہفتوں کی مہلت ہے۔ اسی میں سب کچھ کرنا ہے۔ کم از کم رسید خط سے مطلع فرمائیے اور جلد۔

نیازمند

محمد اجمل خاں

خلاصہ سیرت تیار ہے۔ رائل سائز کے ۵،۳ صفحات ہوں گے۔ جو رائے ہو جلد لکھئے ملیح آبادی صاحب ملیح آباد گئے ہوئے ہیں بہتر ہو تا کہ آپ انھیں براہِ راست انڈین کلچرل کونسل حیدر آباد ہاؤس کے پتہ پر خط لکھ دیتے۔

اگر جواب خط نہیں تو کم از کم رسید فوراً بھیج دیجئے +

راقم

محمد اجمل خاں

---

(۱۴۷)

۴۔ کنگ ایڈورڈ روڈ نئی دہلی

۹۔ مئی ۱۹۵۱ء

مکرم و محترم زاد مجدکم السلام علیکم

حسب ارشاد حضرت مولانا آج ہی ایک خط روانہ کر چکا ہوں جس میں میں نے یہ لکھا ہے کہ آپ اپنی کتاب پریس کو دے دیں اور ان کتابوں کے دیکھنے کا انتظار نہ فرمائیں حضرت مولانا نے ان کو دیکھا ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔

مولانا ملیح آبادی کل پرسوں واپس آجائیں گے۔ اپنے لڑکے کی شادی میں گئے ہوئے ہیں ہیں اُن کے آنے پر آپ کا پیام پہنچا دوں گا بہتر ہو تا کہ آپ براہِ راست انڈین کلچرل کونسل۔ حیدر آباد ہاؤس نئی دہلی کے پتہ پر بھی انہیں لکھ دیتے۔

خلاصہ سیرت قرآنی تیار ہے۔ یہ تقریباً ۵،۳ صفحات رائل سائز کے (جس پر معارف چھپتا ہے) ہوں گے۔ حضرت مولانا سات ہفتے باہر ہوں گے میں چاہتا ہوں کہ اس درمیان میں یہ چھپ جائے اور میں خود ہندوستان میں اس کی کتابت اور تصحیح کرا دوں۔ اس سلسلے میں

کہ آج کل مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ انشاء اللہ فرصت ہونے پر آپ کو خط لکھیں گے۔

نیازمند

محمد اجمل خاں

مکرر

معلوم نہیں آپ کی کتاب چھپی یا نہیں؟ میری کتاب مختصر سیرت قرآنیہ" سنگم کتاب گھر سے شائع ہو گئی ہے۔ یہ سیرت کبیر کا خلاصہ ہے اور پونے تین سو صفحوں پر مشتمل ہے۔ غلط نامہ چھپ جائے تو جناب کی خدمت میں بھیج دی جائے گی۔ آپ کے ملک میں اس کی اشاعت ہو تو بہت مفید ہوگی۔ اس کے ذرائع پر تحریر فرمائیے۔ اُمید کہ کوتاہ قلمی مانع نہ ہوگی۔

اجمل

---

(۱۵۰)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی

۶۔ جون ۱۹۵۱ء

تسلیم

برادر محترم و مکرم

گرامی نامہ مورخہ ۳۱۔ مئی ۳۔ جون کو ملا، آپ کی بیماری کی نوعیت کیا ہے؟ خدا کرے جلد صحت یاب ہو جائیں اس کتاب طویل کا خلاصہ بھی نو سو صفحے ہو گیا تھا لہٰذا خلاصہ کا خلاصہ تیار کرنا پڑا جو دو سو صفحوں سے کچھ زیادہ، کراؤن سائز پر ۳ پلیٹوں میں آجائے گا اور پلیٹوں پر جموا دیا جائے گا، تاکہ جب جتنی ضرورت ہو چھپوائی جائیں۔ ہزار جلدوں پر تقریباً پہلی مرتبہ ہزار روپیہ مع جلد صرف ہوگا۔ جو بھی قیمت رکھی جائے اور جتنی جلدیں چاہیں پانچ سال تک چھپوائیں۔ پیشگی کوئی رقم معاوضہ نہ ہوگی البتہ رائلٹی ۱۵۔ فی صدی ہوگی۔ پانچ سال کے بعد تجدید معاہدہ ہو سکے گی

(۱۴۸)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۱۱ مئی ۵۱ء

جناب محترم تسلیم

خلاصہ سیرت بھی ۳۳۰ صفحات فل سکیپ کا ہو گیا جو تقریباً پانسو صفحات پر چھپ کر ہوگا اس کے متعلق میں آپ کو پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اب اگر آپ اس کی طباعت کے مسئلے کو جلد طے کر سکیں تو حضرت مولانا ۱۸ مئی کو روانہ ہو جائیں گے اور میں چند ہفتوں میں اس کی کتابت اور تصحیح کرا دوں گا۔ چونکہ اتنی فرصت بعد میں مشکل سے ملیگی لہذا جلد از جلد جو کچھ تصفیہ ہو کر دیجئے میں نے آپ کو پہلے جو خط لکھا تھا اس کی رسید تک نہیں آئی۔

مولانا ملیح آبادی آ گئے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ نے انہیں لکھا ہوگا۔ زیادہ نیاز۔ کم از کم رسید تو بھیج دیجئے تاکہ معلوم ہو کہ کارڈ آپ کو پہنچ گیا۔

نیاز مند

محمد اجمل خاں

---

(۱۴۹)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ، نئی دہلی

۵۱ء

برادر محترم

تسلیم

گرامی نامہ ملا۔ حضرت مولانا کے نام جو مکتوب تھا وہ پیش کر دیا گیا۔ وہ فرماتے ہیں

(۱۵۲)

۴-کنگ ایڈورڈ روڈ نئی دہلی
۳-اکتوبر ۱۹۵۲ء

برادرم تسلیم

گرامی نامہ ملا۔ آپ کا مکتوب حضرت مولانا کو پہنچا دیا گیا وہ فرماتے ہیں کہ آپ کیوں نہیں کسی موقع پر آتے اور یہاں چند روز ٹھہرتے؟ (اس سے زیادہ انھوں نے نہیں فرمایا) یہ صحیح ہے کہ طباعت بہت خراب ہوئی ہے[۱]۔ غالباً بہت ہی ادنیٰ درجہ کی چھپائی بھی اس سے بہتر ہو سکتی تھی۔ اس کی وجہ یہاں کے چند مفلس خوش نویس اور پریس والے ہیں، جنھوں نے دام تو زیادہ لئے مگر کام میں کوتاہی کی۔ اگر جناب سے ملاقات ہوئی تو چند اہم تحقیقاتیں زیر بحث لاؤں گا۔

ملیح آبادی صاحب تک آپ کا پیغام پہنچا دیا گیا۔ امید کہ مع الخیر ہوں گے اور جلد آئیں گے۔

پاکستان کے کئی اخباروں کے پاس سیرت برائے تبصرہ بھیجی گئی تھی۔ کسی نے اس "کفریات" پر توجہ نہیں کی۔ ہند میں عام رائے تو کوئی رائے ہی نہیں، البتہ چند خواص ہیں جیسے علمائے دیوبند اور بعض اخبارات (خلافت، صدق جدید وغیرہ) ان سب نے اس سیرت کے مضامین کی فی الحقیقت سخت مخالفت کی ہے۔ تردید نہیں کر سکے، اس لئے کہ وہ شاید قرآن سے ان بیانات کا کوئی رد نہ لا سکے۔

بعض اہل علم اس کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ بکر میں سب کو ناقابل اعتناء سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ تیرہ سو سال سے قرآن مہجور رہے اور عوام کی رائے کا اسلام کے نام پر غلبہ ہے+

زیادہ نیاز

محمد اجمل خاں

---

[۱] یہ خان صاحب کی مرتبہ سیرت کا ذکر ہے +

صرف اردو کی اشاعت کی اجازت ہوگی۔ بقیہ بیس زبانوں میں ترجمہ میں خود کراؤں گا۔ ان کے لئے بعد میں معاہدہ ہو سکتا ہے۔ انگریزی، عربی، فارسی، بنگالی میں آپ کو دلچسپی ہو سکے گی۔ بقیہ زبانیں ہند، چین، جاوا، برما وغیرہ سے متعلق ہیں۔ کتاب کو میں نے نہایت مختصر اور جامع کر دیا ہے۔ اگر آپ جلد جواب دے سکیں تو بہتر ہے ورنہ میں یہاں کسی نہ کسی طرح طباعت شروع کرا دوں گا۔ پھر یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان سے بات چیت کرکے سب کتابیں خرید لیں۔ ابتدا میں صرف ایک ہزار چھپوانے کا قصد ہے۔ امید ہے جواب میں جلدی فرمایئے گا۔

نیازمند

محمد اجمل خاں

---

(۱۵۱)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی

۲۰۔ دسمبر ۵۱ء

برادر محترم تسلیم

گرامی نامہ بلا تاریخ کل ملا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ آج کل کا موسم بھی اچھا ہے اور انھیں فرصت بھی ہے۔ آپ تشریف لا سکتے ہیں۔

کتابوں کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ پورے کتب خانے کو دہلی منتقل کرنے کا انتظام ہو رہا ہے جو انشاء اللہ آیندہ سال تک ہو جائیگا۔ مزید کتابیں نہیں آئیں۔ مولوی عبدالرزاق صاحب معالجات میں کامیاب ہو کر دہلی آ چکے ہیں[1]

---

[1] بھائی عبدالرزاق صاحب سخت بیمار ہو گئے تھے اور مدت تک بمبئی میں علاج رہ کر واپس آ گئے تھے۔

امید کہ اب آپ اچھے ہوں گے۔

نیاز مند

محمد اجمل خاں

---

(۱۵۵)

۴۔کنگ اڈورڈ روڈ، نئی دہلی

۲۳۔جون ۵۴ء

برادر محترم۔ تسلیم

گرامی نامہ مہر زدہ ۲۱۔جون ۵۴ء آج ملا۔حضرت مولانا ۲۰۔جون کو واپس تشریف لے آئے ہیں۔میں کوشش کروں گا کہ آپ کے مسودہ کے بھیجنے کا کوئی انتظام ہوجائے۔

سیرت کی کتاب نصف سے زیادہ ہو چکی ہے۔جو فارم تیار ہیں انھیں پلیٹوں پر جموانے کا انتظام جلد کرنا چاہتا ہوں۔پیر بہ لینے کے متعلق معلومات حاصل کر کے آپ کو اطلاع دوں گا۔

مولوی عبد الرزاق ملیح آبادی کو آپ کا سلام پہنچا دیا گیا۔وہ بھی سلام کہتے ہیں۔آپ کا کب تک یہاں آنے کا قصد ہے؟

اجمل

(۱۵۳)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ، نئی دہلی
۲۸۔ فروری سنہ ۶۵۳

برادر محترم تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۵۔ فروری ملا، حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ جب آپ کو مہلت ملے، آپ آسکتے ہیں۔

ملیح آبادی صاحب کو سلام پہنچا دیا گیا وہ بھی سلام کہتے ہیں۔

سیرۃ قرآنیہ پر ابھی تک تبصرہ کہیں نہیں ہوا۔ امید کہ وہ آپ دیکھ چکے ہوں گے۔

نیازمند
اجمل

---

(۱۵۴)

۴۔ کنگ ایڈورڈ روڈ نئی دہلی
۳۰۔ مارچ سنہ ۶۵۴

برادر محترم تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۲۔ مارچ ملا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ یہاں دو تین دن کے لئے آجائیں، تو ان سوالوں کے زبانی جواب مل جائیں[۱]۔

---

[۱] یہ سوالات خود مولانا کے سوانح کے متعلق تھے۔

(۱۵۷)

۴۔کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی

۴۔ستمبر ۱۹۵۴ء

برادر محترم۔ تسلیم

گرامی نامہ مع کاغذات بذریعہ ڈپلومیٹک بیگ پہنچ گئے۔ اطلاعاً تحریر ہے کہ حضرت مولانا کو مل گئے۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب آ گئے ہیں۔ پارلیمنٹ شروع ہے۔ حضرت مولانا بفضلہ بخیریت ہیں۔ امید ہے کہ آپ کے آنے میں اب زیادہ دیر نہ ہوگی۔ باقی سب خیریت ہے۔

اجمل

---

(۱۵۸)

۴۔کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی

۲۰۔اکتوبر ۱۹۵۴ء

برادر محترم ۔ تسلیم

آپ کی بیماری کی خبر سُن کر مولانا کو افسوس ہے۔ دعا ہے کہ آپ جلد روبصحت ہو کر یہاں آ سکیں۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب کے پاس سید احمد بریلوی صاحب کے متعلق آپ کی معلومات روانہ کر دی گئی ہیں۔ آپ کی کتاب اگر شائع ہو گئی ہو تو مطلع فرمائیے۔

(۱۵۶)

۳۰۔جولائی ۵۴ء

برادر محترم تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۱۷۔جولائی پہنچ گیا تھا بمنقولہ مضمون اور دوسرے کاغذات کا انتظار ہے جو اس مہینے کے اواخر میں کسی صاحب کے ذریعہ یہاں پہنچیں گے۔ اب یہ مہینہ کل ختم ہو رہا ہے۔ ان کے آنے پر، ان ہی کے ساتھ آپ کی کتاب کی نقل بھی روانہ کردوں گا۔ وہ نقل تیار ہے، مگر کوئی صاحب ایسے نہیں ملے جن کے ہمراہ روانہ کرتا یا پوسٹ آفس سے ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔

یہاں تاریخ آزادی ہند میں "وہابی تحریک" کا بھی ذکر ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی معلومات بہت کارآمد ہو سکتی ہیں۔ آپ کچھ اشارات فرمائیں تو یہاں ہسٹری لکھنے والوں کو ادھر تحقیق کرنے پر لگا دیا جائے۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب اس سلسلہ میں ۱۴۔اگست سے دہلی آجائیں گے۔

سیرت کی کتابت اس ماہ میں مکمل ہو جائے گی۔ چربوں کی ضرورت نہ ہوگی اس لئے کہ پلیٹوں کا انتظام ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا دعائے خیر فرماتے ہیں۔

یہاں بارش کے بعد موسم بہت اچھا ہو گیا ہے، آپ جب چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔

نیازمند

محمد اجمل خاں

(۱۶۰)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی

۱۸۔ دسمبر ۱۹۵۴ء

برادرم۔ تسلیم

آپ کا پوسٹ کارڈ ملا تھا۔ اس میں کوئی بات جواب طلب نہ تھی بیماری کے لئے دست بدعا تھا اور ہوں۔ آنے کے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کا گھر ہے جب جی چاہے آیئے۔ حضرت مولانا اور میں اوائل جنوری میں یہیں ہوں گے۔

میں نے پہلے بھی لکھا تھا اب پھر گذارش ہے کہ حضرت مولانا شکر گذار ہوں گے اگر الہلال بار دوم کے اس نمبر کی کاپی ساتھ لا سکیں جس میں حضرت ابراہیم کی محبت کا مضمون نکلا تھا۔ اگر بقیمت ملے تو مولانا قیمت دینے کو تیار ہیں ورنہ عاریتًا ایک ماہ کے لئے مل جائے، پھر واپس کر دیں گے۔

کتابیں امید ہے روانہ کر دی ہوں گی۔ آپ کے اور کتابوں کے لئے چشم براہ ہوں۔

مولوی عبدالرزاق صاحب کو حلق کا سرطان ہو گیا تھا۔ جلد علاج پر توجہ ہوئی ایک ماہ میں بمبئی سے اچھے ہو کر آگئے بجلی کے اثرات ابھی باقی ہیں۔ عود کرنے کا خطرہ نہیں ہے۔

مولانا آپ کی اس بے مثل کتاب کا شوق سے مطالعہ فرمائیں گے[1]

نیازمند

اجمل

---

[1] سید احمد شہید کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ ان کا جو مضمون "الہلال" سے نقل کرا کے آپ نے بھیجا ہے، اگر اس کا اصل پرچہ کسی قیمت پر ان صاحب سے مل سکتا تو بہتر تھا۔ اگر وہ فروخت نہیں کرنا چاہتے تو ایک ماہ کے لئے عارضی طور پر اُسے یہاں بھجوا دیں۔ دیکھنے کے بعد واپس کر دیا جائے گا۔ غالباً لاہور میں بہت سے لوگوں کے پاس وہ نمبر ہوگا۔[1]

میری کتاب وسیط (ملکہ کبیر کہنا چاہیئے) ۴۸۰ صفحات پر کتابت ہو چکی ہے۔ اب پلیٹوں پر چھپائی جا رہی ہے۔

امید کہ آپ اس خط کی رسید بھیج دیں گے۔ والسلام

محمد اجمل خاں

---

(۱۵۹)

۳۰۔ اکتوبر ۵۴ء

برادر محترم۔ تسلیم

مولانا کو آپ کی بیماری کا حال معلوم ہو کر افسوس ہوا۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو جلد شفا دے۔

اگر آپ کے پاس وہ جلد ہے جس میں چاروں نمبر ہیں تو چند دنوں کے لئے عاریتاً دے دیں مولانا دیکھ کر واپس کر دیں گے۔

یا جس شخص کی جلد سے نقل کیا ہے وہ عاریتاً دے دیں۔ اگر وہ چاہیں کہ اس کا کچھ معاوضہ ملے تو مولانا اس کے لئے بھی تیار ہیں۔ نیازمند

اجمل

---

[1] یہ بحث ابراہیمی والا مضمون ہے جو "الہلال" کے دورِ ثانی میں چار نمبروں میں چھپا تھا۔ مولانا اسے تفسیر سورۂ فاتحہ میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ "الہلال" پاس نہ تھا میں نے پہلے مضمون نقل کرا کے بھیجا۔ پھر پرچے ارسال کئے۔

اگر کسی وجہ سے اتفاق نہ ہوا تو واپس لے جائیے گا۔[1]

مولوی عبدالرزاق صاحب کو آپ کا سلام پہنچا دیا گیا وہ دوبارہ بمبئی گئے تھے۔ اور اب بالکل اچھے ہیں۔

نیاز مند

اجمل

---

(۱۶۲)

۶ر جنوری ۵۵ء

برادر محترم نیا سال مبارک

حضرت مولانا ۱۳۔ جنوری کے بعد آخر ماہ جنوری تک دہلی میں نہ رہیں گے لہٰذا اوائل فروری میں یہاں آنے کا قصد کیجئے۔

آپ کی کتابیں اب تک یہاں نہیں پہنچیں۔

اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں۔ جس میں "الہلال" وغیرہ کے مکمل فائلوں کو جو آپ کے پاس ہیں یہاں لانے کا ذکر ہے

امید ہے کہ دونوں خطوں کی رسید سے مطلع فرمائیے گا۔ اور خیریت مزاج کی بھی خبر دیتے رہئے گا۔

نیاز مند

اجمل

---

[1] یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہیں نے لکھ دیا تھا کہ کسی بھی قیمت پر فائل دینے کے لئے تیار نہیں۔

(۱۶۱)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی
۳۰۔ دسمبر ۵۴ء

برادر محترم۔ تسلیم

گرامی نامہ مؤرخہ ۲۴۔ دسمبر سے خیریت مزاج معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ دعا ہے کہ پوری صحت بھی ہو جائے۔

کتابیں ابھی تک نہیں پہنچیں معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب سے اس سلسلے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ وہ ضرور اس سے استفادہ کریں گے۔

قیمت کے سلسلے میں عرض ہے کہ اس کا تعلق اُس پرچہ سے تھا جو کسی دوسری جگہ سے دستیاب ہو سکتا۔ یہ بات دوبارہ میں نے حضرت مولانا کے ارشاد پر لکھی تھی۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ بقیمت نہ ملے تو ایک ماہ کیلئے وہ پرچہ جس میں حضرت ابراہیم کا ذکر ہے عاریتاً مل جائے۔ اب پھر حضرت نے فرمایا ہے کہ سر دست وہ پرچہ جس میں ذکر ابراہیم ہے عاریتاً ایک ماہ کے لئے مل جائے تو بہتر ہے (یعنی آپ کا نہیں بلکہ اس شخص کا پرچہ جس کے پاس ہے)

مولانا یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس "دس پرچوں کی جلد" کا آپنے ذکر کیا ہے جس میں ذکر ابراہیم ہے وہ ضرور لیتے آیئے گا۔

آپ کے فائل کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ اُسے بھی اپنے ہمراہ لیتے آیئے گا۔ اس کے متعلق وہ آپ سے گفتگو کریں گے۔ ان کی خواہش ہے کہ اسے انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کے کتب خانے میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ اس سے اور لوگ بھی استفادہ کر سکیں اور آپ کو ایک معقول رقم بطور تحفہ کے پیش کر دی جائے[1]۔ بہر حال

[1] یعنی "الہلال" و "البلاغ" کے فائل۔

اُمید کہ آپ اپنا پتہ تحریر فرمائیں گے۔

نیازمند

اجمل

---

(۱۶۵)

نئی دہلی۔۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ

۳۔اپریل ۵۵ء

برادر مکرم و محترم ۔ تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۳۔مارچ ملا تھا امید کہ اس موسم گرما میں اوجاع میں شدت کم ہوگئی ہوگی۔ خدا کرے کہ یہ رکاوٹیں جلد دور ہوں اور آپ جلد تشریف لاسکیں۔

محمد عبداللہ بٹ کا پتہ معلوم ہو تو تحریر فرمائیے گا۔

اجمل

---

(۱۶۶)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی ۲؍مئی ۵۵ء

برادرِ محترم تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۵؍اپریل کاشفِ حالات ہوا۔ حضرت مولانا کو آپ کی حالت سے بہت رنج ہوا وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحتِ کامل عطا فرمائے۔ گو ابھی قطعی طور

(۱۶۳)

۲۶ر جنوری ۵۵ء

برادر محترم - تسلیم

۲۸- دسمبر کا خط مل گیا - حضرت مولانا مدراس کانگرس گئے ہوئے تھے، کل واپس تشریف لائے ہیں - بہت اچھا ہوا کہ آپ کو وہ فائل مل گیا جس کی ضرورت مولانا کو تھی -

آپ کتابوں کو ہمارے ہائی کمشنر کے حوالے کر سکتے ہیں، وہ یہاں مولانا کے نام بھیج دیں گے - افسوس ہے کہ کتابیں یہاں نہ پہنچیں -

بہر حال مولانا فرماتے ہیں کہ آپ جب چاہیں یہاں آئیں، باقی عند الملاقات -

اجمل

---

(۱۶۴)

۴ - کنگ ایڈورڈ روڈ نئی دہلی

۳- اپریل ۵۵ء

برادر گرامی قدر - تسلیم

آپ نے عنوان خط پر حضرت لاہور لکھا ہے - کتابوں کا ریویو مجھے نہیں ملا - نہ وہ تجاویز پہنچیں جن میں آپ نے طباعت کے متعلق تحریر فرمایا ہے -

خیر سگالی مشن آیا تھا، حضرت مولانا سے ملاقات ہو گئی، امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے - حضرت مولانا کو آپ کا سلام پہنچا دیا گیا - دعائے خیر کرتے ہیں -

اٹھلی ہوتے ہوئے واپس ہوں گے۔ آپ اس درمیان میں ہائی کمشنر لندن کے ذریعے
اُن کا پتہ معلوم کر سکتے ہیں۔

آپ کی کتابیں ابھی نہیں پہنچیں، انشاء اب آپ کے آنے کی امید ہے، آپ نے
جو کتاب نقل کرائی تھی وہ مسودہ رکھا ہوا ہے جو صاحب سیرۃ سید شہید لائیں گے
ان کو دے دیا جائے گا۔ کاتب صاحب اجرت کے جلد خواہشمند ہیں۔

جن ۱۹۳۲ء کے پرچوں کے متعلق آپ نے لکھا ہے اُن کی ضرورت
مولانا کو نہیں ہے۔

سیرۃ قرآنیہ کتابت شدہ تیار ہے۔ طباعت میں کاغذ کی قلت کی وجہ
سے تعویق ہے۔ زیادہ نیاز دعا ہے کہ آپ جلد صحت پا کر ہندآ سکیں۔

راقم
محمد اجمل خاں

---

(۱۶۸)

۴۔ کنگ ایڈورڈ روڈ نئی دہلی
۴۔ جون ۵۵ء

برادر محترم تسلیم

آپ نے جو دو جلدیں سید شہید کی روانہ فرمائی ہیں وہ پہنچ گئیں اور اُن کے ساتھ
"الہلال" کی ایک جلد بھی پہنچی، لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت مولانا ۲۳ کی صبح
کو بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو گئے اور یہ کتابیں ۲۳ کے بعد ملیں حضرت مولانا غالباً ۱۲ جون تک

پہلے نہیں ہوا ہے، لیکن مولانا ابھی مئی کے آخر میں باہر جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اگر سفر کی صورت پیش آئی تو پھر آپ سے جولائی میں ملاقات ہوگی۔ اگر آپ انشاء اللہ اس موقعہ پر بخیریت آسکے۔

"الہلال" کی جلدوں کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ آپ مناسب سمجھیں، تو بھیج دیں۔ لیکن "الہلال" باردوم کا وہ پرچہ جن میں اُن کا مضمون ابراہیم اور نام نہاد نمرود کے مناظرے کے متعلق نکلا تھا خاص طور پر انھیں فوراً مطلوب ہے آپ نے اسے نقل کرا کے بھیجا تھا، مگر مولانا چاہتے ہیں کہ اصل پرچہ دو ہفتہ کے لئے انھیں مل جائے۔ اس کے بعد وہ واپس کر دیں گے۔ مہربانی فرما کے رجسٹرڈ انھیں بھجوا دیجئے۔ تاکہ ہفتہ عشرہ کے اندر انھیں مل جائے۔

کتابیں ابھی نہیں پہنچیں، باقی خیریت ہے اور دعا ہے کہ خدا آپ کو شفائے عاجل عطا فرمائے۔

نیازمند

اجمل

---

(۱۶۷)

۴۔ کنگ ایڈورڈ روڈ نئی دہلی

۲۱۔ مئی ۵۵ء

برادر محترم ۔ تسلیم

حضرت مولانا ۲۳ مئی کو بمبئی تشریف لے جائیں گے اور وہاں سے ۲۵ مئی کو بذریعہ اسٹیمر لندن روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں سے دو تین ہفتہ کے بعد فرانس، سوئٹزرلینڈ

ہوتا تھا کہ آپ بہت جلد ولایت جانے والے ہیں۔ آج کے خط میں آپ نے
اپنی صحت کا حال نہیں لکھا، خدا کرے آپ اچھے ہوگئے ہوں۔

عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب کا لاہور جانے کا کوئی ارادہ تھا، نہ ہے
اب وہ اپنے سرطان سے بالکل بچ گئے ہیں اور تندرست ہیں۔ البتہ ان کا
ستارہ ضرور برجِ سرطان میں ہے۔

عامر انصاری صاحب نے آپ کی کتاب نقل کی ہے، وہ نقل بذریعہ
سرکار آپ کے پاس کل پرسوں میں پہنچ جائے گی۔ رسید سے مطلع فرمائیے گا۔ نقل کرنے
کی اجرت سو ۱۰۰ انھوں نے آپ ہی پر چھوڑا ہے جو مناسب سمجھئے بھیج دیجئے۔
وہ عنقریب عربی تعلیم کے وظیفہ پر مصر جانے والے ہیں۔

حضرت مولانا نے آپ کی کتاب پڑھ ڈالی ہے اور میں نے بہت پہلے
پڑھ لی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ لکھنے
کی مہلت نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ کو مہلت ملے تو چند دنوں کے لئے
دہلی آجائیں۔

رسیدِ خط سے مطلع فرمائیے۔

زیادہ نیاز

اجمل

لندن پہنچ جائیں گے ۔ وہاں سے معلوم کروں گا کہ آیا یہ کتابیں وہاں بھی جائیں یا اُن کی آمد کے انتظار میں یہاں رہیں ۔ اُن کا قیام دو ہفتہ (غالباً) لندن میں رہے گا ، آپ ہائی کمشنر آف انڈیا یا انگلینڈ لندن کے پتہ پر انھیں چاہیں تو لکھ سکتے ہیں ۔

اُمید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا ۔ میری وسیط سیرتِ قرآنیہ ۵۰۰ صفحوں سے زیادہ کتابت ہو چکی ہے ، آپ کے انتظار میں پبلشر کا انتظار رہا ۔ اب آپ کی جو رائے ہو کیا جائے ، اگر آپ ولایت تشریف لے گئے تو کب تک واپسی کا ارادہ ہے[لہ] ؟ آپ نے جن صاحب کے متعلق لکھا تھا کہ وہ آئیں گے اور آپ کا مسودہ لے جائیں گے وہ تشریف نہیں لائے ۔ مسودہ جوں کا توں رکھا ہوا ہے ۔ غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے ایک صاحب کا ذکر کیا تھا جو مجھ سے اپنے رسالے فروخت کرنا چاہتے تھے ۔ اب معلوم نہیں وہ کب آئیں گے ۔

جن صاحب نے نقل کی ہے وہ نقل کی اُجرت کے امیدوار ہیں اور چاہتے ہیں کہ ستمبر سے پہلے یہ رقم مل جائے تاکہ وہ مصر جا سکیں ، اُنھیں ایک وظیفہ مل گیا ہے عربی پڑھنے جائیں گے ۔

زیادہ نیاز

اجمل

---

(۱۶۹)

۴ ۔ کنگ ایڈورڈ روڈ ۔ نئی دہلی

۲۹ اگست ۵۵ء

برادرِ محترم تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۱۳ ۔ اگست ملا اس سے پہلے بھی ایک کرم نامہ ملا تھا جس سے یہ مترشح

لہ میں بھی ولایت جا رہا تھا لیکن بیوی کی شدید علالت کے باعث رک گیا اور یہ علالت تین سال تک عناں گیر رہی ۔ ۱۱ر اگست ۵۸ء کو اس کی وفات ہوئی

(۱۷۱)

۴ - کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی
۱۸ اگست ۵۵ء

جناب محترم - تسلیم

کتاب اخبار مولوی محمد نصیر الدین قلمی کی نقل ارسال خدمت ہے۔ عامر انصاری صاحب نے اس کی نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نقل کرنے کی اجرت جو مناسب سمجھی جائے وہ دے دی جائے

حضرت مولانا بفضلہ بخیریت ہیں۔ وہ علیحدہ ایک خط تحریر فرما رہے ہیں۔
براہِ کرم اس نقل کی رسید سے مطلع فرمایا جائے۔

نیاز مند
محمد اجمل خاں

---

(۱۷۲)

۴ - کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی
۱۷ نومبر ۱۹۵۵ء

مکرمی محترم - تسلیم

ابھی آپ کا کارڈ ۱۴ - نومبر کا مرسلہ پہنچا - مولانا کا کہیں باہر جانے کا پروگرام نہیں ہے، آپ ضرور تشریف لائیں -
رہ گیا کتاب کی اجرت کا معاملہ، تو وہ صاحب عرصہ ہوا مصر جا چکے ان کے بھائی یہاں ہیں جو مناسب ہو دے دیا جا سکتا ہے ...

۴- کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی
۱۷ر ستمبر ۵۵ء

(۱۷)

برادر محترم، زیدت المکارم - تسلیم

۱۳ر اگست کا گرامی نامہ کاشفِ حالات ہوا تھا - میں نے عامر انصاری صاحب سے معاوضہ کتابت کے متعلق باصرار پوچھا تو انھوں نے کہا کہ عہ فی صفحہ کے حساب سے دو سو صفحوں کی کتابت تین سو روپے ہوتے ہیں - چونکہ وہ ۲۳ - ستمبر کو مصر جانے والے ہیں، لہٰذا اب اُنہوں نے یہ بتایا ہے - پہلے کچھ بتاتے ہی نہیں تھے - اگر ۲۲ تک کچھ انتظام ہو سکے تو بہتر ہوگا -

حضرت مولانا نے کوئی علیحدہ خط تحریر نہیں فرمایا وہ منتظر ہیں کہ آپ تشریف لائیں تو بالمواجہ گفتگو ہو اور جو کچھ وہ فرمانا چاہتے ہیں فرمائیں، امید کہ آپ کی بیگم صاحبہ کی طبیعت اب درست ہوگئی ہوگی اور آپ جلد دہلی آسکیں گے -

کتاب کے متعلق میری ناچیز رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی - میں جو کچھ لکھوں گا عقیدت سے لکھوں گا اور حضرت مولانا کی رائے کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی - بہتر ہو کہ آپ ایک ہی رائے لکھیں اور وہ حضرت مولانا کی رائے ہو -

خوشی ہوئی کہ تیسری جلد بھی تیار ہوگئی ہے اور کتابت کے لئے جا رہی ہے

باقی عندالملاقات -

حضرت مولانا بفضلہ بخیریت ہے - یہاں موسم بہت اچھا ہے - امید کہ آپ جلد تشریف لائیں گے -

اجمل

ضرورتِ تحریر یہ ہے کہ مولوی عبدالمجید سالک صاحب نے کوئی کتاب «یارانِ کہن» لکھی ہے جس میں بعض بے بنیاد باتیں مولانا سے متعلق درج ہیں۔ مثلاً یہ کہ مولانا اُن کی کتب سے بہت متاثر ہوئے یا جنازہ کے ساتھ قادیان گئے وغیرہ۔

دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ خود سالک صاحب اس کی تردید کر دیں[۵۱]۔

سیرتِ رسولِ عربی کی رسید ابھی نہیں آئی۔ امید کہ پہنچ گئی ہوگی اور آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

ممنون ہوں گا اگر اس خط کی رسید آپ بھیج دیں۔

نیازمند

محمد اجمل خاں

---

(۱۷۴)

۶ رفروری ۵۶ء

برادرِ محترم — تسلیم

گرامی نامہ مورخہ یکم فروری ملا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ کانگریس سے واپسی کے بعد (۱۴۔ فروری تک) آپ کو لکھیں گے۔

ہمایوں کبیر صاحب چھٹی پر ہیں وہ آجائیں تو اُن کے دادا دودو میاں کا شجرہ آپ کو بھجوادوں گا۔ اور تحریک[۵۲] کے حالات بھی اُن سے لکھوا کر بھیج دوں گا۔

اللہ کرے آپ کا پورا خاندان بخیر و عافیت ہو۔

اس سے پہلے میں خط متعلق «یارانِ کہن» لکھ چکا ہوں، امید کہ ملا ہوگا۔

نیازمند۔ اجمل

---

۵۱ تردید کر دی گئی تھی۔ ۵۲ فرائضی تحریک

اگر جناب کو مولوی عبدالرحیم صاحب، زمزم کمپنی لمیٹڈ لاہور کا صحیح پتہ معلوم ہو تو تحریر فرمائیں، انھیں ایک خط بھیجا گیا تھا، جو واپس آ گیا۔ اور اگر ان سے فون پر ملاقات ہو سکے تو فرما دیجئے گا کہ حضرت مولانا کی رائلٹی کی رقم بذریعہ بنک یا بذریعہ اشخاص دہلی وہ روانہ کرسکتے ہیں مگر انھوں نے پھر نہ خط لکھا، نہ دہلی کے کسی صاحب نے کچھ لکھا۔

امید کہ آپ بالکل اچھے ہو گئے ہونگے اور جلد دہلی تشریف لائیں گے۔

نیازمند

اجمل

---

(۱۷۳)

۴۔ کننگ اٹلی درگاہ روڈ نئی دہلی

۳ رفروری ۱۹۵۶ء

برادرِ محترم — تسلیم

میں آپ کے گذشتہ خط کا جواب دے چکا ہوں۔ حضرت مولانا ان دنوں بہت مصروف ہیں۔ پھر ادھر کانگریس میں جانا ہے۔ اس کے بعد پارلیمنٹ شروع ہے، غرض کہ مصروفیت ہی مصروفیت ہے۔ جونہی وہ کچھ لکھ دیں گے میں آپ کی خدمت میں بھیجدوں گا۔ [۱]

---

[۱] یہ میری کتاب "سید احمد شہید" کے متعلق مولانا کی رائے کا معاملہ ہے۔ مولانا نے فرمایا تھا کہ وہ کچھ لکھیں گے۔

ایک انگریزی خلاصہ بھی تیار کیا ہے۔ اگر اس کے لئے آپ کے یہاں کوئی پبلشر ہو تو مسودہ بھیج دوں۔ زیادہ نیاز

شورش اگر ملیں تو سلام پہنچا دیجیے گا اور پوچھ لیجئے گا کہ ہند و فلسفہ پر مضامین کس پتہ پر بھیجوں یعنی ایسا ذریعہ ہو کہ وہ حفاظت سے پہنچ جائیں۔

اجمل

---

(۱۷۶)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی
۲۷ مارچ ۵۶ء

برادرم تسلیم

حضرت مولانا بفضلہ رو بصحت ہیں۔ اگرچہ ابھی قطعی آرام کرنے کی ہدایت ہے۔ اسی لئے وہ دفتر یا پارلیمنٹ بھی نہیں جانے پاتے۔

آپ کے خط سے .... کے کوٹھیوں کے حالات معلوم ہوئے اور جب آپ یہاں تھے تو زبانی بھی معلوم ہوا تھا اور خود ...... کے متعلق آپ مولانا سے زبانی کہہ چکے ہیں اس سوال کو مولانا نے کیبنٹ سب کمیٹی میں اٹھایا اور کافی بحث ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس طرح کے واقعات واقع ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس خاص معاملہ میں نیا طرز عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن بہر حال اگر .... چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ عارضی طور پر ملتوی ہو جائے تو وہ اپنا ریپریزنٹیشن منسٹری ہیلی ٹیشن (محکمہ آبادکاری) کو بھیج دیں کہ میں جائداد متروکہ کے متعلق یہ چاہتا ہوں (یعنی اس کی نوعیت بدستور قائم و بحال رہے) حضرت مولانا پھر اس پر توجہ فرمائیں گے۔

(۱۷۵)

۴ - کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی

۲۹ فروری ۱۹۵۶ء

برادر محترم - تسلیم

آپ کے خط کا بذریعہ ڈاک جواب دے چکا ہوں اور ایک کتاب بھیج چکا ہوں۔ اب دو جلدیں اور رسالے خدمت ہیں، ان میں سے ایک عزیزی شورش کو اور دوسری مکتبہ بیت الحکمت کو یا جسے آپ مناسب سمجھیں دے دیں۔ یہ کتاب میری بیست سالہ محنت و کاوش کا نچوڑ ہے، اگر ممکن ہو اور چند اخبارات میں اس کا ذکر کیا جائے تو بہتر ہے۔

میں نے ہائی کمشنر پاکستان سے معلوم کیا تھا کہ پاکستان میں کتابوں کے جانے پر کیوں پابندی ہے خصوصاً ایسی کتابوں پر جو مذہبی ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ "جو صاحب آپ کی کتاب منگوانا چاہیں وہ مجھے لکھیں۔ میں معاملہ طے کرا دوں گا" غرضکہ اگر اس کتاب کو پاکستان میں عام کیا جا سکے تو "میری رائے میں" یہ اسلام کی ایک خدمت ہوگی۔

جن پبلشر کا نام میں نے کتاب میں دیا ہے وہ اگر اس کے چربے یا پلیٹیں چاہیں تو ہائی کمشنر سے کہہ کر منگوا سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ انھیں اس پر توجہ دلائیں۔

مولانا کا BLOOD PRESSURE[۱] بہت بڑھ گیا تھا۔ دو ہفتہ سے فراش ہیں سب کام بند ہیں، ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ مکمل آرام کریں۔ کل سے دباؤ نارمل ہے آرام کے بعد انشاء اللہ بالکل اچھے ہو جائیں گے اس کے بعد آپ کو یاد فرمائیں گے۔ میں نے سیرت

---

[۱] بلڈ پریشر یعنی خون کا دباؤ۔

(۱۷۸)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی
۱۵؍دسمبر ۵۶ء

برادرِ محترم تسلیم

حضرت مولانا سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھ سے مسامحت ہوئی، کتاب مل گئی تھی۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب کے متعلق آج اختر صاحب کو لکھ رہا ہوں اُن کے پوتے کو پہلے لکھ چکا ہوں مولانا کو اور اس خادم کو سید عبدالجبار صاحب کے انتقال کی خبر سے بہت افسوس ہوا۔ مولانا ان سے خوب واقف تھے۔

کتابت کے متعلق آپ جو بھی مناسب فیصلہ کر دیں، وہی مناسب ہوگا۔ جن صاحب نے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ معمولی صفحات کے نقل کرنے کے لئے ۴ر فی صفحہ یہاں معزہے

امید ہے کہ ۱۰؍جنوری کے بعد آپ سے ملاقات ہوگی۔ سالانہ اجلاس کانگرس ۱۰ کو ختم ہوگا۔

زیادہ نیاز
اجمل

(۱۷۹)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی
۷؍جنوری ۵۷ء

برادرِ مکرم تسلیم

۳۱؍دسمبر کا مکتوب ملا۔ الہلال کی سات جلدیں بحساب فشہ روپے فی جلد خرید لیجئے اور یہاں بھجوا دیجئے مولانا کی طرف سے قیمت دیدی جائیگی۔

مولانا دعائے خیر کرتے ہیں سیرت کی جلدیں یہاں موجود ہیں آپ جب چاہیں منگوا لیں۔ نیازمند
محمد اجمل خاں

بیت الحکمت کو میں کتاب روانہ کرا دونگا۔ اُمید کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

نیاز مند

اجمل

---

(۱۶۷)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی

۱۴ نومبر سنہ ۱۹۵۶ء

برادر محترم تسلیم

۷۔ نومبر سنہ ۱۹۵۶ء کا گرامی نامہ کاشف حالات ہوا۔ خدا کرے آپ اور بیگم صاحبہ اب بالکل اچھے ہوں۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ آپ کے یہاں تشریف لانے کا مناسب وقت ۱۰۔ جنوری کے بعد ہوگا۔

"جماعتِ مجاہدین" مجھے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی[۱] معرفت مل گئی تھی۔ حضرت مولانا کو اس کا نسخہ نہیں ملا۔ شاید آپ اپنے ہمراہ لانے والے تھے

جن صاحب نے آپ کی ایک کتاب نقل کی تھی وہ مصر سے کل واپس آگئے ہیں۔ اور اُجرت کے لئے عرض پرداز ہیں۔

امید کہ آپ جواب میں بطور رسید کے ایک پوسٹ کارڈ بھیج دیں گے۔

راقم

محمد اجمل خاں

---

[۱] مجھے اتفاقیہ تین چار دن کے لئے دہلی جانے کا موقعہ مل گیا تھا اور مولانا کی خدمت میں خود ایک نسخہ پیش کر آیا تھا۔

حصّۂ دوم

(۱۸۰)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ نئی دہلی
۲۱۔ مئی ۵۷ء

برادرِ محترم تسلیم

ایک سٹ حضرت مولانا کے لئے اور ایک میرے لئے ڈاک سے آچکا تھا۔ کہ دوسرا سٹ دونوں کے لئے دستی پہنچا۔ اس کا شکریہ قبول فرمائیے۔ اگر اجازت ہو تو دوسرا سٹ کتب خانوں کو دے دیا جائے۔

حضرت مولانا ان کتابوں کو دیکھ رہے ہیں اور موقعہ ملتے ہی ضرور لکھیں گے اُنھوں نے فرمایا ہے کہ آپ ۱۵۔ اگست کے بعد دہلی آنے کا قصد کر سکتے ہیں براہِ کرم تاریخ کا تعین کرنے کے بعد مطلع فرمادیجئے گا۔ امید کہ اب آپ اور آپ کی بیگم صاحبہ بخیر و عافیت ہوں گے [1]

نیاز مند
محمد اجمل خاں

---

[1] میں اپنی بیوی کی وفات کے باعث جا نہ سکا۔ فروری یا مارچ ۱۹۵۸ء میں جانے کا قصد تھا کہ مولانا اچانک بیمار ہوئے اور تیسرے دن سفرِ آخرت پیش آگیا۔

میرزا غالب کی تصویر

تین تصویریں

غالب کی تین تصویریں میری نظر سے گزر رہی ہیں :

۱- غدر سے پہلے کی ایک تصویر جو درباری لباس میں ہے یعنی سر پر پیچ دار پگڑی ہے اور ہاتھ میں ایک کاغذ جس میں لکھا ہے :

در اندیشہ پیوند قالب گرفت
بخود در شد و شکل غالب گرفت

اور

غالب نام آورم نام و نشانم مپرس الخ

کلیاتِ غالب فارسی کے آخر میں اس کا چربہ چھپا تھا ۔ دوسرے ایڈیشن میں بھی چھپا ہے مگر بعد کے ایڈیشنوں میں سے نکال دیا گیا۔

۲- غدر کے بعد کی ایک عکسی تصویر جس میں کرسی پر بیٹھے ہیں ۔

۳- آخری فوٹو، جو مرض موت میں لیا گیا تھا۔ ایک آدمی نے سہارا دے کر اٹھا دیا ہے اور اسی حالت میں تصویر لے لی گئی ہے ۔

"یادگار" والی تصویر

"یادگار غالب" میں جو تصویر چھپی ہے اس کی حقیقت منشی رحمت اللہ رعد نے مجھ سے بیان کی کہ خواجہ صاحب نے تینوں تصویریں بھیج دی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ جو بہتر ہو اس کی نقل تیار کی جائے، لیکن میں نے

ملا عبدالصمد اُستادِ غالبؔ

غیر معمولی قابلیت

عبدالصمد غیر معمولی قابلیت و استعداد کا آدمی تھا مرزا غالبؔ نے "درفشِ کاویانی" کے آخر میں جو فوائد لکھے ہیں اور انھیں عبدالصمد کی طرف نسبت دی ہے، ان سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ فارسی زبان کے اصول و قواعد اور قدیم فارسی کے رموز و دقائق کا اگر وہ ماہر تھا تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سنسکرت اور قدیم فارسی کے باہمی رشتہ کا راز بھی اس پر کھل چکا تھا اور دونوں زبانوں کے مرادفات کی صحیح مثالیں بڑی تعداد میں نمایاں ہو چکی تھیں:

فارسی اور سنسکرت کا باہمی رشتہ

مرزا غالبؔ "درفشِ کاویانی" کے فوائد میں لکھتے ہیں "در زبانِ دری و زبانِ سنسکرت توافق بیش از انست کہ شمردہ آید" پھر مثالیں دی ہیں اور یہ صحیح ہیں۔ اور سر ولیم جونس وغیرہ کے ابتدائی مباحث میں بھی انہی سے کام لیا گیا ہے: "مہ" اور "مہا"، "سوم" بہ معنی ماہ، "ہم" بہ معنی رفیق، "پاتی" بہ معنی مکتوب و "پتیا" بہ معنی پیام، "دشت" سنسکرت بہ معنی نگاہ، و "شست" فارسی، "پرتاپ" در ہر دو زبان بہ معنی بزرگی و کرامت، "پرشاد" و "فرشاد" بہ معنی تبرک، "باس" ہندی و "باش" فارسی ہر دو بمعنی سکونت، "مہمان" بمعنی ضیف و ضیافت، "کان" و "کھان" بمعنی معدن، "چنگل" و "چھاگل" بمعنی ظرفے کہ برائے نگاہداشتنِ آب از چرم سازند، "دُشت" در ہر دو زبان بمعنی مکروہ، "جال" در ہر دو زبان بمعنی دام، "تال" در ہر دو زبان بمعنی آبگیر، "تِگل" بہ کسرِ اوّل مرادف بیشہ و سنسکرت "تھگلی"، "بوم" فارسی بمعنی زمین، "بھوم"، "بھومی" سنسکرت بہمیں معنی، "تپاس" فارسی، "تپسیا" سنسکرت بہ معنی ریاضت:

مزید مثالیں

"جنگل" بہ معنی بیابان، در ہر دو زبان مشترک کذالک "منگل"

مناسب سمجھا کہ اپنے تخیل سے کام لوں۔ بنیادی طور پر آخری فوٹو کو سامنے رکھا لیکن تخیل کا رُخ اس طرف رہا کہ اس عالم سے چند برس پہلے کا ناک نقشہ کیا رہا ہوگا۔ پھر ایک نیا چوکھٹا موقلم سے تیار ہوگیا۔ میرے خیال میں اس سے غالب کی اصل صورت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے[1]۔

رعد نے تصویر کا جو اندازہ رکھا ہے یعنی ہاتھ میں ایک کاغذ اور نیچے غالب نام آدرم الخ یہ بجنسہٖ وہی ہے، جو غالباً خود غالب کا مجوزہ ہے۔ دیوان غالب فارسی والی تصویر کا صفحہ اسی طرح بنایا گیا ہے۔

جوانی کی تصویر

طالب مرحوم کہتے تھے کہ انہوں نے ایک تصویر جوانی کے عہد کی معلوم کے قلم سے کھینچی ہوئی بھی دیکھی ہے جو آگرہ کے ایک مصور نے تیار کی تھی مگر میری نظر سے کوئی ایسی تصویر نہیں گزری۔ نواب سید محمد اولاد حسین نے ایک مرتبہ مجھے ایک چوکھٹا دکھلایا تھا، جس کی تصویر بہت بگڑی ہوئی اور فرسودہ تھی، کہتے تھے کہ غالب کی جوانی کی تصویر کا عکس ہے۔ ممکن ہے یہ عکس اسی آگرہ والی کا ہو۔

تصویر مومن

خواجہ محمد شاہ امرتسری کے پاس حکیم مومن خاں کی بہت عمدہ تصویر تھی۔ نہیں معلوم اس کا کیا حشر ہوا[2]۔ گردن پر زلفیں پڑی ہوئیں سر پر نوکدار کلاہ، خشخاشی ڈاڑھی، بھرپور چھبیلے۔ کیا زمانہ تھا اور کیا لوگ تھے۔ غالباً یہ اوائل کی تصویر ہوگی ورنہ سید احمد صاحب بریلوی سے بیعت کرنے کے بعد تو متشرع ہو گئے تھے۔

مومن نہیں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

---

[1] آخری فقرہ مولانا کا ارشاد ہے [2] یہ تصویر حیات مومن میں چھپ گئی تھی۔

سینا اور منیو وغیرہ مصطلحات کو بعد کی اختراعات قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں: "مولانا ہر فردو تم عبدالصمد این راز با من می گفت و بر فریب و نیرنگ پارسیان می خندید و نگارندۂ "دبستانِ مذاہب" را یکے از بیناں مے دانست"۔

دساتیر کا مسئلہ

البتہ معلوم ہوتا ہے کہ دساتیر کے بارے میں جو دھوکا سر ولیم جونس وغیرہ کو ابتدا میں ہوا تھا، اس کی حقیقت عبدالصمد پر نہیں کھلی تھی وہ دساتیر کو ساسان پنجم کی واقعی تصنیف تصور کرتا تھا اور مرزا غالب بھی عمر بھر اسی دھوکے میں رہے، حالانکہ دساتیر بھی سر تا سر جعل و اختراع ہے اور قطعاً ظہور اسلام کے بہت بعد لکھی گئی ہے۔ ملا فیروز نے گورنر بمبئی کی فرمائش سے اس کا ترجمہ کر کے مع اصل کے شائع کیا تھا لیکن بہت جلد اہل علم کا فیصلہ اس کے خلاف صادر ہو گیا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس میں ساسانی حکومت کے خاتمے اور تازیوں کے استیلا کی خبر بھی صاف صاف لفظوں میں دے دی گئی ہے، نیز ظہور اسلام کی، گویا ساسان پنجم یا اردشیر بابکان کو اہورا مزد کی وحی سے یہ امور معلوم ہو گئے تھے!۔

اربابِ تحقیق کا فیصلہ

محققین کا فیصلہ ہے کہ اس کی زبان اور ساتھ اس کی شرح (دیباچہ) کی زبان نہیں ہے بلکہ محض ایک بناوٹی اسلوب ہے جس میں پرانے الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں۔

بہر حال ملا عبدالصمد ایک غیر معمولی علم و استعداد کا آدمی تھا۔ اس پہلو کو زیادہ نمایاں کرنا چاہیئے۔

بلاشبہ مرزا غالب کی غیر معمولی فارسی مناسبت و رسوخ میں اس کی تعلیم کو بہت بڑا دخل ہوگا اور اس بارے میں وہ جو لکھتے ہیں، حرف بہ حرف صحیح ہے۔

دبستانِ مذاہب

"دبستان مذاہب" کے مصنف کی نسبت بھی ان کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے آذر کیوان کا ایک شاگرد اس کا مصنف تھا محسن فانی وغیرہ

بہ معنی مرتبع، "شنا" در فارسی بمعنی سیاحت و در سنسکرت "اشنان" بمعنی غسل، "دول" بمعنی ظرفے کہ از چاہ آب کشند، در ہر دو مشترک، "سر بر" در فارسی بمعنی جسم و "شر بیر" در سنسکرت، "کام" فارسی بہ معنی مقصد و سنسکرت بمعنی شہوت جماع و "کامنا" بہ معنی خواہش، "من" بمیم مفتوح در ہر دو زبان بمعنی قلب، "بانو" و "بنو" بمعنی خاتون، "ستان" و "استھان" بمعنی محل، "ساسان" در فارسی ہماں معنی دارد کہ در سنسکرت "سنیاسی" دارد یعنی درویش مرتاض، سلاطین ساسانیہ کے ملقب کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا مورث اعلیٰ قلندرانہ زندگی بسر کرتا تھا ؛

الف فارسی کہ ابتداء کلمہ میں افادۂ نفی کرتا ہے، مثلاً "اخواستی"، "اجنبان"، سنسکرت میں بھی یہی اثر رکھتا ہے مثلاً "امر" و "اجل" مرزا غالب نے اس مشابہت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور دال اور ت، سین اور شین وغیرہ کے استبدال کی بھی مثالیں دی ہیں جو بالکل صحیح ہیں -

پارسیوں کا دینی لٹریچر پارسیوں کا جو دینی لٹریچر اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مستشرقین یورپ اور بمبئی کے پارسیوں کی کوششوں سے نمایاں ہو کر شائع ہوا، اس میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو صریح اسلامی عقائد اور اسلامی روایات کا عکس معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً زردشت کی معراج، جنت و دوزخ کے مشاہدات، پل صراط وغیرہ اسپیگل وغیرہ محققین ان تحریرات کی زبان و اسلوب کے مطالعے کے بعد اس نتیجے تک پہنچے کہ یہ تمام تر بعد از اسلام عہد کے مجوسی اختراعات ہیں اور ان کی قدامت زیادہ سے زیادہ دسویں صدی عیسوی تک لے جائی جا سکتی ہیں اور وہ بھی ہر تحریر کے لئے نہیں ؛

عبدالصمد کی حقیقت شناسی معلوم ہوتا ہے کہ عبدالصمد پر یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو چکی تھی چنانچہ "درفش کاویانی" کے خاتمہ میں سب سے پہلا فائدہ اسی مضمون کا ہے ؛

شرف الدولہ قاسم جان تھے۔ نواب ضمیر مرزا صاحب کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ جب فریزر کی نعش دیوان خانے میں رکھی گئی اور رؤساء شہر اور حکام وہاں پہنچے تو ان میں فتح اللہ بیگ بھی تھے۔ یہ فریزر کی نعش دیکھتے ہی اس پر گرے اور بے اختیار چیخ اٹھے "ہائے! شمس الدین نے تجھے نہ چھوڑا" یہ بات لوگوں نے پکڑ لی اور پھر گو انھوں نے گریز کرنا چاہا مگر سود مند نہ ہوا۔ ان میں اور شمس الدین میں سخت عداوت تھی۔

خط کے پرزے

اسمتھ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لارنس کو مکان کے اندرونی حصہ میں ایک ڈول ملا تھا، اس سے کاغذ کے پرزے نکلے تھے۔ انہیں جب جوڑ کر پڑھا گیا تو یہ عبارت نکلی "تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں دہلی کیوں بھیجا ہے۔ بار بار لکھ چکا ہوں اب تاخیر نہ کرنا"۔

وسائل خاں پر لارنس کو شبہ اس لئے ہوا تھا کہ اس نے ایک سُرنگ گھوڑے کو جو صحن میں بندھا تھا، بیمار ظاہر کیا تھا، مگر جب لارنس نے توبڑا اٹھا کر مُنہ سے لگا دیا تو وہ فوراً کھانے لگا نیز اس کے سُموں پر بھی غیر معمولی نشانات ملے تھے۔

نواب ضمیر مرزا کہتے تھے کہ خط کے پرزے تہہ خانے سے ملے تھے۔

پھانسی سے بیشتر احتیاطیں

نند کمار کے بعد یہ دوسری پھانسی تھی جو ایک ہندوستانی رئیس کیلئے انگریزی قانون کو تجویز کرنی پڑی چونکہ شمالی ہند میں اس وقت تک کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوا تھا، اس لئے حکومت کو غیر معمولی احتیاطوں سے کام لینا پڑا کلکتہ سے ریزیڈنٹ کو لکھا گیا تھا کہ اس بارے میں شاہ دہلی سے ایک فرمان حاصل کرنا چاہئے، نیز علماء و ثقاتِ شہر کا بھی ایک محضر طیار کرانا چاہئے، خصوصیت کیساتھ یہ بات عوام کو دکھانی چاہئے تھی کہ احکام شرع کی رو سے بھی فریزر کا قصاص ضروری ہے۔ اور اس باب میں انگریزی فیصلہ، فیصلۂ شرع کے خلاف نہیں ہے!

محضر اور شقہ

مولوی رشید الدین کے مکاتیب کا جو قلمی مجموعہ میرے کتب خانے میں ہے اس

کی نسبتیں غیر معتمد ہیں۔ سر ولیم جونس نے پہلے اس کتاب کو تاریخ ایران کی مشکلات کا حل سمجھ لیا تھا۔ اور بڑی ٹھوکر کھائی تھی۔ انہی کے ایماء و مصارف سے محمد حسین نے اسے کلکتہ میں چھاپا تھا۔

نواب شمس الدین احمد خاں

فریزر کے قاتل کا سُراغ

نواب شمس الدین خاں کی گرفتاری کی صحیح تفصیلات لارڈ لارنس کی سوانح عمری مصنفہ باسورتھ اسمتھ سے نقل کرنی چاہئیں کیونکہ اس زمانے میں جان لارنس پانی پت میں مجسٹریٹ تھے اور معاملہ کا بنیادی سراغ انہی کی تفتیش و نگرانی سے ہاتھ آیا تھا۔

لائف آف لارڈ لارنس (جلد اول صفحہ ۵۰ فسٹ ایڈیشن) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کا نام وسائل خاں تھا اور اسے لارنس نے نواب شمس الدین کی کوٹھی میں گرفتار کیا تھا سیمن فریزر اور لارنس دونوں کوٹھی میں گئے تھے۔ اسکے بعد کرنل اسکنر نے انیا کا سُراغ لگا لیا اور اس نے آکر تمام تفصیلات بتلا دیں۔

کرنل لارنس کو نواب شمس الدین کا خیال اس لئے ہوا تھا کہ فتح خاں[1] نے ٹامس مٹکاف کے سامنے ان کا نام لیا تھا اور کہا تھا، عجب نہیں شمس الدین کو اس قاتل کا حال معلوم ہو، چونکہ فتح خاں شمس الدین کا مخالف تھا، اس لئے مٹکاف نے اس کی بات پر توجہ نہ کی، لیکن لارنس نے اسے ذہن میں رکھ لیا اور اس طرف تحقیقات شروع کر دی۔

نواب ضمیر میرزا کا بیان

اسمتھ نے فتح خاں کا پورا نام نہیں لکھا اور واقعہ کی صحیح نوعیت بھی اس کے سامنے نہیں آئی۔ یہ فتح خاں فتح اللہ بیگ بن محمد بخش بن

---

[1] فتح اللہ بیگ خاں جیسا کہ مولانا نے خود آگے چل کر فرمایا

کہ میرے خلاف کچھ ہونے والا نہیں۔ دس سوار ساتھ لیکر پالکی میں روانہ ہو گئے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو ایک سوار کو آگے بھجوا دیا۔ ریذیڈنٹ اور حکام موقعہ پر موجود تھے کرنل اسکنر نے (جس کی ان سے گاڑھی دوستی تھی) آگے بڑھ کر کہا کہ نواب صاحب ہتھیار حوالے کر دیجئے اور صاحب کلاں بہادر (ریذیڈنٹ) پر بھروسا رکھئے۔ یہ آپکے لئے جو کچھ کر سکیں گے، کریں گے۔ انھوں نے تلوار حوالے کر دی۔ اس پر مجسٹریٹ آگے بڑھا اور کہا آپ سرکار کے حکم سے گرفتار کئے جاتے ہیں۔ اس وقت سے اپنے کو قیدی تصور کیجئے؛

اب ان کی آنکھیں کھلیں لیکن وقت نکل چکا تھا۔ پھر جب موت سامنے آگئی تو سپاہی زادہ تھا، جواں مردانہ تیار ہو گیا؛

مرزا داغ مرحوم کی والدہ چھوٹی بیگم کا نواب شمس الدین خاں سے تعلق رہا تھا۔ وہ ان کے لڑکے نہ تھے۔ بعد کو لوگوں نے انہیں شمس الدین خاں کی طرف منسوب کر دیا؛

بیگم اور خانم

صاحبہ اور صاحب "بیگم صاحبہ" میں "صاحبہ" ثقات کے طرز تکلم کے خلاف ہے[۱]۔ صرف بیگم ہونا چاہئے۔ علاوہ بریں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دہلی کے ثقات کبھی بیگم "صاحبہ" نہیں کہتے تھے۔ بیگم صاحب کہتے تھے، اور یہی کانوں کو ٹھیک معلوم ہوتا ہے "صاحبہ" مولویوں نے اظہار عربیت کے لئے لکھنا شروع کیا اور اب بہت سے لوگ جو اہل زبان کے دقائق سے بے خبر ہیں، لکھنے لگے ہیں۔ آپ اس سے احتراز کریں؛

---

[۱] میں نے "غالب" کے پہلے ایڈیشن میں بیگم صاحبہ لکھا تھا اس پر یہ ارشاد فرمایا۔

کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ریذیڈنسی کے دفتر انشاء نے ایک تحریر تیار کی تھی جس میں کتب فقہ کی وہ تصریحات نقل کردی تھیں جو ذمی کے قصاص کے بارے میں ہیں اور صورت یہ بنائی تھی کہ فریزر ذمیوں میں داخل تھے، اس لئے ان کے مسلم قاتل اور محرک قتل سے قصاص لینا واجب ہے!
بادشاہ نے بڑی کوشش کرکے بعض علماء کو جو قلعے سے وابستہ تھے، اس پر آمادہ کیا کہ اس تحریر پر دستخط کردیں اور محضر کی بنا پر خود بھی ایک شقہ لکھ کر ریذیڈنٹ کے حوالہ کردیا یہ شقہ اور محضر تمام ملک میں شائع کیا گیا تھا اور ریذیڈنٹوں اور پولیٹکل ایجنٹوں کے ذریعہ تمام ریاستوں کے درباروں میں پہنچایا گیا تھا۔

نواب کی مردانگی

نواب ضمیر مرزا کہتے تھے کہ جب شمس الدین کو پھانسی کیلئے لے جا رہے تھے تو انھوں نے راستہ میں کنجڑے کی دکان پر کسیرو دیکھے۔ جو افسر پالکی کے ساتھ تھا اس سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کسیرو کھاؤں" اس نے پالکی رکوائی اور کسیرو خرید کر سامنے رکھدیئے۔ پھر جب پالکی چلی تو یہ کھاتے جاتے تھے اور چھلکے باہر پھینکتے جاتے تھے!

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے موت کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا۔

انگریزوں پر بھروسا نہ کرنے کا مشورہ

نواب امیر الدین مرحوم کہتے تھے کہ جب دہلی سے طلبی ہوئی اور معلوم ہوا کہ ان پر پوری طرح شبہ ہوچکا ہے تو ان کے خاندان کے تمام آدمی دہلی جانے کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ راتوں رات نکل کر سکھوں کے علاقے میں پہنچ جائیں۔ ایک پرانا اونٹنی سوار احمد بخش کے زمانے کا بڑا وفادار آدمی تھا وہ چپکے سے آیا اور کہنے لگا تمہارے والد کہتے تھے تمہارے بزرگ خراسان کے ملک سے آئے تھے۔ میری اونٹنی سو کوس سے ادھر دم لینے والی نہیں۔ میرے کپڑے پہن لو اور ہمیانی کمر سے باندھ کر نکل چلو۔ فرنگیوں پر بھروسا نہ رکھو، وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

گرفتاری

مگر شمس الدین کو اپنے خاندان اور اپنے امیرانہ علائق کا غرہ تھا وہ سمجھتے تھے

نسّاخ اور میرزا غالب

کلکتہ میں مشاعرے

عبدالغفور نسّاخ اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں کہ جب مرزا غالب کلکتہ میں مقیم تھے تو شاہ اودھ کے وکیل نے فارسی کے کئی مشاعرے اپنے یہاں منعقد کئے تھے اور کلکتہ کے ایرانیوں کی بڑی تعداد ان میں شریک ہوتی تھی۔ ایک مشاعرہ کی طرح یہ تھی: جا نوشتہ ایم، ما نوشتہ ایم۔ غالب نے غزل پڑھی تھی:

تا فصلے از حقیقت اشیا نوشتہ ایم
آفاق را مرادف عنقا نوشتہ ایم

حاجی عبدالکریم اصفہانی کے یہاں، کہ کلکتہ کے بہت بڑے تاجر تھے، ایک ایرانی فاضل مرزا کوچک نام مقیم تھا۔ اس نے مجلس میں کھڑے ہو کر کہا، اس درجہ کا شاعر آج سرزمین ایران میں کوئی نہیں!

یہ غزل دیوان میں موجود ہے:

در ہیچ نسخہ معنی لفظ امید نیست
فرہنگ نامہ ہائے تمنا نوشتہ ایم

وہ[1] لکھتے ہیں یہ واقعہ خود حاجی عبدالکریم نے مجھ سے بیان کیا۔

ایرانی تاجر

اٹھارویں صدی کے اواخر میں ایرانی تاجروں کی بڑی تعداد ہوگئی اور چنسورہ میں مقیم ہوگئی تھی۔ پھر جب کلکتہ صدر مقام ہوا تو یہاں منتقل ہوگئے مرشد آباد میں بھی ایک بڑا محلہ مغلوں (ایرانیوں) کا بس گیا تھا اور انیسویں صدی کے اوائل تک

---

[1] نسّاخ

"بیگم صاحبہ" پنجاب اور پورب کی بول چال ہے، ثقاتِ دہلی کی زبان "بیگم صاحب" ہے۔

بیوی اور بیگم یہاں اوّل تو بیگم کی جگہ "بیوی" لکھنا تھا۔ کیونکہ عنوان کا مقصد بہ حیثیت شوہر کے اپنی بیوی سے محبت رکھنا ہے۔ پس بیوی ہونا چاہیئے نہ کہ بیوی کا تعظیمی لقب۔ پھر بیگم لکھا تھا تو اس کے ساتھ کچھ اور نہیں لکھنا تھا۔ بیگم سے محبت گویا بیگم کو آپ نے بیوی کے مجرد معنوں میں لے لیا

خانم "مسز" کی جگہ عام طور پر "بیگم" بولنا حال کا استعمال ہے۔ پہلے بیگم صرف امراء کی بیویوں کے لئے مخصوص تھا۔ متوسط طبقہ کے شرفا میں "بیگم" سے بیویوں کو مخاطب نہیں کرتے تھے البتہ "خانم" کا استعمال عام تھا نام کے جزء کی حیثیت سے بھی جیسے زہرا خانم اور حرم کے معنوں میں بھی جیسے مرزا صاحب کے یہاں سے خانم کی سواری آئی ہے۔ یاد رکھئے یہ بھی خانم "صاحبہ" نہیں ہے "صاحب" ہے۔ گویا "بیگم" انگریزی کے "لیڈی" کی جگہ تھا۔ "مسز" کی جگہ نہ تھا۔

مسز کا صحیح بدل آج کل جب لوگوں کو "مسز" کی جگہ کسی موزوں لفظ کی جستجو ہوئی تو بیگم کا لفظ سامنے آگیا اور عام طور پر بولا جانے لگا۔ اب چونکہ زبانوں نے قبول کر لیا ہے تو ٹھیک ہے، چلنے دیا جائے۔ ورنہ دیسے مسز کے لئے بیگم سے زیادہ موزوں "خانم" تھا۔ "بیگم" کو "لیڈی" کی جگہ رہنے دیا جاتا۔ آج کل اس قدر کثرت سے استعمال کیا جارہا ہے، پھر بھی امارت کی اس قدر تیز بو اس میں بس گئی تھی کہ اب بھی سونگھی جاسکتی ہے!

در اصل "لیڈی" کی طرح "بیگم" بھی فیوڈل عہد کے امتیازات کی یادگار ہے۔ جمہوریت و عمومیت کی روح کے ساتھ ایسے تلقب جمع نہیں ہو سکتے۔

بنگالی نژاد ہونے کے اُردو میں تک بندی کر لیتے تھے۔

مولانا شبلی مرحوم کا خیال تھا کہ غالب نے یہ رقعہ لکھ کر انہیں بنایا تھا لیکن یہ باور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک شخص اپنا کلام بھیج کر رائے کا طالب ہوا ہے، جو کچھ لکھا جائے گا اسے بطور سند افتخار کے کام میں لائیگا، ایسی تحریر میں بنانے اور استہزاء کا کون موقع ہو سکتا ہے۔

غالب کے تصورات

دراصل اس معاملہ کی تہہ میں بھی غالب کی زندگی کی وہی کمزوری کام کر رہی ہے جو ہمیشہ ان کی طبع بلند کی کارفرمائیوں کیلئے آفت رہی یعنی احتیاج ۵

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج

عبدالغفور خاں (نساخ) نواب عبداللطیف کے بھائی اور بنگال و بہار کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ اس زمانے میں کسی مسلمان کا ڈپٹی کلکٹر ہونا بہت بڑی بات سمجھی جاتی تھی حکام عالیشان میں اس کا شمار ہوتا تھا، پھر کلکتہ سے انہوں نے خط وکتابت کی تھی، کلکتہ کے حکام میں ہونا یہ معنی رکھتا تھا کہ صدر کے ذی اقتدار لوگوں میں معدود ہیں۔

میرزا غالب کو خیال ہوا کہ ایسے شخص کو خوشنود کرنا انجام مقاصد کیلئے سود مند ہوگا بہت ممکن ہے کہ ان کی سعی و سفارش کاربراریوں میں کام دے جائے، اسی لئے اپنے مسلک کے خلاف جس قدر بھٹئی کر سکتے تھے، کر گئے۔

علاوہ بریں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ یہ معاملہ غدر کے بعد کا ہے اور یہ وہ زمانہ تھا کہ زمانے کی بے مہریوں سے بے بس ہو کر انھوں نے اپنی قدیم سرگرانیاں تقریباً بھلا دی تھیں، اور عام مداحیوں پر اُتر آئے تھے۔

بے خبر اور غالب

حکام اور منصب داروں کیساتھ ان کی یہ روش عام رہی ہے منشی غلام غوث بے خبر کو، جو ان سے عمر میں بہت چھوٹے اور علم وفضل میں تلامذہ

---

۵ غالب نے

لوگ موجود تھے جیسا کہ منشی "تحفۃ العالم" کی تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے جس زمانے میں مرزا غالب کلکتہ آئے یہ یہاں کے ایرانی تاجروں کے کمال عروج کا زمانہ تھا۔ فوجداری بالاخانہ، آرمینین اسٹریٹ اور سندر یا ٹی میں بڑی بڑی کوٹھیاں تمام ان ہی کی تھیں اور شہر کی ہندوستانی سوسائٹی میں نہایت معزز و ممتاز سمجھے جاتے تھے میں نے اپنے بچپنے میں ان خاندانوں کو بگڑ کر مٹتے ہوئے دیکھا ہے ؛

نساخ لکھتے ہیں کہ کلکتہ میں مرزا غالب کا ملنا جلنا زیادہ تر ایرانیوں سے رہا اور انہوں نے پوشش و لباس میں بھی ایرانی وضع اختیار کر لی۔ غالباً ایرانی وضع سے مقصود ایرانی پیاخ کا استعمال ہوگا، ورنہ بظاہر مرزا نے اور کوئی وضع مخصوصات ایران میں سے اختیار نہیں کی تھی ؛

کلیات نساخ کا نادر نسخہ

نساخ کے کلیات کا ایک نسخہ میرے کتب خانے میں ہے، جسے نساخ نے سادہ اوراق کے اضافے کے ساتھ مجلد کرا لیا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً اس میں نیا کلام لکھتے گئے تھے۔ اس میں کہیں کہیں غزلوں کے علاوہ بعض یادداشتیں بھی لکھی ہیں۔ غالباً وہ اپنے مطبوعہ تذکرہ کیلئے مزید مواد جمع کر رہے تھے۔ اس میں ایک جگہ غالب کے قیام کلکتہ کا ذکر ہے۔ نہیں معلوم کس طرح یہ نسخہ خدا بخش تاجر کتب قدیمہ کے ہاتھ لگ گیا اس سے میں نے خرید لیا ؛

جس مرزا کوچک کا اس میں ذکر کیا ہے، وہ شاعر بھی تھا۔ گورنر جنرل کی مدح میں کئی قصیدے لکھے تھے اور اس عہد کے دستور کے مطابق خلعت پائے تھے ؛

نساخ کا کلام

غالب کے اردو رقعات میں ایک رقعہ انہی عبدالغفور نساخ کے نام ہے جس میں بیحد مدح کی گئی ہے۔ انہوں نے اپنا کلیات بھیجا تھا۔ اس پر بطور تقریظ کے لکھتے ہیں "شیخ امام بخش طرز قدیم کے ناسخ تھے آپ بلا مبالغہ بصیغہ مبالغہ نساخ ہیں" حالانکہ ان کا پورا کلیات تمام تر مزخرفات سے لبریز ہے۔ ایک مصرعہ بھی ایسا نہیں مل سکتا جس پر غالب کی یہ بے معنی مداحی صادق آسکے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ باوجود

شملہ بازار کلکتہ
غالب کی قیام گاہ

لارڈ امہرسٹ غالباً پہلے گورنر جنرل ہیں جو شملہ گئے۔ اس وقت سے یہ رسم ہو گئی کہ ہر سال نہیں تو ہر دوسرے سال گورنر جنرل گرمیاں شملہ میں بسر کرے۔ اس زمانے میں ریل نہیں تھی، الہ آباد یا کانپور تک دریا کے ذریعے، پھر پالکی، گاڑی اور گھوڑے پر، یہ سفر جس شاہانہ شان و شوکت اور ساز و سامان کے ساتھ ہوتا تھا اُس کی تفصیلات پونیجر وغیرہ کی زبانی ہمیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک پورا شہر کلکتہ سے شملہ تک اور پھر شملہ سے کلکتہ تک متحرک رہتا تھا۔ بہرحال اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ مزدوروں اور ملازموں کا ایک بڑا گروہ کلکتہ میں صرف اس سفر کے لیے رہنے لگا اور ان کے محلے کا نام شملہ بازار پڑ گیا۔ یہ چیت پور روڈ کے اس حصے میں تھا جو بعد کو گینڈا تالاب کے نام سے مشہور ہوا ہے معلوم ہوتا ہے۔ یہیں مرزا غالب ٹھہرے تھے۔ اب یہ حصہ بالکل بدل گیا ہے۔ پرانے مکانوں کا نام و نشان باقی نہیں۔ ریل کے جاری ہوتے ہی کیمپ کے متعلقات بھی معدوم ہو گئے تھے، اس لیے شملہ بازار بھی معدوم ہو گیا ؛

واماعز کی جگہ رکھتے تھے، بلا تامل پیرومرشد تک لکھ جاتے ہیں، اس لئے کہ لفٹننٹ گورنر کے میر منشی تھے اور مرزا کے عرائض و قصائد ان ہی کے ذریعے کامیاب ہو سکتے تھے۔ منشی اظہار حسین گورنر جنرل کے میر منشی تیس چالیس برس کے جوان آدمی تھے اور مرزا سے بہت عقیدت رکھتے تھے، لیکن یہ انہیں حضرت کہہ کر مخاطب کرتے تھے ؞

عبداللطیف کا خاندان

بنگال میں انگریزی کا دور آیا تو مسلمانوں نے عام طور پر اعراض کیا صرف خال خال افراد قدم اٹھا سکے۔ انہی میں ایک خاندان نواب عبداللطیف کا بھی تھا۔ چونکہ اور کوئی میدان میں موجود نہ تھا، اس لئے کلکتہ کے مسلمانوں کی سوسائٹی میں وہی سربرآوردہ ہو گئے اور حکام میں مسلمانوں کے معاملات کی نمائندگی کرنے لگے۔ بعد کو جب سید امیر علی نمایاں ہوئے تو وہ بات جاتی رہی عبدالغفور نساخؔ ان کے بھائی تھے اور شمسؔ مرحوم کے والد تھے۔ شمسؔ اچھا کہتے تھے۔ داغؔ مرحوم سے تلمذ تھا عبداللطیف کے لڑکے عبدالرحمٰن اسمال کاز کورٹ کے جج ہو گئے، مگر غریب شمسؔ کو امپیریل ریکارڈز میں صرف سو روپیہ کی ملازمت مل سکی اور اسی میں زندگی بسر کر دی۔ خاندان کے افراد اس درجہ باہم بے تعلق اور بے مہر تھے کہ ایک دوسرے کی نامرادیوں پر خوش ہوتے تھے!

شمسؔ خوش مزاج اور خوش گزران آدمی تھے، ان کی وجہ سے کلکتہ میں اُردو شاعری کا کچھ نہ کچھ چرچا ہوتا رہتا تھا وحشتؔ[1] وغیرہ ان ہی کے شاگرد ہیں ؞

---

[1] رضا علی وحشتؔ مرحوم

لارنس اور دوست محمد خاں

۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۹ء کے درمیان سرجان لارنس (جو لارڈ لارنس ہو گئے تھے) لکھتے ہیں "یہ ناممکن ہے کہ کلکتہ کی ناقص آب و ہوا میں بارہ مہینے رہ کر کام کیا جا سکے"

امیر دوست محمد خان کو جب ۱۸۴۰ء میں کلکتہ لاتے تو ابتدا میں وہ شہر کی رونق اور دریا کا کنارا دیکھ کر بہت خوش ہوتے، لیکن پھر ایک مہینہ بھی پورا نہ کر سکے۔ انھوں نے لارڈ آکلینڈ کو کہلایا کہ مجھے جلد کلکتہ سے رخصت کردو ورنہ دنیا کہے گی کہ بڑے لاٹ صاحب نے دوست محمد خان کو مارنے کے لیے کلکتہ بلا کر رکھا تھا۔ چنانچہ انھیں فوراً لدھیانہ بھیج دیا گیا!

غالب کی مدح سرائی کے اسباب

باایں ہمہ یہ عجیب بات ہے کہ مرزا غالب دو سال تک کلکتہ رہے اور آب و ہوا کی ناموافقت انھیں یک قلم محسوس نہ ہوئی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اس کی لطافت و خوش گواری کی مداحی میں جا بجا رطب اللسان ہیں!

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب کے بہت سے رجحانات و امیال کی طرح یہ تاثر بھی ایک خاص جذبہ کا نتیجہ تھا۔ انگریزوں کے اوضاع و اطوار سے خوش اعتقادی اور ہر اس چیز کی پسندیدگی جو انگریزوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اس اعتبار سے بھی مرزا غالب اپنے عہد کی مستثنیات میں سے ہیں۔ ان کا خاندان انگریزی حکومت سے وابستہ ہو چکا تھا، اس لیے آنکھ کھولتے ہی وہ انگریزوں سے آشنا ہو گئے۔ ان کے شباب کا زمانہ دلی و آگرہ میں انگریزی حکومت کا نیا نیا زمانہ تھا۔ طبیعت چونکہ فطرۃً رسم و تقلید کی بندشوں سے آزاد تھی، اور عام راہوں سے اپنی راہ الگ نکالنا چاہتی تھی، اس لیے مذہبی اور ملکی تعصب ان کے لیے سد راہ نہ ہو سکا اور وہ انگریزوں کے فضائل و محاسن کے شناسا ہو کر بلا روک گرویدہ ہو گئے۔ ہندوستانی زندگی کے تمام سانچے ٹوٹ رہے تھے۔ اور انگریزی وضع و اطوار اور ذہن و دماغ کا علو و غلبہ ایک غیر متعصب دماغ کو

میرزا غالب اور کلکتہ کی مدح سرائی

بنگال اور کلکتہ کی آب و ہوا

بنگال کی سرزمین عموماً اور کلکتہ خصوصاً ہندوستان کا سب سے زیادہ نشیبی حصہ ہے۔ آب و ہوا حد درجہ مرطوب اور بالائی ہند کی تمام صحت افزا خصوصیات سے محروم۔ اقتصادی اور جغرافیائی کوائف کے مصالح نے یورپین اقوام کو مجبور کیا کہ بنگال کا رُخ کریں، اور انگریز بھی مجبور ہوئے کہ کلکتہ کو اپنے لیے جائے پناہ تصور کریں۔ سمندر سے اس کا قرب اور دریائے ہوگلی کا جہاز رانی کے قابل ہونا، ان کے مصالح کے لیے ایک نہایت قیمتی بات تھی؛

آب اور زمین شور

لیکن اس شہر کی آب و ہوا کی روایت ہمیشہ شمالی ہند کے باشندوں کے لیے ایک ناقابل علاج آفت رہی۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کی جس قدر تحریرات ملتی ہیں، کلکتہ کو آب و ہوا کے اعتبار سے بدترین مقام قرار دیتی ہیں۔ سرجان شور کے زمانے میں، کہ اٹھارویں صدی کا اختتام تھا، ایک شاعر نے کلکتہ کی مذمت میں یہ قطعہ لکھا تھا:

آب شور و زمیں سراسر شور
"شور" فرماں روائے کلکتہ
پارۂ از زمین دوزخ بود
کہ ازاں شد بنائے کلکتہ
خارش و داد و پیچش و اسہال
ایں ہمہ تحفہ ہائے کلکتہ

انگریزوں کی شہادت کا بھی تقریباً یہی حال رہا ہے۔

تاچه افسوں خوانده اند انیاں برآب
دود کشتی را همی راند در آب
گه دخاں کشتی به جیحوں می برد[۱]
گه دخاں گردوں به هاموں می برد[۲]
غلتک گردوں بگرداند دخاں
نرّه گاو و اسپ را ماند دخاں
نغمه ہائے زخمه از ساز آورند
حرف چوں طائر به پرواز آورند[۳]
ہیں نمی بینی که ایں دانا گروه
در دو دم آرند حرف از صد کروه
رو به لندن کاندراں رخشنده باغ
شهر روشن گشته در شب بے چراغ[۴]
پیش ایں آئین که دارد روزگار
گشته آئین دگر تقویم پار

کلکتہ کے اثرات

ان کے ذہن کے اسی گوشے سے ان کے افکار و امیال کی بہت سی گتھیاں سلجھائی جا سکتی ہیں۔ کلکتہ انگریزی دار الحکومت ہے اور انگریزوں کا پسندیدہ مرکز، اس لیے عام ہندوستانیوں کی مخالفانہ رایوں کا وہ ساتھ نہیں دیں گے، جو کلکتہ کی مذمت کرتے ہیں بلکہ کلکتہ کی تعریف کریں گے:

کلکتہ میں انگریزی عہد کے نئے کارخانے دیکھے جا سکتے ہیں، جو دوسری جگہ معدوم ہیں، اس لیے وہ کلکتہ کو تمام شہروں پر فضیلت دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اردو نثر نویسی کا جو اسلوب بے اختیار ان کے قلم سے نکلنے لگا اس کی تہ میں انگریزوں کے ذوق و مشرب اور پسندیدگی

۱؎ دود اور دخان سے مراد بھاپ ہے ۲؎ گردوں یعنی گاڑی، اشارہ ریل کی طرف ہے ۳؎ تار برقی ۴؎ غالباً گیس کی روشنی مراد ہے۔

صاف صاف محسوس ہورہا تھا۔ کلکتہ کے قیام اور میکناٹن جیسے فارسی دان انگریزوں سے تعلقات نے یقیناً ان کی غیر متعصب طبیعت کو اور زیادہ متاثر کیا ہوگا۔ وہ قدیم آئین و فنون کی بے مائگی اور یورپ کی جدید ترقیات و انکشافات سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے، اور اس بارے میں ہندوستانیوں کی عام متعصبانہ ذہنیت کا ساتھ نہیں دیتے تھے :

آئینِ اکبری کی تقریظ

آئین اکبری کی تقریظ میں انھوں نے کتاب کی اہمیت سے جو انکار کیا ہے، اگرچہ وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ تاریخی حیثیت سے اس کی اہمیت واضح و معلوم ہے، لیکن ان کے استدلال سے جدید فنون کے علم و اعتراف کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

گر ز آئیں مے رود با ما سخن
چشم بکشا، اندریں دیرِ کہن
صاحبانِ انگلستاں را نگر
شیوہ و اندازِ ایناں را نگر
تا چہ آئینہا پدید آوردہ اند
آنچہ ہرگز کس ندید، آوردہ اند
زیں ہنرمنداں ہنر بیشی گرفت
سعی بر پیشینیاں پیشی گرفت
حق ایں قوم ست آئیں داشتن
کس نیارد ملک بہ زیں داشتن
داد و دانش را بہم پیوستہ اند
ہند را صد گونہ آئیں بستہ اند
آتشے کز سنگ بیروں آورند — ایں ہنرمنداں ز خس چوں آورند

ا؎ یعنی دیا سلائی +

کلکتہ میں ادبی ہنگامے کے بانی

کلکتہ میں یہ ہنگامہ جن لوگوں نے برپا کیا تھا، میں ان کے نام معلوم کرنا چاہتا تھا مگر بجز دو تین کے معلوم نہ ہو سکے۔ ایک صاحب احمد علی گوپاموی پرنس غلام محمد (میسور) کے یہاں میر منشی تھے۔ "حملہ حیدری" کا انھوں نے اردو ترجمہ کیا ہے۔ دوسرے صاحب انھی کے ہم نام مولوی احمد علی مدرسہ عالیہ میں مدرس اور ایشیاٹک سوسائٹی کی فارسی عربی مطبوعات کے مصحح تھے۔ تیسرے ایک صاحب مولوی وجاہت علی لکھنوی گورنر جنرل کے دفتر انشا میں ملازم تھے۔ ان لوگوں نے صرف اعتراضات ہی نہیں کیے تھے بلکہ تحریرات بھی لکھی تھیں اور بعض تحریرات "جام جہاں نما" نے جو فارسی کا ہفتہ وار اخبار تھا، چھاپ دی تھیں۔ وجاہت علی، قتیلؔ کے شاگرد اور وجاہت تخلص کرتے تھے۔

غالبؔ کی اسیری پر نئی روشنی

خواجہ حالیؔ کی تحریر

خواجہ حالیؔ مرحوم نے اس واقعہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے، وہ حقیقت کے خلاف ہے۔ خواجہ مرحوم سوانح نگاری کو محض مدحت طرازی سمجھتے تھے، اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ ناگوار واقعات کو ابھرنے دیا جائے۔ "حیات جاوید" میں بھی انھوں نے ہر جگہ ایسا ہی کیا ہے۔ سرسید مرحوم کے آخر عہد کے جن معاملات سے اس درجہ متاثر ہوئے تھے کہ "حیات جاوید" لکھنے کا خیال تک ترک کر دیا تھا۔ اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ایسے کاموں پر خاک نہیں ڈال سکتا، بالآخر انھی معاملات کو بھی پور

کا اثر مضمر ہو گا ؛

وورٹ ولیم کالج کی بناء سے لے کر غالب کے عہد تک انگریزی سر رشتہ تعلیم کے ارکان کی برابر کوشش رہی کہ سہل اور رواں اُردو نثر کی جرأت افزائی کی جاتے ور فارسی انشاپردازی کے تکلفات اور تقفیہ[1] و سجع سے اجتناب کیا جاتے ؛

غالب کا اسلوبِ نثر

یہ چیزیں ضرور غالب کی نظر سے گزری ہوں گی اور اس کا اثر اندر ہی اندر کام کرتا رہا ہو گا۔ خط و کتابت میں قدیم اسلوب القاب و تخاطب سے بہ کلی احتراز اور محض کسی ایک نام و لقب سے یاد کر کے براہ راست حرفِ مطلب پر آجانا، جو اس عہد میں ایک غیر معمولی بات تھی، یقیناً انگریزی اسلوب کے تاثر سے سامنے آئی ہو گی۔ خاتمے پر نئے طریقے سے اپنا نام لکھنا اور لفافے پر عام اسلوبِ عنوان کی جگہ صاف و سادہ طریقہ اختیار کرنا، اس طرح کے امیال کو بھی اسی روشنی میں لاکر دیکھنا چاہیے۔ غالب کی ذہنیت کی یہ تحلیل اگر سامنے رکھ لی جاتے تو بہت سے سوالوں کا جواب مل سکتا ہے ؛

انگریزی کتابوں کے تراجم

اگرچہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ غالب نے انگریزی ناولوں کو سنا ہو، لیکن یہ واقعہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک دو چیزیں کلکتہ میں ترجمہ ہو کر چھپ چکی تھیں اور ایک مجتہدانہ ذوق رکھنے والی طبیعت ان سے نتائج اخذ کر سکتی تھی۔ مثلاً گولڈ اسمتھ کا قصہ دیہاتی زندگی والا دیکرآف ویکفیلڈ ایک صاحب نے ترجمہ کر کے ۱۸۳۶ء میں چھاپا تھا ؛

---

[1] قافیہ بندی۔

بھی اس کے شائق تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے یہاں چاندنی چوک کے بعض جوہری بچے آنے لگے اور باقاعدہ "جوا بازی" شروع ہو گئی۔ قمار کا عام قاعدہ ہے کہ صاحب مجلس (یا یوں کہا جائے کہ مہتمم قمارخانہ) کا ایک خاص حصّہ ہر بازی میں ہوا کرتا ہے۔ جو بھی جیتے، فی صدی اتنا صاحب مجلس کا ہوگا۔ مرزا صاحب کے دیوان خانے میں مجلسیں جمنے لگیں تو وہ صاحب مجلس ہو گئے اور ایک اچھی خاصی رقم بے محنت و مشقت وصول ہونے لگی۔ وہ خود بھی کھیلتے تھے اور چونکہ اچھے کھلاڑی تھے اس لیے اس میں بھی کچھ نہ کچھ مار ہی لیتے تھے ؛

حکام کی چشم پوشی انگریزی قانون اسے جرم قرار دیتا تھا، لیکن شہر کی رسم یہ ٹھہر گئی تھی کہ رئیس زادوں کے دیوان خانے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے، گویا ان کی وہ نوعیت مان لی گئی تھی جو آج کل کلبوں میں برج کھیلنے کی ہے۔ انھیں ازراہِ تجاہل رئیسانہ تفریحوں کے ذیل میں تصور کیا جاتا تھا ؛

عرصے تک شہر کے کوتوال اور حکام ایسے لوگ رہے، جن سے میرزا غالب کی رسم و راہ رہتی تھی، اس لیے ان کے خلاف نہ تو کسی طرح کا شبہ کیا جاتا تھا نہ قانونی اقدام کا اندیشہ تھا۔ انھی میں ایک کوتوال، قتیل کے شاگرد میرزا خانی تھے، جن کی نسبت خواجہ نصیر نے کہا ہے:

نصیر الدین بیچارہ تو رستہ طوس کا لیتا
نہ ہوتے شحنۂ دہلی اگر یاں میرزا خانی[1]

* (یہ میرزا خانی پھر لکھنؤ میں مقیم ہو گئے تھے۔ میرے عزیز دوست مرزا محمد عسکری لکھنوی انھی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ غالباً وہ ان کے جد تھے)

نیا کوتوال لیکن غالباً ۱۸۴۵ء میں آگرہ سے تبدیل ہو کر ایک نیا کوتوال آیا، یہ میرزا خانی کی طرح نہ تو شاعر تھا، نہ نثر طراز کہ غالب کا قدرشناس ہوتا۔ بڑا

---

[1] شاہ نصیر نے شاہ اسمٰعیل کی شہادت پر ایک نظم کہی تھی جس پر ہنگامہ ہوا اور شاہ نصیر خطرے میں پڑ گئے۔ میرزا خانی کوتوال نے بچایا ؛

رنگ آمیزیوں کے ساتھ لکھا اور جس قدر خاک ڈال سکتے تھے ڈال گئے ۔

"حیات جاوید" کا معاملہ مولوی وحید الدین سلیم مرحوم کہتے تھے کہ جب خواجہ صاحب نے سرسید کی روش سے سخت برا شفتہ ہو کر "حیات جاوید" کی تکمیل کا خیال ترک کر دیا تو میں نے ان سے کہا تھا "آج آپ ایسا کہہ رہے ہیں مگر چند دنوں کے بعد یہ ساری باتیں بھلا دینی پڑیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جونہی سرسید کے انتقال سے ان کے تمام نکتہ چیں دوستوں کی زبانیں خاموش ہو گئیں اور ان کی خدمات کے اعتراف و تحسین کا از سرِ نو غلغلہ بلند ہوا، خواجہ صاحب نے "حیات جاوید" کی تبیض و تکمیل شروع کر دی اور پھر تمام معاملات کو اسی طرح رنگ آمیزیوں کے ساتھ لکھا جس طرح وہ سمجھتے تھے کہ سوانح نگار کو بہ غرض مدحت طرازی لکھنا چاہیئے ۔

قمار بازی کا معاملہ خواجہ صاحب نے اس معاملے کو اس رنگ میں ظاہر کیا ہے کہ کوئی بات نہ تھی محض چوسر اور شطرنج کا شوق تھا، اس شوق کی تکمیل کے لیے بر لئے نام کچھ بازی بھی بد لیا کرتے تھے۔ کوتوال چونکہ دشمن تھا اس لئے قمار بازی کا مقدمہ بنا دیا، حالانکہ اصلیت بالکل اس کے خلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پورا قمار بازی کا معاملہ تھا اور نواب امیر الدین مرحوم کے لفظوں میں "مرزا نے اپنے مکان کو جوا بازی کا اڈا بنا رکھا تھا!"

گھر اڈا بن گیا جو تفصیلات مجھے سر امیر الدین مرحوم سے معلوم ہوئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :

غدر سے پہلے مرزا کی آمدنی کا وسیلہ صرف سرکاری وظیفہ اور قلعے کے پچاس روپے تھے چونکہ زندگی رئیسانہ بسر کرنی چاہتے تھے، اس لیے ہمیشہ مقروض و پریشان حال رہتے تھے۔ اس زمانے میں دہلی کے بے فکر رئیس زادوں اور چاندنی چوک کے بعض جوہری بچوں نے گزرانِ وقت کے جو مشغلے اختیار کر رکھے تھے، ان میں ایک قمار کا بھی مشغلہ تھا۔ گنجفہ عام طور کھیلا جاتا تھا اور شہر کے کئی دیوان خانوں کی مجلسیں اس باب میں شہرت رکھتی تھیں۔ مرزا

کی اعانت کی اتنا ہی نہیں بلکہ جب آگرہ کے ایک اخبار نے مرزا کا ذکر کرتے ہوئے انھیں خاندان لوہارو کا رشتہ دار ظاہر کیا تو یہ بات ان لوگوں پر نہایت ہی شاق گزری اور بہ اہتمام و تکلف اس کی تغلیط کرائی۔ یہ لکھوایا گیا کہ مرزا صاحب سے خاندان لوہارو کا کوئی نسبی تعلق نہیں ہے محض دور کا سببی تعلق ہے!

نواب ضیاءالدین پر مرزا کو جس درجہ ناز تھا، وہ ان کے قصیدے سے ظاہر ہے:

منم خزینۂ راز و در خزینۂ راز
ضیاء دین محمد کہیں برادر من
اگرچہ اوست ارسطو و من فلاطونم
بود بہ پایۂ ارسطوئے من سکندر من

لیکن نہایت افسوس کے ساتھ یہ واقعہ لکھنا پڑتا ہے کہ انھوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں اور اپنے سر شان سمجھا کہ قید خانے میں ایک اسیر جرم سے ملنے جائیں!

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

لیکن بے مہری و حق فراموشی کے اس عام منظر میں صرف ایک شخص کا چہرہ درخشندہ نظر آتا ہے، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، خواجہ حالی مرحوم کہتے تھے کہ جونہی انھیں اس واقعے کی خبر ملی، فوراً ایک ایک حاکم سے جا کر ملے اور مرزا کی رہائی کے لیے پیہم کوششیں کیں۔ پھر جب مقدمہ چلا اور اس کی اپیل کی گئی تو تمام مصارف اپنے پاس سے ادا کیے۔ جب تک مرزا قید خانے میں رہے، ان کا معمول تھا کہ ہر دوسرے دن سوار ہو کر قید خانے میں جانا اور مرزا سے ملاقات کرنی، وہ لوگوں سے کہتے تھے "مجھے مرزا سے عقیدت ان کے زہد و اتقا کی بنا پر نہ تھی، فضل و کمال کی بنا پر تھی۔ جس کا الزام آج عائد ہوا، مگر شراب پینا تو ہمیشہ سے معلوم ہے، پھر محض اس الزام و گرفتاری کی وجہ میری عقیدت کیوں متزلزل ہو جاتی؟ گرفتاری کے بعد بھی ان کا فضل و کمال الٰہی ہے، جیسا پہلے تھا!

کوتوال تھا۔ اس نے آتے ہی سختی کے ساتھ دیکھ بھال شروع کر دی اور جاسوس لگا دیے۔ حکام سے قول لے لیا تھا کہ جب تک میرا کوئی جرم ثابت نہ ہو، میرے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے ورنہ میں شہر کو جرائم سے پاک نہیں کر سکوں گا۔ اس زمانے میں بعض دوستوں نے مرزا غالب کو بار بار فہمائش کی کہ ان مجلسوں کو ملتوی کر دیں لیکن وہ خبردار نہ ہوتے۔ وہ اس زعم میں رہے کہ میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ بالآخر ایک دن عین ایسے موقع پر کہ مجلس قمار گرم اور روپیوں کی ڈھیریاں چنی ہوئی تھیں، کوتوال پہنچا اور دروازے پر دستک دی۔ اور لوگ تو پچھواڑے سے نکل بھاگے، صاحب مکان یعنی مرزا صاحب دھر لیے گئے۔

سفارشیں بے نتیجہ

مرزا صاحب کی گرفتاری سے پہلے چند جوہری پکڑے گئے تھے، مگر روپیہ خرچ کر کے بچ گئے تھے۔ مقدمہ تک نوبت نہیں پہنچی۔ مرزا کے پاس روپیہ کہاں تھا؟ ہاں اعزّا و احباب تھے۔ انھوں نے بادشاہ سے سفارش کرائی مگر نتیجہ نہیں نکلا تو گھر میں بیٹھ رہے۔ کوتوال سخت مزاج آدمی تھا۔ حکام کو دہلی آتے ہی سازگار بنا چکا تھا اور عدم مداخلت کا اقرار دے چکا تھا۔ سفارشوں سے کوئی بات بننے والی نہ تھی۔

احباب و اقربا کی بے مہری

اس سلسلے میں واقعہ کا ایک پہلو نہایت عبرت انگیز ہے، جس کی تفصیلات مجھے خواجہ حالی مرحوم سے معلوم ہوئیں۔ جونہی مرزا گرفتار ہوئے اور رہائی کی طرف سے مایوسی ہو گئی، نہ صرف دوستوں اور ہم جلیسوں نے بلکہ عزیزوں نے بھی یک قلم آنکھیں پھیر لیں اور اس بات میں شرمندگی محسوس کرنے لگے کہ مرزا کے عزیز و اقارب تصور کیے جائیں۔ اس باب میں لوہارو کے خاندان کا جو طرز عمل رہا، وہ نہایت افسوسناک تھا۔ میں نے نواب امیرالدین مرحوم سے اشارۃً تذکرہ کر کے ٹٹولنا چاہا تو ان کے جوابات سے بھی اس کی پوری تصدیق ہو گئی۔

خاندان لوہارو

اس خاندان کا کوئی فرد نہ تو اس زمانے میں مرزا سے ملا اور نہ کسی طرح

ٹھیک سرائے کی طرح ہے۔ غدر کے پہلے اس کے سوا کوئی قید خانہ نہ تھا، اس لیے تمام قیدی یہیں رکھے جاتے ہوں گے اور مرزا غالب نے یہیں کہا ہوگا:

ہلہ ذردارانِ گرفتار، وفا نیست بہ شہر
خویشتن را بہ شما ہمدم و ہمراز کنم!

(دہلی ۲۱۔ مارچ ۳۷ء)

میرزا غالب کا ایک قصیدہ

اس قصیدے کی تشبیب سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم تشبیب کا بڑا حصّہ سفر کلکتہ کے زمانے میں ضرور لکھا گیا ہے[۱]۔ کیونکہ صریح ان حالات پر مشتمل ہے جو سفر کا باعث ہوئے تھے یعنی اقارب کا جور و ستم، اہل وطن کی بے اعتنائی، حکام کا تغافل، اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ صاف لفظوں میں سفر کا بھی ذکر کیا ہے:

چہرہ اندوہ بہ گرد و مژہ آغشتہ بہ خون
خود گواہم کہ ز دہلی بچہ عنوان رفتم

باقی رہی یہ بات کہ غالب نے قیام لکھنؤ کی تالیفات میں صرف نثر یہ صنعت تعطیل کا ذکر کیا ہے، قصیدہ کا ذکر نہیں کیا، نیز ممدوح نصیر الدین حیدر ہے، نہ کہ غازی الدین

---

[۱] میں نے عرض کیا تھا کہ اس قصیدہ کے آخر میں روشن الدولہ کا ذکر ہے جو نومبر ۱۸۳۲ء میں وزیر یا نائب السلطنت مقرر ہوا۔ لہٰذا یہ سفر کلکتہ کے دوران کا نہیں ہو سکتا۔ مولانا نے فرمایا کہ تشبیب صاف دورانِ سفر کی معلوم ہوتی ہے۔ ؎

شیفتہ کے اخلاص کا اثر مرزا کے ترکیب بند کا آخری بند دوستوں کی بے مہریوں اور طوطا چشمیوں کا نہایت لطیف پیرایے میں افسانہ سناتا ہے:

رو نے از مہر نہ گفتند، فلانی چون ست

یارے از لطف بگوئید چسانید ہمہ!

مصطفیٰ خاں شیفتہ کی اس سچی دوست نوازی کا مرزا غالب کے دل پر جو اثر پڑا ہوگا، وہ ان کے ترکیب بند سے ظاہر ہے۔ غدر کی گرفتاری کے بعد جب شیفتہ رہا ہوتے تو مرزا غالب اپنا جوش محبت ضبط نہ کر سکے۔ ڈاک کی سواری میں میرٹھ جا کر ان سے ملاقات کی۔ ان کی رہائی کے لیے بھی جس قدر کوشش کر سکتے تھے، کرتے رہے جب معلوم ہوا کہ مومن صدر الصدور کو اس مقدمے کے فیصلے میں دخل ہے اور وہ صدیق حسن خاں کے دوست ہیں، تو بھوپال خط لکھ کر صدر الصدور کے نام خط منگوایا اور شیفتہ کو ایک خاص معتمد کے ہاتھ بھجوا دیا۔ نواب صدیق حسن خاں نے فارسی کی چند نثریں مرزا غالب سے پڑھی تھیں، اس لیے مرزا کے خط کو استاد کا خط سمجھ کر بلا تامل تعمیل کی۔ وہ خود بھی شیفتہ سے واقف تھے۔

دہلی کا قید خانہ ۱۹۳۳ء میں جب میں دہلی سنٹرل جیل میں اسیر تھا تو مجھے ایک دن خیال ہوا کیا مرزا غالب اسی قید خانے میں رکھے گئے تھے؟ آصف علی صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا، غدر سے پہلے بھی قید خانہ یہی قید خانہ تھا۔ یقیناً اسی احاطے کے کسی حصے میں اسیر رہے ہوں گے۔

بعد کو تفتیش کی تو معلوم ہوا، یہاں پہلے بھولی بھٹیاری کی سرائے تھی۔ بھٹیاری کو بعض تو "بھٹیاری" ہی سمجھتے ہیں بعض "بختیاری" کی تخریب تبلاتے ہیں۔ فتح دہلی کے بعد انگریزی حکومت نے سرائے کو قید خانہ بنا دیا اور پھر مزید عمارتوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ وسطی عمارت جو ہم لوگوں کو دی گئی تھی، واقعی قدیم طرز کی عمارت معلوم ہوتی ہے۔ وہ ٹھیک

غالب کے بجھے ہوئے دِل کا آخری دھواں

یہ قصیدہ نہیں ہے، غالب کے بجھے ہوئے دل کا آخری دھواں ہے [1]:

زاں رو کہ خسر دورانِ گیتی
رنجند چو قدرداں نہ گویم
ناچار متاعِ عرضہ دارم
بے رونقیِ دکاں نہ گویم

جس دل سے یہ اشعار نکلے ہیں۔ اس کی مایوسیوں اور تلخ کامیوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ صرف وہی دل و دماغ کر سکتے ہیں جنھوں نے زمانہ کی قدرناشناسیوں اور خیرہ امتیازیوں کے خود زخم کھائے ہوں:

کس نیست متاعِ ما خریدار
با آنکہ بہا گراں نہ گویم
صرفِ نمد و پلاس دارم
حرفِ خز و پرنیاں نہ گویم

نوابؔ کلب علی خاں اور میرزا غالب

مرزا کی کوشش رام پور سے مکاتیب غالب کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اس پر نظر ڈال لینی چاہیئے۔ مرزا کی بیوی نے ان کے انتقال کے بعد نواب

[1] یہ مدح مختارالملک سالار جنگ وزیراعظم دولت آصفیہ۔

حیدرتو اس کی توجیہہ یوں ہوسکتی ہے کہ قصیدہ لکھنے کا خیال ہوا تھا اور تشبیب کا بڑا حصہ انجام بھی پا گیا تھا مگر معتمد الدولہ کا حال دیکھ کر طبیعت افسردہ ہو گئی یا پریشانی سفر کی وجہ سے تکمیل تک معاملہ نہ پہنچا۔ پھر روشن الدولہ کے زمانے میں مدح کے اشعار بڑھا کر قصیدہ مکمل کر دیا گیا۔ غالب نے قصائد میں اس طرح کی تبدیلیاں اکثر کی ہیں[۱]:

یہ قصیدہ غالب کے بہترین قصائد میں سے ہے۔ عرفی کے تتبع میں لکھا گیا ہے لیکن اس کی تشبیب کسی طرح بھی عرفی کی تشبیب سے گری ہوئی نہیں ہے:

قطب الدولہ مصاحب شاہ اودھ

یہ قطب الدولہ دلّی کا گویا تھا۔ اس کا خاندان اب بھی دہلی میں موجود ہے۔ اس خاندان کے ایک گویّے عارف کو حکیم صاحب نے مالیر کوٹلہ میں ملازم رکھوا دیا تھا۔ ادھر کچھ عرصے سے نظر نہیں آیا۔ پہلے جب کبھی دلی جاتا تھا اور یہ دلی میں موجود ہوتا تھا تو آتا تھا اور کوئی چیز سنا دیتا تھا۔ اسے بہادر شاہ کی بہت سی غیر مطبوعہ ٹھمریاں یاد تھیں:

---

[۱] کی ضرور ہیں لیکن اکثر نہیں۔

کی تعلیم حاصل کی تھی اور نظم و نثر لکھنے کا شوق رکھتے تھے۔ ان کی کئی نثریں اردو فارسی دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ فارسی دیوان سپہر کاشانی مصنف ناسخ التواریخ کو معائنہ کے لئے بھیجے تھے اور حسب قاعدہ اس سے مداحی کرائی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ نثر میں کوئی رنگ ہے، نہ نظم میں کوئی بات ہے۔ نثر میں جلا لائے طباطبائی کی تقلید کرنی چاہتے ہیں لیکن اول طباطبائی کا اسلوب ہی کون بلند اسلوب ہے، پھر اس کی تقلید کے لئے بھی قدرت و سلیقہ چاہیئے۔ نظم میں جو کچھ کہا ہے محض نوابی کا شوق پورا کیا ہے۔ ایک شعر بھی ایسا نہیں جس پر نظر رکے۔ فارسیت کے لحاظ سے بھی بہت پست درجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص مرزا غالب کے درجہ و مقام کا کیا شناسا ہو سکتا تھا۔ منشی امیر احمد مینائی کو چونکہ رسوخ حاصل ہو گیا تھا، اس لئے انھوں نے اپنے استاد منشی مظفر علی اسیر کو آگے بڑھا دیا۔

برہان قاطع والی مصیبت رام پور کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلب علی خاں ابتدا میں مرزا غالب سے ادبی علائق رکھنا چاہتے تھے اور ایک نثر معائنہ کے لئے بھیجی تھی بظاہر شاگردانہ درخواست اصلاح تھی، مگر دراصل ان سے مداحی کرانی چاہتے تھے۔ انھوں نے بڑی تعریف کی ظاہر وحید اور طباطبائی سے بڑھا دیا لیکن چونکہ اصلاح کے معاملے میں دانستہ تسامح ممکن نہ تھا، اس لئے بعض الفاظ کی تصحیح کر دی۔ کلب علی خاں پر یہ بات گراں گزری۔ ان کے اساتذہ نے ہندوستانی لغت نویسوں کی عبارتیں نکال کر پیش کر دیں اور وہ انھوں نے مرزا کو بھیج دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مرزا بیچارے اب رام پور کے وظیفے پر جی رہے تھے یہ معاملہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے "برہان قاطع" والی مصیبت یہاں بھی پیش آ گئی پہلے ہندوستانی لغت نویسوں کے باب میں اپنا عقیدہ لکھا، پھر جب اس پر کلب علی بگڑ گئے تو زاری کر کے معافیاں مانگیں۔

اختلافات "ارتنگ" اور "ارژنگ" کو "برہان قاطع" وغیرہ نے مرادف لکھا ہے۔ لیکن قطعاً غلط ہے۔ ارتنگ مطلق مرقع کے معنی میں بولا گیا ہے جیسے

کلب علی خاں کو کئی عرائض بھیجے تھے اور امداد چاہی تھی مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔

البتہ حسین علی خاں ۱۸۵۹ء رام پور گئے اور ۱۸۶۵ء کے ملازم ہوگئے غالب نے اپنی زندگی میں بہت کوشش کی تھی کہ رام پور سے ان کے لیئے وظیفہ مقرر ہو جائے، مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔

غالب کا ایک قطعہ

دراصل کلب علی خاں کو غالب سے وہ عقیدت نہ تھی جو یوسف علی خاں کو تھی۔ وظیفہ جاری رکھا تھا اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ علاوہ بریں کلب علی خاں بہت متعصب سنی تھے، غالب کی شیعیت بھی انھیں کھٹکتی ہوگی۔ غالب نے اسی خلش کے نکالنے کے لیئے ایک قطعہ بھی لکھا تھا:

ہند میں اہل تسنن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدر آباد دکن رشک گلستان ارم
رام پور اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آکے ہوتے ہیں باہم
حیدر آباد بہت دور ہے اس ملک کے لوگ
اس طرف کو نہیں جاتے ہیں، جو جاتے ہیں تو کم

جب نواب یوسف علی خاں کا انتقال ہوا تھا، تو مشہور ہوا تھا کہ اب کلب علی خاں کسی شیعہ کو ریاست میں ٹکنے نہ دیں گے۔ یہ خبر غالب تک بھی پہنچی تھی اور بہت ہراساں ہوتے تھے مگر جب مسند نشینی کی تقریب میں رام پور گئے تو وہاں سے حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں۔ گھر میں کہ دو کہ جو بات سنی گئی تھی، وہ غلط نکلی۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے۔

کلب علی خان کا سنیت میں غلو مشہور ہے۔ ان کے بعد جب رام پور میں پھر شیعیت آئی تو وہ بھی اپنے غلو میں کافی مشہور ہوئی۔

نواب کا درجۂ علم وذوق

نواب کلب علی خان نے وقت کے عام مذاق کے مطابق فارسی

معرّی کا لامیہ ابو العلا معرّی کا لامیہ اس باب میں بھلایا نہیں جا سکتا:

فوا عجبا کم یدّعی الفضل ناقص
ووا اسفا کم یظهر النقص فاضل!
وکیف تنام الطیر فی وکناتها
وقد نصبت للفرقدین الحبائل
وطال اعترافی بالزمان وصرفه
فلست ابالی من تغوّل الغوائل
فلو بان عنقی ما تاسف منکبی
ولو مات زندی، ما بکته الانامل
اذا وصف الطائی بالبخل مادر
وعیّر قسّاً بالفهامة باقل
وقال السهی للشمس "انت ضئیلة"
وقال الدجی للصبح "لونک حائل"
وطاولت الارض السماء سفاهة
وفاخرت الشهب الحصی والجنادل
فیا موت زر، ان الحیاة ذمیمة،
ویا نفس جدّی، ان دهرک هازل

لیکن زمانہ کی ان بے مہریوں اور رسفاہت پروریوں کے فاتحانہ مقابلہ کے لئے ابو العلا کا دل گردہ چاہیئے، جس نے اپنے پائے استغنا سے وقت کی تمام پیش کشوں کو ٹھکرا دیا تھا۔ بیچارہ غالب کہ زندگی کی آلودگیوں سے درماندہ اور علائق کی کشاکش سے دل باختہ تھا، یہ دل گردہ کہاں سے لاتا؟ وہ شاعر تھا، ابو العلا کی طرح حکیم نہ تھا۔

آذرجنگ مانی، اور ارژنگ ایک مصور کا نام تھا نظامی نے شیریں خسرو میں کہا ہے؛

بعقد دولتم مانی وارژنگ

طراز سحر مے بستند برسنگ

نواب کلب علی نے اپنی نثر میں انھیں مرادف سمجھ کر جمع کر دیا تھا۔ غالب نے اس سے اختلاف کیا۔ اسی طرح "آشیاں چیدن" کو عرفی کے کتبی شارحوں نے "آشیاں بستن" کے معنوں میں لیا ہے مگر غلط ہے۔ کلب علی خاں اس پر بھی مُصر ہوئے اور ثبوت میں عرفی کی شرح پیش کی ؛

زمانے کی ستم ظریفی زمانے کی ستم ظریفی دیکھنی چاہئے کہ غالب جیسے مغرور فن و کمال کو ایک خام کار مسند نشین کے آگے کس کس طرح جھکا کر چھوڑا ؟ اور کس لئے ؟ صرف اس لئے کہ جانتا تھا اگر سو روپیہ کی ماہوار بخشش بند ہو گئی تو جینے کا کوئی سہارا باقی نہیں رہے گا۔!

جب کلب علی خاں نے تو اضعاً لکھا کہ نسبت تلمذ رکھتا ہوں تو لکھتے ہیں: "یہ دکان بے رونق کی خریداری ہے۔ میں تو حضور کو اپنا اُستاد، اپنا مرشد اپنا آقا جانتا ہوں۔ اب جو پیر و مرشد نے لکھا کہ ارتنگ و ارژنگ متحد المعنی ہیں تو میں نے بے تکلف مان لیا، نہ لغت نویسوں کے قیاس کے بموجب، بلکہ اپنے خداوند نعمت کے حکم کے مطابق"! پھر جب اس پر اظہار ناراضگی ہوا تو لکھتے ہیں" خط پڑھتے ہی کانپ اُٹھا۔ عالم نظر میں تیرہ و تار ہو گیا۔ گناہ معاف کیجئے۔ نوید عفو سے تقویت پہنچائیے" ؛

جس شخص کی رگِ گردن اس قدر سخت تھی کہ ہندوستان کے تمام فارسی ادیبوں میں سے خسرو کے سوا اور کسی کے آگے نہیں جھکی تھی اور فیضی و ابوالفضل جیسے باکمالوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا، وہ کلب علی خاں کے آگے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا رہا ہے کہ میں نے خداوند نعمت کا حکم مان لیا اور اپنی تحقیق سے باز آیا ؛

کلب علی خاں کی!

قدردانیوں کی حیثیت اصل یہ ہے کہ لکھنؤ مٹ چکا تھا۔ وہاں کے اربابِ ہنر کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں رہا تھا چند باورچی، چند فراش، چند ہیجوان برادر، دو چار طبیب، چار پانچ شاعر رام پور پہنچ گئے اور نوکر ہو گئے۔ اس وقت کی بربادیوں میں اتنا سہارا بھی بہت تھا۔ لوگوں نے قدردانیوں اور فیاضیوں کے افسانے مشہور کر دیئے۔

غالب کا ایک خط اور ہنگامۂ ۱۸۵۷ء

رام پور کے مجموعہ سے ایک عجیب بات کا انکشاف ہوتا ہے۔ غدر ۱۰۔ مئی ۱۸۵۷ء کو شروع ہوا۔ اس سے دو ماہ پہلے یعنی ۸۔ مارچ ۱۸۵۷ء کو غالب نے ایک خط لکھا ہے، جس میں درخواست کی ہے کہ اسے پڑھ کر چاک کر دیا جائے۔ چنانچہ دفتر میں یہ تصریح ملتی ہے کہ "حسب الحکم چاک نمودہ شد" اور نواب صاحب جواب میں لکھتے ہیں "حسب الارقام صحیفہ موصوفہ را بعد استفاضۂ مضمونش چاک نمودہ شد و آئندہ ہم دربارۂ ہمچو مکاتیب تعمیل ایماے سامی ملحوظ خواہد شد" (مجموعہ رام پور کا حاشیہ ہے)

سوال یہ ہے کہ یہ احتیاط کیوں برتی گئی؟ بظاہر حال مرزا غالب اور نواب صاحب کی خط و کتابت اصلاح شعر سے تعلق رکھتی تھی۔ کیوں مرزا کو خیال ہوا کہ ان کا خط چاک کر دینا چاہئے اور کیوں نواب صاحب نے بھی بلاتردد اس کی تعمیل کی؟

کیا غدر سے دو ماہ پہلے دہلی میں پولٹیکل انقلاب اور فوجی بغاوت کے چرچے ہو رہے تھے؟ کیا قلعے میں اس کے تذکرے شروع ہو گئے تھے؟ اس

التجاؤں سے اعراض

مرزا غالب نے مرنے سے ایک سال پہلے دو باتوں کے لئے بار بار التجائیں کی تھیں، ایک یہ کہ حسین علی خان کی شادی کے لئے کچھ اعانت ہو جائے، دوسری یہ کہ اس کے لئے پچیس روپیہ وظیفہ مقرر ہو جائے۔ جب کئی ماہ گذر گئے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا، ادھر قرض خواہوں کے تقاضوں سے عزت پر آبنی تو مرنے سے تین ماہ پہلے یہ درخواست کی کہ مجھے صرف آٹھ سو روپے مل جائیں کہ قرض سے سبک دوش ہو جاؤں۔ حسین علی کی شادی اور اس کے نام کے وظیفے سے درگذرا میری جان اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے۔ جو عطا فرمانا ہو، جلد عطا فرمایئے۔ امرائے ہند کی ناحق شناسیوں اور قدر فراموشیوں کی تاریخ کا یہ واقعہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس گدایانہ فریاد کا بھی، جو عہد کے سب سے بڑے باکمال فن نے عجز و پیری کے بستر مرض سے کی تھی کوئی جواب نہیں ملا، اور اسے صرف آٹھ سو روپے کے لئے قرض داروں کا بوجھ اُٹھاتے ہوئے قبر میں جانا پڑا ؛

بیگم کی درخواستیں

جب مرزا کا انتقال ہو گیا تو ان کی بیوی نے پیہم عرائض کلب علی خاں کو بھجوائے۔ ایک عریضہ میں لکھتی ہیں کہ مرزا صاحب آٹھ سو کے قرض دار مرے۔ وفات کے ساتھ ہی دونوں وظیفے بند ہو گئے، گورنمنٹ کا بھی اور رام پور کا بھی۔ اب نوبت فاقہ کشی کی پہنچ گئی ہے۔ اُمید نہیں میں برس چھ مہینے سے زیادہ اور جیوں گی اور میرے لئے کچھ حکم ہو جائے لیکن کوئی توجہ نہیں کی گئی نواب امیر الدین مرحوم (لوہارو) کہتے تھے کہ نواب ضیاء الدین خاں مرحوم نے قرضداروں سے کچھ رقم معاف کرائی، باقی رقم اپنے پاس سے دے دی تھی اور جب رام پور کی طرف سے بالکل نا امیدی ہو گئی تو لوہارو سے ایک رقم امراؤ بیگم (مرزا کی بیوی) کے لئے ماہ بہ ماہ جانے لگی ؛

یہ اس شخص کا حال تھا جس کی قدر دانیوں کی تمام شمالی ہند میں دھوم تھی یعنی

رجب علی اور الٰہی بخش

اس سازش میں مرزا الٰہی بخش بھی شریک تھے جیسے یا سورتھ اسمتھ لارڈ لارنس کا سوانح نگار نہایت موزوں ملقب ہے سے بار بار یاد کرتا ہے، یعنی "دہلی کا ٹریٹر"۔ قلعے کے سقوط کے تیسرے دن مرزا الٰہی بخش نے مقبرہ ہمایوں میں بادشاہ کی موجودگی متحقق کرلی اور رجب علی کو اطلاع دے دی۔ رجب علی نے اپنے آقا ہاڈسن کو فوراً مطلع کردیا۔ ولسن متامل تھا لیکن ہاڈسن نے اپنی ذمہ داری پر جانا قبول کرلیا اور اپنے رسالہ کے سوار لے کر مع الٰہی بخش اور رجب علی کے روانہ ہوگیا۔

ہاڈسن کا عہد

مقبرہ کے پاس پہنچکر ہاڈسن مع سواروں کے ایک پرانی عمارت میں چھپ گیا۔ الٰہی بخش اور رجب علی اندر گئے اور بادشاہ سے کہا "یہی وقت ہے چلئے اور صفائی کر لیجئے ورنہ پھر یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا"۔ تمام شاہزادے اور ساتھی مخالف تھے لیکن بہادر شاہ کی کمزوری و بے ہمتی نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کردیا اور کہا اگر مقبرہ کے صحن میں آکر خود ہاڈسن بلند آواز سے پکار دے کہ بادشاہ کی حفاظت جان کی ذمہ داری لی جاتی ہے تو میں بلا تامل سوار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ان دونوں ایمان فروشوں نے آکر ہاڈسن سے صورت حال کہہ دی۔ ہاڈسن یہ سنکر مقبرہ کے اندر گیا اور عمارت کے قریب آکر باوازبلند اعلان کیا "اگر بادشاہ دہلی نے بغیر مقابلہ کے اپنے آپ کو حوالہ کردیا تو گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے ان کی جان اور عزت کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاتی ہے"۔ تین مرتبہ یہ صدا لگاکر وہ واپس چلا گیا۔

بادشاہ کی حوالگی

تھوڑی دیر کے بعد بہادر شاہ پالکی میں سوار برآمد ہوئے انہوں نے کہا "کیا ہاڈسن صاحب بہادر یہی ہیں؟" ہاڈسن نے کہا "میں ہاڈسن ہوں"۔ سکھوں کی دوسری جنگ کے موقعہ پر یہ دہلی میں رہا تھا اور قلعہ میں پیش ہو چکا تھا۔ اس لئے بہادر شاہ اس سے واقف تھے۔ پھر ہاڈسن پالکی کے پاس آیا اور اسلحہ کا مطالبہ کیا۔ بہادر شاہ کے ساتھ پالکی میں دو تلواریں دونوں طرف رکھی تھیں۔ انہوں نے

سلسلے میں جو معلومات میں فراہم کر رہا ہوں بہ سلسلۂ تاریخ غدر ۱۸۵۷ء ان سے جواب اثبات میں ملتا ہے عجب نہیں مرزا غالب نے ان امور کی نسبت کچھ لکھا ہو اور اس لئے احتیاط کا مقتضی ہو کہ یہ خطوط چاک کر دیئے جائیں:۔

بہادر شاہ کی گرفتاری

حکیم احسن اللہ خاں یہ صحیح نہیں ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں کے خلاف بدگمانی بے اصل تھی یعین محاصرہ دہلی کے دوران میں یہ برابر انگریزی کیمپ سے نامہ و پیام کرتے رہے۔ خود ہاڈسن اپنے خطوط میں لکھتا ہے، جب مجھے دہلی جانے کا حکم ہوا تو میں نے سرہنری لارنس کے منظور نظر (فیورٹ) یک چشم رجب علی کو بہ طور منشی کے اپنے ساتھ لے لیا۔ اس نے دہلی کے سامنے پہنچتے ہی نامہ و پیام شروع کر دیا۔ چنانچہ قلعے کے حکیم کے خطوط آنے لگے:۔

دو باتوں کا وعدہ حکیم احسن اللہ خاں نے انگریزوں سے دو باتوں کا وعدہ کیا تھا، بادشاہ کو دہلی سے فوج کے ساتھ نہ جانے دیں گے قلعے کے دفتر کے کاغذات محفوظ رکھیں گے اور انگریزوں کے حوالہ کر دیں گے، چنانچہ انہوں نے یہ دونوں باتیں پوری کر دکھائیں۔ بادشاہ کو یقین دلایا کہ انگریز آپ کو بدستور سابق قلعہ میں بٹھائے رکھیں گے۔ باغی فوج کے ساتھ دربدر پھرنے سے کیا فائدہ؟ بخت خاں نے ہر چند اصرار کیا اور بار بار منتیں کیں مگر سود مند نہ ہوا۔ غدر کے تمام انگریز مورخ لکھتے ہیں کہ اگر بادشاہ بخت خاں کی فوج کے ساتھ نکل جاتے اور اودھ اور روہیل کھنڈ میں بادشاہ کو فوج کے ساتھ دکھایا جا سکتا، تو بہت ممکن تھا کہ واقعات کی رفتار بالکل دوسری ہو جاتی!

زینت محل کے پیام آنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ پیام یقیناً الٰہی بخش کے ذریعے آتے ہوں گے غدر سے چند سال پہلے جب ڈلہوزی نے یہ تجویز کی تھی کہ بادشاہ قلعہ خالی کردیں اور قطب میں جا کر رہیں اور بادشاہ نے انکار کر دیا تھا تو اسی الٰہی بخش نے زینت محل کو آمادہ کر کے درخواست بھجوائی تھی کہ اگر جواں بخت کو ولی عہد کر دیا جائے تو تخلیہ قلعہ اور قیام قطب کی تجویز میں منظور کرالوں گی۔ گورنمنٹ نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی، کیونکہ وہ مطمئن تھی کہ بہادر شاہ کے بعد جس شرط پر ولی عہد کو مجبور کیا جائے گا، وہ منظور کرے گا۔

زینت محل کا پیام یہ تھا کہ میں اپنا اثر کام میں لا کر بہادر شاہ کو طیار کر دوں گی کہ انگریزوں کے پاس چلا جائے بشرطیکہ تمام شاہی خاندان کی جان و عزت کے تحفظ کا وعدہ کیا جائے، بدستور سابق قلعہ میں قیام رہے اور بدستور سابق وظیفہ جاری ہو جائے۔

ہاڈسن لکھتا ہے یہ کہنا ضروری نہیں کہ ان شرائط کو پوری نفرت کیسا تھ نامنظور کر دیا گیا اور اس طرح کی خبریں مشہور کر دی گئیں کہ قطب کی طرف فوجی اقدام بہت جلد ہونے والا ہے"۔

بہادر شاہ کے ساتھ دھوکا

ہاڈسن کا یہ بیان کہ زینت محل کی پیش کردہ شرائط نامنظور کر دی گئیں، صحیح نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کے تمام پیاموں کے جواب گول مول دیئے گئے اور الٰہی بخش اور رجب علی سے کہدیا گیا کہ وہ اپنے طور پر ان امور کی نسبت جس قدر اطمینان دلا سکتے ہیں، ضرور دلائیں تاکہ بادشاہ بخت خاں اور نصیر آباد والی فوج کے ساتھ نکل جانے کا قصد نہ کرے۔ بادشاہ اور زینت محل جب مقبرہ سے نکل کر ہاڈسن کی حفاظت میں آئے ہیں تو انہیں یقین تھا کہ اصلاح حال کی کچھ نہ کچھ راہ ضرور نکلے گی۔ دہلی کے لوگوں کا یہ عام یقین تھا کہ اگر الٰہی بخش اور احسن اللہ خاں نے دھوکا نہ دیا ہوتا تو بہادر شاہ کبھی اپنے کو حوالے نہ کرتے۔ قلعہ سے نکلتے ہوئے انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ بخت خاں کے ساتھ لکھنؤ جائیں گے۔

ہاڈسن کے حوالے کر دیں۔ ان میں سے ایک تلوار نادر شاہ کی تھی جو اس نے محمد شاہ کو بھائی بناتے ہوئے محمد شاہ کی تلوار سے بدلی تھی اور اس وقت سے ہمیشہ شاہان مغلیہ کی خاص تلوار رہی۔ ہاڈسن لکھتا ہے جب میں نے بادشاہ کی گرفتاری کی رپورٹ ولسن کو دی اور اسے معلوم ہوا کہ بغیر کسی مزاحمت کے اس آسانی کے ساتھ بادشاہ قبضہ میں آگیا ہے تو بہت خوش ہوا۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر میں نے کہا "یہ نادر شاہ کی تلوار اگر مجھے مل جائے تو نہایت شکر گزار ہوں گا۔ ولسن نے اٹھا کر میرے حوالے کر دی"۔

ہاڈسن کا ایک خط

ہاڈسن نے اپنے ایک خط میں جو دہلی سے اپنے بھائی کو بھیجا تھا، یہ تمام تفصیلات بیان کی ہیں۔ لنڈن "ٹائمز" میں بھی چھپ گیا تھا۔

ہاڈسن لکھتا ہے کہ جب میں بہادر شاہ کی پالکی لے کر دہلی دروازہ سے گزرنے لگا تو افسر متعینہ محل نے پوچھا، پالکی میں کون ہے؟ میں نے کہا "صرف (اوہلی) بادشاہ دہلی!" فوراً تمام کیمپ میں غلغلہ پڑ گیا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس آسانی سے غدر کا یہ عظیم الشان نشان انگریزی قبضے میں آجائے گا!

بادشاہ کی اسیری

بہادر شاہ کو پہلے قلعے میں لا کر اس کوٹھڑی میں رکھا جو قلعے میں مطبخ کے نام سے مشہور تھی اور جس میں غدر کے انگریز اسیروں کو رکھنا بیان کیا گیا تھا۔ یہاں گورے شب و روز سر پر مسلط رہتے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے۔ تذلیل و تحقیر کی کوئی حرکت ایسی نہ تھی جو نہ کی جاتی ہو۔ پھر چند دنوں کے بعد یہاں سے نکال کر چاندنی چوک کے ایک مکان میں رکھا گیا یہیں رابرٹس نے بہادر شاہ کو دیکھا تھا۔ جیسا کہ اس نے اپنے چہل سالہ قیام ہند کی خود نوشتہ سوانح عمری (فورٹی ون ایرس ان انڈیا) میں لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے: میں نے محسوس کیا کہ میری اور میرے ساتھی کی موجودگی اس بدبخت کیلئے تکلیف دہ ہو رہی ہے اس لئے میں جلد وہاں سے چلا آیا:

زینت محل کے پیام

ہاڈسن کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتح دہلی کے ساتھ ہی

واذا لم یکن من الموت بد
فمن العار ان یکون جبانا[1]

حکیم احسن اللہ خاں حکیم احسن اللہ نے صرف آشنا ہی نہیں کیا، بلکہ طیار ہو گئے کہ پادشاہ کے خلاف شہادت بھی دیں۔

حکیم اجمل خاں مرحوم کہتے تھے کہ غدر کے بعد جے پور میں ملازم ہو گئے تھے اور گاہ گاہ دہلی آتے تھے مگر لوگوں کی نظروں سے اس درجہ گر چکے تھے کہ انھیں عوام کے سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ بالکل خانہ نشین رہتے۔

غدر میں قلعے سے غالب کا تعلق

غالب کا بیان کیا واقعی مرزا غالب غدر کے مہینوں میں قلعے سے بالکل بے تعلق رہے اور وہاں کسی تقریب میں شریک نہیں ہوئے؟ مجھے اس میں شک ہے۔ سکوت کا الزام یقیناً غلط ہوگا، لیکن یک قلم بے تعلقی سمجھ میں نہیں آتی۔

غدر کے بعد مرزا صاحب نے ایسا ہی ظاہر کرنا شروع کیا اور بے بس کر دینے والے حالات کا تقاضا بھی ایسا ہی تھا، لیکن انھوں نے ۴۔ جنوری ۱۸۵۸ء کو جو فارسی خط نواب یوسف علی خاں کے نام بھیجا تھا اور جو ابرام پور کے مجموعہ میں چھپ گیا ہے، اس میں یک قلم بے تعلقی کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ صاف صاف اعتراف کرتے ہیں کہ

"پیوند تعلق با بہادر شاہ جز آں نہ بود کہ از ہفت ہشت سال بہ تحریر

---

[1] جب موت سے کسی بھی حال میں مفر نہیں تو پھر یہ امر کس درجہ باعث ننگ ہے کہ ہم بزدل بن جائیں۔

قیدی بادشاہ کی حالت لنڈن ٹائمز" کے ایک خاص نامہ نگار ولیم ہاورڈ رسل نے کمشنر کے ساتھ جاکر بہادر شاہ کو دیکھا تھا۔ اس وقت ان کا مقدمہ ہو چکا تھا اور حکومت سوچ رہی تھی کہ انہیں کہاں بھیجا جائے قلعے کے ایک مکان میں مقید تھے، جو حیات بخش کے پچھواڑے واقع تھا چٹائی کا فرش، بان کی چارپائی اور چند خدمتگار مہیا تھے۔ ململ کا ایک میلا کرتا پہنے ہوئے چار زانو بیٹھے تھے اور کھانس کھانس کر آفتابہ میں تھوک رہے تھے۔ کمرے میں ایک دروازہ اندر جانے کے لئے تھا جس پر پردہ کی جگہ چٹائی لگادی گئی تھی، زینت محل اور جواں بخت کی بیوی وہاں رہتی تھی:۔

حزنیہ اشعار رسل ازراہ طنز لکھتا ہے کہ ہز مجسٹی شاعر بھی ہیں اور چار دیوان مرتب کر چکے ہیں۔ انھوں نے دو تین نئے شعر تصنیف کئے تھے اور اپنے قید خانے کی دیوار پر ایک جلی ہوئی لکڑی کے سرے سے لکھ دیئے!

بہادر شاہ نے گرفتاری کے بعد کئی غزلیں اپنے حزن و مصائب کی زاز نالیوں میں لکھی تھیں؛ جو اسی زمانے میں مشہور ہو گئی تھیں۔ چونکہ لکھنے کے سامان سے محروم تھے اس لئے دیوار پر جلی لکڑی سے لکھ دیا کرتے ہوں گے!

رسل لکھتا ہے کمشنر بیگم سے گفتگو میں مشغول ہو گیا۔ پردہ کی آڑ سے آواز آرہی تھی۔ اس کی عمرہ ۳۲ سال کی بتلائی جاتی ہے۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ یہ اولڈ فول (کمی اُردو لفظ کا ترجمہ کیا ہے) ابھی تک اسی خیال میں مگن ہے کہ بادشاہ ہے میں اس کے ہاتھوں عاجز آ گئی ہوں اور اس سے نجات چاہتی ہوں۔

بدنصیب بہادر شاہ افسوس! اگر بدنصیب بہادر شاہ نے چھیاسی برس کی عمر میں اور جینے کی تمناجی سے نکال دی ہوتی اور اپنے کو بریلی یا ترائی کے میدانِ جنگ میں مرنے دیا ہوتا تو اس کی یاد دنیا کے لئے کس درجہ شاندار ہوتی!

کا یقین ہو گیا تھا:

غالب کا معاملہ سوال یہ ہے کہ کیا اس تمام عرصے میں مرزا غالب اپنے تاثر و یقین میں دہلی کی تمام خلقت سے بالکل الگ رہے؟

دہلی میں سرکار انگریزی کے جتنے متوسل تھے، سب کا یقین ابتدائی دنوں میں متزلزل ہو گیا تھا اور یہ دیکھ کر کہ شاید اب ورق الٹنے والا ہے قلعہ کے ساتھ اظہار ارادت کرنے لگے تھے۔ البتہ دانش مندوں کی روش محتاط رہی تھی، مثلاً نواب امین الدین خاں برابر "کج دار و مریز" میں رہے۔ دونوں رخ سنبھالے رکھنا چاہتے تھے۔ قرین قیاس ہے کہ مرزا غالب کی روش بھی ایسی ہی رہی ہو گی، لیکن یہ بات کہ غدر ہوتے ہی وہ خانہ نشین ہو کر بیٹھ رہے اور قلعہ سے بالکل غیر متعلق ہو گئے، کسی طرح بھی قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی، اور پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ مرزا غالب نے قلعہ سے قطع تعلق کر کے خانہ نشینی کا ارادہ کر لیا تھا، یہ بات کیوں کر باور کی جا سکتی ہے کہ قلعے کے لوگوں نے اور خصوصاً نو دولت شہزادوں اور فوجی سرداروں نے انہیں اس ارادہ پر عمل کرنے کی مہلت دی ہو گی:

وہ بہادر شاہ کے شاعر تھے اور بہادر شاہ اب شہنشاہ ہند بنائے گئے تھے۔ دربار کے مجمع میں ان کی جگہ بھلائی نہیں جا سکتی تھی: ناگزیر تھا کہ ان کا نام زبانوں پر آتا اور یہ بات کھٹکتی کہ مرزا غالب کہاں چھپے بیٹھے ہیں:

بے تعلقی ممکن نہ تھی غدر ۱۱ مئی مطابق ۱۶ رمضان کو شروع ہوا۔ اس طرح پے درپے دو عیدیں آئیں اور دونوں عیدوں کے بارے میں قلعے کے دفتری روزنامچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ تکلف اہتمام کیا گیا اور شعرائے تہنیت کی نظمیں پیش کیں کیا اس موقعہ پر غالب چھپے بیٹھے رہ سکتے تھے؟ اور اگر ایسا کرتے تو کیا شہزادوں کی دار و گیر اور فوجی افسروں کی سختیوں سے بچ سکتے تھے؟

سب کو معلوم تھا کہ انگریزوں کے متوسل اور مداح رہ چکے ہیں۔ اگر ان کی جانب

"تاریخ سلاطین تیموریہ دا زدو سہ سال بہ اصلاح اشعار شہر یار می پرداختم دریں ہنگامہ خود را بکنار کشیدم، وبدیں اندیشہ کہ مبادا آگر ایک قلم ترکِ آمیزش کنم خانۂ من بتاراج رود وجان در معرض تلف افتد، بہ باطن بیگانہ وبظاہر آشنا ماندم":

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام غدر میں انہوں نے ایسی روش اختیار کر رکھی تھی کہ "بظاہر آشنا" رہتے تھے اگرچہ دہ کہتے ہیں کہ "بہ باطن بیگانہ" تھے اور یہی صورتِ حال صحیح معلوم ہوتی ہے:

اُمید وبیم کے تین دور

غدر کے بعد دہلی پر امید وبیم کے تین دور گزرے۔ ابتدا کے دو مہینوں میں ہر طرف سے انقلاب خروج کی خبروں کا آنا، پیہم باغی فوجوں کا خزانے اور سرو سامان کے ساتھ پہنچنا، انگریزی رعب وطاقت کا بہ کلی زوال اور دہلی کی حملہ آور فوج کے پے درپے مصائب، اس کے لئے کافی تھے کہ دور اندیش سے دور اندیش دماغوں کا یقین بھی متزلزل ہو جاتا اور وہ یہ سمجھنے لگتے کہ اب انگریزی اقتدار کے سنبھلنے کی کوئی امید نہیں لیکن پھر جب قلعہ کی نا اہلیاں آشکارا ہونے لگیں اور فوجی افسروں کی رقابتوں اور باہمدگر شکست کارکی سازشوں کا بازار گرم ہوا نیز انگریزی کیمپ نے اپنی طیاریوں اور متوقع فتح مندیوں کی اطلاعیں بھیجنی شروع کیں تو ابتدائی تاثر متزلزل ہو گیا۔ اور سمجھدار لوگ خیال کرنے لگے کہ یہ ہنگامہ جمنے والا نہیں۔ اس اثنا میں فوج ضروریات سے تنگ ہوئی، شہر پر روپیہ کی وصولی کے لئے سختیاں ہونے لگیں۔ انگریزی متوسلوں پر حملے ہوئے، نیز جیسا کہ اس طرح کی انقلابی حالتوں کا لازمی خاصہ ہے، بدنظمی، طوائف الملوکی اور ہنگامہ آرائیوں کا دور بھی شروع ہو گیا:

شک وتذبذب کا یہ درمیانی دور اگست کے اوائل تک رہا پھر جونہی انگریزی فوج نے کشمیری دروازہ کی طرف بڑھنا شروع کیا، شہر کے ہر متنفس کو ان کی آمد و فتح

سے بھی اس کی تائید ہوئی اور ان کی بے گناہی تسلیم کر لینی پڑی ؞

یہ سب کچھ ہوا لیکن پھر بھی لوٹ مار سے نہ بچ سکے یعنی فیروز آباد والی فوج کے افسروں نے ان کی اور ان کے بھائی کی حویلیاں لٹوا دیں ؞

قرین قیاس روش احسن اللہ خاں اور محبوب علی[۱] بادشاہ کے متوسل خاص اور معتمد علیہ تھے مگر ان دونوں پر جو گزری، وہ معلوم ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب ان لوگوں کا یہ حال ہوا تو کیا ممکن تھا کہ بیچارے مرزا غالب بے تعلق اور گوشہ گیر رہ کر داروگیر سے بچ سکتے؟ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے بہ خوف جان و مال بظاہر آشنائی رکھی۔ یہ ٹھیک ہے، مگر رکھی اور اسی طرح رکھی جس طرح دوسروں نے رکھی تھی۔ دوسرے کچھ نہ کچھ طاقت اور سروسامان بھی رکھتے تھے، ان کے ساتھ اس طرح کی بھی کوئی بات نہ تھی۔ یہ ان لوگوں سے کہیں زیادہ مجبور ہوئے ہوں گے اور ان لوگوں سے کہیں زیادہ اظہار تعلق کیا ہوگا۔ علاوہ بریں یہ قلعے کے ملازم تھے، ممکن نہ تھا کہ دولت خواہی کے اظہار سے باز رہ سکے ہوں ؞

سعی اخفا بہرحال صحیح بات وہی ہے جو یوسف علی خاں والے خط میں لکھی ہے "بدین اندیشہ کہ اگر یک قلم ترک آمیزش کنم، خانۂ من بتاراج رود و جان در معرض تلف افتد، بباطن بیگانہ و بظاہر آشنا ماندم" یعنی غدر کے بعد قلعے اور بہادر شاہ سے ان کی "آمیزش" جاری رہی اور بدستور آشنا و دولت خواہ رہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہی ہو سکتی ہے کہ وہ قلعہ میں حاضری دیتے رہے اور وقت و حالات کے لحاظ سے اظہار دولت خواہی و وفاداری کے لئے جو کچھ کرنا ضروری تھا، بظاہر اس سے اعراض نہیں کیا۔ البتہ یہ بات کہ ان معاملات کی مزید تفصیلات کیا ہیں؟ تو افسوس ہے کہ ان کے علم کا کوئی

---

[۱] خواجہ سرا جو دوران غدر ہی میں فوت ہو گیا تھا ؞

سے ذرا بھی پہلوتہی ظاہر ہوتی تو فوراً نظروں میں چڑھ جاتے۔

والی لوہارو کا واقعہ

لوہارو والوں نے آمد و رفت جاری رکھی۔ درباروں میں بھی شریک ہوئے تاہم چونکہ انگریزوں کے متوسل تھے اور در واقعی دربردہ انگریزی کیمپ سے نامہ و پیام رکھتے تھے اس لئے شہزادوں اور فوجیوں کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ ایک دن انہیں پکڑ کر دیوان عام میں کھینچ لائے۔ انگریزوں سے سازباز رکھنے کا الزام لگایا۔ نواب امیرالدین خاں مرحوم کہتے تھے۔ امین الدین خاں بڑے طاقتور اور شہ زور آدمی تھے۔ کہولت تک یہ معمول رہا کہ ہر روز ایک بکرے کی یخنی سے ناشتہ کرتے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ یہاں سے محفوظ نکلنا دشوار ہے تو بہادر شاہ کے ایک پوتے کو جو قریب بیٹھا تھا۔ کمر سے پکڑ کر اٹھا لیا اور سپر کی طرح سامنے رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے کہا میں واپس جاتا ہوں، اگر کسی شخص نے وار کیا تو اس سپر پر روکوں گا۔ لوگ ششدر ہو کر رہ گئے۔ وہ اسی طرح لڑکے کو اٹھائے ہوئے نقار خانہ تک آئے، گھوڑے پر سوار ہو کر اسے سامنے بٹھایا اور بخیر و عافیت گھر پہنچ گئے۔ گھر پہنچ کر شہزادے کی خاطر تواضع کی اور اپنے سواروں کے ساتھ پالکی میں بٹھا کر قلعے پہنچا دیا۔ انہیں شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے ارادت تھی۔ شاہ ابوسعید کے مرید تھے۔ خانقاہ میں ہمیشہ بیٹھا نوں کا ایک بڑا جتھا حاضر رہتا تھا۔ انہوں نے وہاں کے پٹھانوں کو بلا کر اپنی حویلی کی پاسبانی پر متعین کر دیا تھا چونکہ اس حادثہ کی تمام شہر میں شہرت ہو گئی تھی اور قلعے کے روزنامچے میں بھی یہ تفصیل درج کیا گیا تھا جو حکیم احسن اللہ خاں کی وجہ سے انگریزوں کے قبضہ میں آگیا تھا، اس لئے اس خاندان کے بچاؤ کے لئے ایک دلیل قاطع بن گیا۔ جب فتح دہلی کے بعد پرسش ہوئی تو امین الدین خان نے اپنی بے گناہی کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کر دیا۔ قلعے کے روزنامچے

---

[1] والی لوہارو

غدر کا ذکر کیا تھا، جس میں وہ شریک ہوئے تھے اور مرزا غالب کو دیکھا تھا۔ مرزا صاحب پر ضعف سے چلنا دشوار تھا۔ دو شخص دونوں طرف سہارا دے کر انہیں لفٹننٹ گورنر کے پاس لائے۔ ان کے ہاتھ میں زرافشاں کا غذ تھا، جس پر ایک رباعی درج تھی۔ جب روبرو پہنچے تو کہا کانوں سے بہرا ہو گیا ہوں، ارشاد مبارک سُن نہیں سکتا۔ آنکھوں کی بصارت جواب دے رہی ہے، جمال مبارک دیکھ نہیں سکتا۔ فکر شعر کی طاقت نہیں رہی کہ قصیدہ لکھ کر خدمت دولت خواہی بجا لاتا۔

رسم است کہ مالکانِ تحریر

آزاد کنند بندۂ پیر

اس عجز و خستگی میں ایک رباعی عرض کر کے دل کی حسرت نکالی ہے، امیدوار قبولیت ہوں:

یہ کہہ کر رباعی پڑھی اور کاغذ بطور نذر کے ہاتھوں پر رکھ کر پیش کیا۔ لفٹننٹ گورنر نے رباعی لے کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور بہت زور سے پکار کر کہا (تاکہ وہ باوجود ثقل سماعت کے سُن سکیں) آپ کا قدیم اعزاز بحال ہوا۔ آپ حضور گورنر جنرل بہادر کے دربار میں بھی بدستور خلعت پائیں گے۔ پھر اپنے ہاتھ سے مالائے مروارید اور سرپیچ سر پر باندھ دیا اور میر منشی نے خلعت کے بقیہ اجزا عطا کئے:

سنہ ۱۹۰۶ء کی یاد

خلیفہ صاحب کو اس رباعی کا چوتھا مصرعہ یاد تھا اور انھوں نے سنایا تھا، لیکن افسوس ہے کہ میرے ذہن سے اُتر گیا۔ یہ بات دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء کی ہے، جب میں، مولانا شبلی، مشتاق حسین[۱]، خلیفہ صاحب اور تمام ڈیلی گیشن ہم سفر ہوئے تھے۔ گوالندو[۲] میں جب اسٹیمر میں سوار ہوئے تو مولانا شبلی مرحوم، خلیفہ صاحب

---

۱ وقار الملک ۲ یہ سفر ڈھاکہ کا واقعہ ہے۔ کلکتہ سے گوالندو تک ریل پر جاتے تھے، پھر سٹیمر کے ذریعے سے نرائن گنج پہنچتے تھے۔ جہاں سے ڈھاکہ صرف بارہ تیرہ میل ہے۔

ذریعہ نہیں رہا۔ بعد کے حالات نے غالب کو مجبور کیا کہ جہاں تک ممکن ہو ان معاملات کو مخفی رہنے دیں اور کوئی ذریعہ ان کے انکشاف کا ابھر نہ سکے ؂

طالب کا بیان میں نے ایک مرتبہ طالب مرحوم سے اس بارے میں گفتگو کی تھی وہ کہتے تھے یہ بات میرے سننے میں بھی آئی ہے کہ غدر کے بعد جب عید آئی تو مرزا غالب نے حسب معمول تہنیت کا قصیدہ لکھا اور پیش کیا۔ یہ قصیدہ ان کے دیوان فارسی میں موجود ہوگا۔ مگر معلوم نہیں کون قصیدہ ہے۔ یہ بھی کہتے تھے کہ تب شہزادوں اور فوجی سرداروں نے مجبور کر کے دیوان عام کا دربار کرایا اور ایک سوا یک توپیں شہنشاہ ہندوستان کی سلامی کی چھوڑی گئیں تو شعراء کو حکم ہوا کہ تہنیت کے قصائد پیش کریں مجبوراً مرزا غالب کو بھی ایک قصیدہ لکھنا پڑا اگر یہ قصیدہ یا قطعہ (انہیں شک تھا) اردو کا تھا اور چونکہ اس میں وقت و تقریب کی خصوصیات کی طرف اشارہ تھا، اس لئے مرزا نے بعد کو ضائع کر دیا ؂

قصیدہ ضرور پیش کیا ہوگا روزنامچے کا یہ واقعہ مجھے غلط نہیں معلوم ہوتا[۱]، بالکل قرین قیاس ہے۔ غالب کو ضرور قصیدہ پیش کرنا پڑا ہوگا کسی طرح اس سے نہیں بچ سکتے تھے۔ یوسف علی خاں کے خط میں خود انہوں نے آمیزش رکھنے کا اعتراف کیا ہے ؂

طالب مرحوم کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارے خاندان میں یہ بات مشہور تھی کہ غدر میں مرزا نے کوئی قصیدہ لکھا تھا جو انہوں نے ضائع کر دیا اور دیوان میں شامل نہیں کیا۔ ایک اردو قطعہ کا بھی ذکر انہوں نے سنا تھا۔

بعد غدر کا ایک دربار خلیفہ محمد حسین مرحوم (پٹیالہ) نے مجھ سے دہلی کے ایک دربار بعد

---

[۱] جیون لال نے جو انگریزوں کا جاسوس تھا لکھا تھا کہ انگریزوں پر فتح کی خوشی میں جو دربار ہوا اس میں غالب نے بھی قصیدہ پڑھا تھا ؂

نہیں پہنچتے تھے، قلعہ کی دیواریں دکھائی نہیں دیتی تھی :

منشی ذکاء اللہ کا بیان

مسٹر اینڈرو نے منشی ذکاء اللہ پر جو کتاب لکھی ہے اس میں ان کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ میرا خاندانی مکان قلعہ اور مسجد کے درمیانی حصے میں تھا۔ فتح دہلی کے بعد ایک دن فوج کے افسر اور سپاہی پہنچے اور بچے کھچے لوگوں کو حکم دیا کہ فوراً گھر خالی کر دو، یہ تمام محلہ منہدم کر دیا جائے گا۔ ایک گھنٹے کے اندر صدیوں کے بسے ہوئے گھر چھوڑ کر باہر نکلنے پر لوگ مجبور ہو گئے اور تمام محلے بارود سے اڑا دیئے گئے۔ میدان کا یہ حصہ سڑک سے کئی فٹ بلند واقع ہوا ہے یہ بلندی اس لئے ہوئی کہ مکانوں کا ملبہ پھیلا کر بچھا دیا گیا :

پنجابی کٹرہ

قلعہ کی اس سڑک پر کشمیری دروازہ کی طرف اور آگے بڑھیں تو دریں کا پل آتا ہے اور بائیں طرف ریلوے اسٹیشن کی طرف جانے کی سڑک ملتی ہے یہاں پنجابی کٹرہ آباد تھا۔ جس کے وسط میں اکبرآبادی کی بڑی خوب صورت مسجد تھی مولوی عبدالقادر کا خاندان یہیں رہتا تھا۔ مولوی نذیر حسین مرحوم نے اسی مسجد میں درس حدیث دینا شروع کیا تھا۔ غدر کے بعد یہ تمام محلہ بھی اڑا دیا گیا۔ اب قدیم صورت حال کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا :

اس محلے کے انہدام کے بعد مولوی نذیر حسین حبش خان کے پھاٹک میں چلے آئے اور آخر تک وہیں مقیم رہے :

دارا شکوہ کا کتب خانہ

قلعہ سے کچھ آگے بڑھیں تو داہنی جانب نشیب میں ایک پرانی عمارت نئی عمارتوں کے اضافوں کے ساتھ کھڑی ہا ملے گی یہ دارا شکوہ کا کتب خانہ تھا۔ اسی کے قریب اس کی ایک حویلی بھی تھی جس کا ذکر فرخ سیر اور احمد شاہ کے زمانے کے واقعات میں ضمناً ملتا ہے۔

بایک جہاں کدورت، بازایں خرابہ جائیست

اور میں ایک کیبن میں چلے گئے۔ پھر وہاں محمد علی مرحوم اور مولوی رفیع الدین بھی آ گئے تھے۔ مرزا غالب کا ذکر نکلا تو خلیفہ صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا۔ ہم چونکہ جاتے ہی کیبن میں بیٹھ گئے تھے اور ڈائننگ ہال میں نہیں گئے تھے اس لئے چائے سے محروم رہ گئے تھے۔ میں نے چائے کے لئے کہلایا تو جواب ملا، چائے ختم ہوگئی ہے۔ اس پر خلیفہ صاحب نے مسکراتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا۔

کہ اب تو کچھ نہیں باقی حباب شیشے میں!

اس واقعہ پر تینتیس برس گزر گئے، مگر اس وقت تک خلیفہ صاحب کا ثقہ اور سنجیدہ چہرہ، پٹیالہ کی بڑی درباری پگڑی اور اس پر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ یہ رندانہ مصرعہ پڑھنا میری نگاہوں میں پھر رہا ہے! افسوس، یہ صورتیں بھی باقی نہ رہیں

چوں دور خسرو آمد مے در سبو نہ ماندہ!

شاہ جہاں آباد کے چند مناظر

عمارتوں کا انہدام

لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان اب جو میدان ہے یہاں دہلی کے سب سے زیادہ گنجان محلے آباد تھے۔ قلعہ کے لاہوری دروازے سے نکل کر جامع مسجد کی طرف جاتے تھے تو ایک بڑے پُررونق بازار میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ اُردو بازار کہلاتا تھا۔ یعنی فوج کا بازار۔ خانم کا بازار بھی اسی طرف تھا۔ قلعہ کی خندق سے لے کر سڑک تک اب کھلا میدان ہے۔ اس میدان میں بھی محلے آباد ہو گئے تھے زیادہ تر امرا کی بڑی بڑی حویلیاں تھیں قلعہ میں انہیں نوبت بہ نوبت حاضر باش رہنا پڑتا تھا اسلئے یہیں مکانات تعمیر کر لئے تھے۔ قلعہ محلوں اور عمارتوں کے احاطہ سے چھپ گیا تھا۔ جب تک خندق پر

ایسا خوش تقریر انسان عمر بھر میں اور کوئی نہیں دیکھا۔ مجلس کی تقریر اور درس و علم کی تقریر دونوں میں بے مثل تھے۔ ان کی ایک تقریر وحدۃ الوجود پر اس درجہ مشہور ہوئی کہ دور دور سے اہل علم اس کی سماعت کے لئے شد رحال کر کے آتے تھے۔

مذہبی عقائد و اعمال لیکن جہاں تک مذہبی عقائد و اعمال کا تعلق ہے ان کا مشرب رسم پرستی و بدعت نوازی کا تھا اور اس باب میں نہایت غلو رکھتے تھے۔ مولانا اسماعیل شہید نے جب تحریک اصلاح شروع کی تو اس کے مخالفوں میں یہ سب سے زیادہ نامور ہوئے۔ مولانا شہید نے "تقویۃ الایمان"[1] میں لکھ دیا ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایک پل میں کروڑوں آنحضرت صلعم کے امثال پیدا کر دے۔ یہ بات ان پر بہت شاق گزری اور معقولات کی رنگ آمیزیوں سے ایک تقریر اس کے رد میں لکھی۔

مسئلہ نظیر خاتم النبیین دعویٰ یہ کیا کہ نظیر خاتم النبیین کا پیدا ہونا ممتنع بالذات ہے اور پھر "قدرت" اور "مشیت" کا فرق فراموش کر کے سارا معاملہ مشیت کے فعل میں لے گئے۔ ساری تقریر محض جدل و مکابرہ کا ایک لفظی گورکھ دھندا تھی۔ مولانا اسماعیل نماز کے لئے جامع مسجد جا رہے تھے کہ راہ میں انہیں یہ تقریر ملی۔ نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ گئے اور کاغذ و قلم منگوا کر ایک پورا رسالہ اس کے جواب میں قلم بند کر دیا۔ چونکہ ایک ہی دن میں لکھا گیا تھا، اس لئے "یک روزی" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پھر مولانا صدر الدین نے بھی اس پر ایک تقریر لکھی۔ یہ دونوں رسالے "ایضاح الحق الصریح" کے حاشیہ پر چھپ گئے ہیں۔

غالب کی مثنوی انھوں نے مرزا غالب سے بھی ایک مثنوی مولانا اسمٰعیل کے رد میں لکھوائی تھی جو دیوان میں موجود ہے۔ استمداد، توسل قبور

---

[1] شاہ اسمٰعیل کی تصنیف

مرزا الٰہی بخش

یہ وہی الٰہی بخش ہیں جنھوں نے بہادر شاہ کو گرفتار کرایا تھا اور جنھیں باسورتھ اسمتھ مصنف سوانح لارڈ لارنس "دہلی کا ٹریٹر" لکھتا ہے۔ سانڈرس نے ان کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے "فاتحوں کی ادنیٰ خوشنودی کے لئے اگر ضرورت ہو تو وہ اپنے باپ کو بھی پکڑوا دے"

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے پر بھی ذلیل و خوار رہے۔ چونکہ غدر کے بعد گورنمنٹ چاہتی تھی، "قلعے کے خاندان کا کوئی نام و نشان دہلی میں باقی نہ رہے" اس لئے الٰہی بخش جیسے خاندان فروش کو بھی دہلی میں دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ بہرحال کچھ دنوں کی زاری نالی کے بعد انھیں قیام کی اجازت مل گئی اور خاندان شاہی کے ہیڈ قرار پائے

عید کے دن انھوں نے چاہا تھا کہ چار گھوڑے کی گاڑی میں بیٹھ کر عیدگاہ جائیں ڈپٹی کمشنر کو معلوم ہوا تو چوب دار بھیجکر ممانعت کر دی کہ یہ امتیاز قلعہ کے شاہزادوں کو حاصل تھا، اب وہ زمانہ گیا

مولانا فضل حق خیرآبادی

بے مثال خوش تقریر | والد مرحوم نے معقولات کی تکمیل مولانا فضل حق کی خدمت میں کی تھی۔ اثنائے درس میں اکثر ان کا ذکر خیر آجاتا تھا۔ فرماتے تھے میں نے

اگر مومن علی خان کے نام بھوپال سے سفارش کا خط آجائے تو ان کی مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ غالب نے صدیق حسن خان کو لکھا اور انہوں نے مومن علی خان سے سفارش کی :

اس کے بعد جب جاگیر کی واگزاری کے لئے مرافعہ کیا گیا تو پھر نواب صدیق حسن خان کو مکرر سفارش کے لئے لکھا گیا۔ چنانچہ انھوں نے دوبارہ خط لکھا اور اس طرح علاقہ بھی واگزاشت ہو گیا۔ نواب صدیق حسن خان نے یہ واقعہ خود لکھا ہے اور شیفتہ کا خط بھی نقل کیا ہے۔

حالی مرحوم نے بھی یہی واقعہ بیان کیا تھا۔ نواب صاحب کی تصریح کے لئے صبح گلشن دیکھنا چاہیے۔ مدت ہوئی دیکھا تھا۔ حافظہ سے لکھ رہا ہوں :

مفتی صدرالدین آزردہ

غیر معمولی جامعیت

مفتی صدرالدین اس عہد کے اکابر و افاضل میں ایک غیر معمولی فضیلت و جامعیت کے آدمی تھے۔ علوم کی تکمیل شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں کی۔ والد مرحوم کے نانا مولانا منور الدین رکن المدرسین اور مولانا رشید الدین ان کے ہم درس رہے تھے۔ یہ زمانہ دہلی کے محاصرہ اور انگریزوں اور مرہٹوں کی ابتلا کا تھا۔ لارڈ لیک نے سنہ ۱۸۰۳ء میں سندھیا اور ہلکر کی فوجوں کو دہلی کے سامنے آخری شکست دی۔ اس لئے سمجھنا چاہیے کہ سنہ ۱۸۰۰ء اور سنہ ۱۸۰۵ء کا زمانہ ہوگا۔ تحصیل علم کے شوق اور شاہ صاحب کی شاگردی کے ولولے نے مولانا منور الدین کو گھر سے نکالا۔

مولانا منور الدین

بزرگ تھے اور عزیزوں پر جدائی شاق تھی۔ اس لئے سفر کے ارادہ سے مجبوراً بغیر کسی کو خبر دیئے۔ پوشیدہ نکل کھڑے ہوئے

استعانت بہ حرف ندا، ایصال ثواب بہ طریق رسمی اور یہی مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیین[۴] اس میں بیان کئے گئے ہیں۔ آخری مسئلہ اس درجہ بے معنی تھا کہ مرزا غالب کا ذہن اسے قبول نہ کرسکا اور ایک لطیف پیرائے میں وہی بات کہہ گئے جو مولانا اسماعیل کہتے تھے، لیکن پھر چونکہ مولانا فضل الحق نے بہ شدت انکار کیا، اس لئے چند نئے اشعار کہہ کر بحث کا رخ بدل دیا کہ ؎

گر دو صد عالم بود، خاتم یکیست

[illegible] مولانا حالی نے یہ واقعہ بہ تفصیل یادگار میں لکھا ہے۔

[illegible] مولانا فضل حق نے جزیرہ انڈیمان میں ایک مختصر عربی رسالہ غدر کے حالات اور اپنی اسیری کی سرگزشت میں لکھا تھا، جو اس وقت تک شائع نہیں ہوا[۱]۔ میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

شیفتہ کے مرافعہ کی کامیابی میں مرزا غالب کی سعی و کاوش کو بھی دخل ہے۔

نواب صدیق حسن خاں جب دہلی میں مفتی صدر الدین سے پڑھتے تھے تو مرزا غالب سے بھی راہ و رسم ہو گئی تھی اور شاید ان سے فارسی کی بعض چیزیں پڑھی بھی تھیں۔ غدر کے بعد وہ سکندر جہاں بیگم کے پیش کار ہو گئے۔ یہ ان کی آئندہ ترقیوں کا پہلا زینہ تھا ان کے ایک دوست مومن علی خاں صدر الصدور میرٹھ تھے۔ شیفتہ نے غالب کو لکھا کہ

---

[۱] مرتبہ ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

دامن اس کا تو بہت دور ہے اے دستِ جنوں
کیوں ہے بیکار ؟ گریباں تو مرا دور نہیں

یہ شعر بھی جو ہمیشہ میری زبان پر رہتا ہے۔ انھی کا ہے۔

کاہل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

والد مرحوم اپنے چچا کا جنہوں نے مدینۂ منورہ میں انتقال کیا، جب کبھی ذکر کرتے تھے[1] تو مفتی صاحب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

آزردہ مر کے کوچۂ جاناں میں رہ گیا
دی تھی دعا کسی نے کہ جنت میں گھر ملے

ادب عربی میں بے مثال

والد مرحوم فرماتے تھے کہ ادب عربی کا ذوق ان سے بڑھ کر میں نے وقت کے کسی فاضل میں نہیں پایا۔ حماسہ کے سینکڑوں اشعار نوک زبان تھے متنبی کا درس سب سے پہلے انہوں نے ہی دہلی میں دینا شروع کیا، ورنہ اس کا کلام درس کی چیزوں میں داخل نہ تھا انہوں نے متنبی کی ایک شرح بھی لکھی تھی افسوس ہے کہ ان کی مصنفات غدر میں ضائع ہوگئیں۔ صرف ایک عربی رسالہ حدیث لاتشد الرحال الخ کے متعلق میری نظر سے گزرا اور ایک تحریر مسئلہ امتناع نظیر پر ::

انگریزی ملازمت کی حیثیت

دہلی میں جب انگریزی حکومت قائم ہوئی تو علماء ثقات کا عام مسلک یہ رہا کہ انگریزی ملازمت سے اجتناب کیا جائے شاہ صاحب کا بھی ابتدا میں یہی مسلک تھا۔ جب کمپنی نے کلکتہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ قائم کیا اور اس کے لئے لکھنؤ لکھا تو لکھنؤ سے ایک استفسار شاہ صاحب کے نام گیا تھا۔ شاہ صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر اس سے احتراز واجب ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ اگرچہ بظاہر خیال ہوتا ہے اقیام عدل و شرع کے کاموں کے لئے ملازمت ہو تو اس میں کیا حرج ہے ! لیکن دقتِ نظر

---

[1] مولانا کے والد کے دو چچا، شیخ محمد یوسف اور شیخ محمد مفتی ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے غالباً شیخ محمد یوسف کی طرف اشارہ ہے جو طب کے علاوہ معقولات کے بہت بڑے عالم تھے اور خوش خط بھی۔

اور قصور سے دہلی تک کا سفر پا پیادہ کیا۔ دہلی کے حوالی میں کئی جگہ گرفتار ہوتے ہوتے بچے۔ ایک مقام پر ایک گوجر کی خدمت کر کے اسے اپنا حامی بنایا۔ دہلی پہنچ تو شاہ صاحب کے حلقۂ درس میں مفتی صدر الدین اور مولوی رشید الدین شامل ہو چکے تھے یہ بھی شامل ہو گئے۔ شاہ صاحب نے اپنے ایک عربی مکتوب میں اس عہد کے معرکوں کا حال بیان کیا ہے۔

مولانا کے والد ماجد سے تعلق

انگریزوں کو مشرقی فوج کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ پورب (بنگال و بہار) ان کا مرکز تھا۔ مشرقی فوج کے سردار کی نسبت لکھتے ہیں اس کا نام ہندی میں قمل (د جوں) کا مفہوم رکھتا ہے، یعنی لیک۔

بہر حال مفتی صاحب چونکہ مولانا منور الدین کے ہم درس ہوئے تھے، اس لئے دونوں میں برادرانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، دہلی پہنچنے کے چند سال بعد انھوں نے دہلی ہی میں شادی کر لی اور مقیم ہو گئے۔ اس معاملے میں بھی مفتی صاحب کے ایماد مشورہ کو دخل تھا۔

والد مرحوم نے مفتی صاحب سے بھی تحصیل کی تھی۔ ان کے فضل و کمال اور جامعیت کے بیحد معترف تھے۔ فرماتے تھے، ان کا سلوک مجھ سے بالکل ایسا تھا جیسا اپنے خاص عزیزوں سے ہوتا ہے۔ عید کے دن ہمارے یہاں آتے، تو جس طرح اپنے عزیزوں کو بطور عیدی کے کچھ دیا کرتے ہیں، ایک اشرفی میرے لئے بھی ضرور لاتے۔ نانا مرحوم فرماتے یہ اشرفیاں بطور تبرک کے جمع رکھو ؎

ذوق شعر و ادب

فضل و کمال علمی کے ساتھ ادب و شعر کا ذوق بھی تینوں زبانوں میں تھا۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کے شاعر تھے۔ ان کا اردو کلام بہت تھوڑا ہے، مگر جتنا ہے، انتخاب ہے اور ان کے پایۂ بلند کے شان شایاں ہے والد مرحوم ایک مشاعرہ کا حال سناتے تھے، جس میں ان کی غزل نے تمام اکابر شعرا کا رنگ پھیکا کر دیا تھا۔ دود نہیں، منظور نہیں، طرح تھی ؎

تقلید شخصی، قرأۃ فاتحہ خلف امام، جواز و عدم جواز استمداد، تقبیل قبور و غیرہا مسائل میں ان کی متضاد تحریریں موجود ہیں اور دونوں گروہ ان سے استدلال کرتے ہیں سنہ ۱۲۴۰ھ کے مشہور مباحثۂ جامع مسجد دہلی میں جب مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحیؒ نے بدع و محدثات کے خلاف ادلۂ کتاب و سنت پیش کیے تو مولانا رشید الدین مرحوم کا جواب یہی تھا کہ ہم سب نے شاہ صاحب سے فیض حاصل کیا ہے۔ ہم سب ان کے خدام و حلقہ بگوشوں میں سے ہیں۔ ان کا قول و عمل ہمارے لئے حجت قاطع ہے اور ان کی تحریرات اور فتاوی اس باب میں موجود ہیں۔ مولوی عبدالحی نے کہا ادلۂ اربعہ میں آباء و مشائخ کا قول داخل نہیں، قرآن و سنت سے ثابت کیجئے۔ مگر وہاں سنتا کون تھا۔ یہ بات کہ شاہ صاحب کا قول و عمل ان لوگوں کے، کہ انہی کے پروردہ ہیں، خلاف تھا، سارے مجمع کے لئے فیصلہ ناطق ہو گیا!

قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود

خانقاہ والوں کی عزیمت

بہرحال یہ تو دوسرا قصہ نکل آیا۔ کہنا یہ تھا کہ اوائل میں اصحاب علم و تقوی انگریزی نوکری سے مجتنب رہے لیکن پھر آہستہ آہستہ نرم پڑتے گئے۔ چنانچہ دہلی کے کئی خاندانی آدمیوں نے ملازمت اختیار کر لی تھی اور شاہ صاحب کا مولوی عبدالحی اپنے خویش کو ملازمت سرکاری کی اجازت دے دینا اس دروازہ کی آخری بندش کا ٹوٹ جانا تھا۔ البتہ خانقاہ والوں کا مسلک غدر تک یہی رہا۔ وہ انگریزی حکومت کے نوکروں سے کسی طرح کا نذرانہ یا تحفہ قبول نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ان کا وسیلۂ معاشیت مشتبہ ہے۔ سرسید احمد خاں مرحوم بھی خانقاہ کے مریدوں میں سے تھے اور شاہ غلام علی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے انھوں نے جب انگریزی نوکری کر لی اور اس کے بعد ملنے گئے اور حسب معمول نذر لے گئے، تو خانقاہ کے تمام مشائخ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سرسید نے یہ واقعہ خود لکھا ہے۔

مفتی صاحب کا انتخاب

انگریزوں کو اس بات کی بڑی خواہش و جستجو رہتی تھی کہ مسلمانوں

سے کام لیا جائے تو اس کے جواز پر بھی قلب مطمئن نہیں ہو سکتا۔ یہ قیام شرع و عدل کے محکمے جو قائم کئے جاتے ہیں اور ان کے لئے معتمد مسلمان ڈھونڈے جاتے ہیں، تو اس سے مقصود یہی ہے ۔ کہ انگریزوں کے کاروبار کو فروغ ہو اور ان کی حکومت و شوکت استواری پائے ....

.... جب جو مسلمان ان مناصب کو قبول کریں گے، البتہ یہ ان کی حکومت کی مقبولیت و استواری کا ذریعہ بنیں گے اور اس پر کسی مسلمان کو بشرطیکہ رسالت اور اس کے رسولؐ پر ایمان صادق رکھتا ہو رضامند نہیں ہونا چاہیئے۔

شاہ عبدالعزیز کا دوسرا فیصلہ

لیکن جب انگریزی حکومت پر کچھ عرصہ گزر چکا تو انگریزوں کی کوششیں جو وہ شمالی ہند میں مسلمانوں کی تالیف قلب کے لئے برابر کئے جا رہے تھے۔ بہت کچھ کامیاب ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ وہ وقت آگیا خود شاہ صاحب تیار ہو گئے کہ اپنے داماد مولوی عبدالحئی کو میرٹھ کے مفتی عدالت ہونے کی اجازت دے دیں۔ اور مدرسہ عزیزی کی طرف سے ان کا نام پیش کریں۔ اس وقت شاہ غلام علی خانقاہ والے زندہ تھے۔ انہوں نے جونہی یہ بات سنی نہایت درجہ کبیدہ خاطر ہوئے اور شاہ صاحب کے نام خط لکھ کر اظہار تعجب کیا۔ شاہ صاحب نے اس کے جواب میں ایک مفصل خط لکھا ہے اس میں حضرت یوسفؑ اور فرعون کے معاملے سے استدلال کرتے ہیں اور انہی باتوں پر زور دیتے ہیں جن کا چند سال پہلے لکھنو والے مکتوب میں بشدّ ومد رد کر چکے تھے۔

ڈاکٹر ہنٹر نے اپنے رسالہ انڈین مسلمانز میں شاہ صاحب کے اس خط کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ ان کے مجموعۂ فتاویٰ میں جو مجتبائی پریس نے شائع کر دیا ہے، دونوں تحریریں موجود ہیں :

متضاد تحریریں

شاہ صاحب کی یہ کمزوریاں بحث و نظر کے دوسرے گوشوں میں بھی نمایاں رہیں اور یہی مقام ہے جہاں وہ اپنے والد بزرگوار سے بالکل الگ ہو جاتے ہیں۔

صحبتوں کا ذکر کرتے تھے تو بار بار یہ شعر پڑھتے اور آبدیدہ ہو جاتے۔

تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشیۃ من عرار

فرماتے تھے، مفتی صاحب کا دیوان خانہ دہلی کے تمام منتخب افراد کا مجمع و مرکز تھا۔ جاڑا، گرمی، برسات۔ کوئی موسم ہو، لیکن شب کی یہ مجلس کوئی قضا نہیں کرتا تھا۔ ہر فن کے اکابر کو ان کے بہترین دفتوں میں دیکھا جا سکتا تھا۔ اگر کوئی نووارد دہلی آتا اور چاہتا کہ دہلی کے سارے فضل و کمال کو بہ یک وقت و بہ یک مجلس دیکھ لے تو وہ سیدھا مفتی صاحب کے دیوان خانہ کا رُخ کرتا!

سرسید مرحوم نے اپنے ایک قدیم رسالے "راہِ سنت" پر ایک نوٹ لکھتے ہوئے ان صحبتوں کا بڑے ہی موثر لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

غدر کے باب میں فتویٰ

جب غدر ہوا تو مفتی صاحب خانہ نشین ہو گئے مگر حالات کب انہیں بے تعلق رہنے دیتے تھے؟ قلعہ میں جانا اور دربار میں شریک ہونا پڑا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ بدستور عدالت کا کام جاری رکھیں مگر انہوں نے عذر کر دیا۔ پھر جب بریلی سے بخت خاں آیا تو اس نے علماء و مشائخ سے جہاد کا فتویٰ لکھوایا خانقاہ والوں کو بھی مجبور کیا کہ جامع مسجد میں آکر اس کا اعلان کریں۔ مفتی صاحب کو بھی دستخط کرنا پڑا لیکن انھوں نے دستخط کے نیچے کتبت بالجبر لکھ دیا تھا۔

عربی میں اس طرح کے جملے خاتمۂ عبارت میں لکھے جاتے ہیں مگر "الجبر" پر انہوں نے نقطے نہیں دیئے تھے۔ غدر کے بعد جب ان کی روبکاری ہوئی اور فتویٰ پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ مجھے دستخط کرنا پڑا کہ مجبور تھا۔ توپ گولہ نہ تھا کہ مقابلہ کرتا لیکن عربی میں جو کچھ لکھا ہے اسے بھی ساتھ ملا لیا جائے۔ دستخط کی حالت واضح ہو جائے گی۔ میں نے صاف لکھ دیا ہے کہ "کتبت بالجبر" جبر و تشدد سے دستخط کرایا گیا ہے۔

کے خاندانی اور ذی وجاہت اشخاص افتار وصدارت کے مناصب قبول کرلیں تاکہ شمالی ہند میں انگریزی حکومت عوام میں مقبول ہوسکے۔ ہندوستانیوں کے لئے بڑے سے بڑا عہدہ صدر الصدور عدالت کا تھا، اس لئے اکابر وافاضل کو یہی پیش کیا جاسکتا تھا :

دہلی چونکہ قدیم دار الحکومت اور اسلامی تہذیب کا مرکز تھی۔ اس لئے یہاں کی صدارت کے لئے خصوصیت کے ساتھ اہتمام کیا جاتا تھا۔ کلکتہ سے صاحب کلاں (ریذیڈنٹ) کو لکھا گیا کہ امرائے شہر اور بادشاہ سے مشورہ کرکے کسی ایسے شخص کو صدر الصدور مقرر کریں، جس کی وجاہت اور علم وفضل مسلمانوں میں مسلّم ہو۔ ریذیڈنٹ نے بادشاہ اور امرائے شہر سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے ہوئی کہ اگر مولوی صدر الدین منظور کریں، توان سے بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا چنانچہ بادشاہ اور امراء وثقات کے متفقہ اصرار سے انھوں نے یہ منصب قبول کرلیا :

دہلی کے دیوان خانے اٹھارویں صدی میں پیرس اور لنڈن کے علم دوست امراء کے سیلون اور ڈرائنگ رومز کے جو حالات ہم پڑھتے ہیں بعینہٖ یہی حال دہلی کے دیوان خانوں کی مجلسوں کا بھی تھا۔ ہر حلقے میں کسی نہ کسی امیر کا دیوان خانہ شب کے اجتماع وسمر کا مرکز بن جاتا تھا اور اس حلقہ کے لئے ٹھیک ٹھیک ایک علمی، ادبی اور تفریحی کلب کا کام دیتا تھا۔ والد مرحوم ان دیوان خانوں کی مجالس کے جو افسانے سنایا کرتے تھے، کاش وہ قلم بند کئے جاسکتے۔ بجھنے والے چراغ کا یہ آخری اُجالا تھا۔ دہلی مرحوم کی ہفت صد سالہ زندگی کی انجمن طرازیوں کی یہ آخری بزم تھی، گو شان وشکوہ کے سارے پچھلے نقوش مٹ چکے تھے لیکن مٹتے ہوئے رنگ وروغن میں بھی عہد ماضی کے مرقعوں کی بہار دیکھی جاسکتی تھی۔ خواجہ حالی مرحوم نے محمود خان کے مرثیہ میں جو کچھ کہا ہے اسے ان صحبتوں کی یاد میں پڑھنا چاہیئے۔

قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہد عالمگیر واکبر شاہ کی تصویر تھی

مولانا کے والد ماجد کا بیان والد مرحوم شب کی نشستوں میں جب کبھی اس عہد کی

کی ذہنی معنویت کی صدا ضرور تھی۔ مگر جب لوگ اس پر پریشان خاطر ہوئے تو اس کی تاویلیں کرنے لگے۔ تفسیر **ما اہل بہ لغیر اللہ** پر جو فتنہ اٹھا تھا، اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وقت کی حقیقت فراموشیوں کا کیا حال تھا۔ اگر اپنے والد کے مسلک پر رہتے تو قبولیت عوام سے دست بردار ہونا پڑتا۔ افسوس یہی قبولیت عوام ہمیشہ علماء کے لئے سب سے بڑا فتنہ رہی۔ والد مرحوم فرماتے تھے جب شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوا اور شاہ عبد العزیز مسند درس و ارشاد پر بیٹھے تو مولانا فخر الدین نے ان کے سر پر دستار فضیلت باندھی تھی:

دستار بندی کے وقت کی نصیحت

جب پگڑی باندھ چکے تو کانوں میں کہا تمہارے والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبہ لگ چکا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کر دو۔ دھبے سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار تھا۔ اس وقت تک وہابیت وغیرہ کے تلقب تو پیدا نہیں ہوئے تھے، نہ کوئی خاص جماعت اس مسلک کی ملک میں موجود تھی۔ اس لئے عامۃ علماء مختلف طریقوں سے اسے تعبیر کرتے تھے۔ عام طور پر اعتزال کا لقب اختیار کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ شاہ ولی اللہ اعتزال کی طرف میلان رکھتے ہیں، حالانکہ کجا معتزلہ و اعتزال اور کجا مشرب اصحاب سلف و حدیث۔ **بینہما مفاوز تنقطع فیہا اعناق المطی**

بہرحال شاہ عبد العزیز سے یہ درخواست کی گئی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے پوری کر دی:

تین ہم مشرب ہم عصر

عجیب بات یہ ہے کہ تقریباً ایک ہی عہد میں تین ہم مشرب شخصیتیں ہندوستان میں جمع ہو گئی ہیں:

شاہ ولی اللہ، شاہ محمد فاخر زائر دائرہ الہ آباد والے اور مرزا مظہر جان جاناں:

شاہ صاحب کی جامعیت کا مقام دوسرا ہے، البتہ ترک تقلید اور عمل بالحدیث کے معاملہ میں یہ دونوں بھی ان کے ہم قدم تھے۔ مجھے یقین ہے کہ شاہ صاحب اور شاہ محمد فاخر

یہ محض لطیفہ نہ تھا، مفتی صاحب نے بالقصد یہ جملہ لکھا تھا اور بالقصد نقطے نہیں دیئے گئے۔

شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز

مسلک میں فرق شاہ ولی اللہ کی زندگی فقر و انزوا میں گزری، کوٹلہ میں رہتے تھے اور شہر کی آلایشوں سے دور تھے۔ چند خاص حقیقت شناس تھے جنہوں نے ان کے مقام و مرتبہ کو سمجھا تھا، لیکن شاہ عبدالعزیز کو شہرت و قبولیت کی عالمگیر سند ملی۔ بنگال سے لیکر بخارا و سمرقند تک ان کی عظمت و استادی کا سکہ چلنے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مقبولیت عام کی راہوں سے بے پرواہ ہو کر کام نہ کر سکے اور شاہراہ عام پر چلتے رہنے کے سوا چارہ کار نہ دیکھا۔ اوائل میں ان کا قلم بے اختیار اپنے والد کے مسلک پر چلنے لگا تھا۔ پھر رک گئے اور احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانے لگے۔ تفسیر میں بہ ضمن تفسیر "واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی" تقلید مذاہب کے باب میں کیا انکشاف لکھ گئے ہیں لیکن پھر جب مولوی عبدالرحمٰن لکھنوی نے استفسار کیا تو گول مول لکھ گئے۔ قرأۃ فاتحہ خلف امام کے بارے میں ان کا فتویٰ موجود ہے لیکن جب شور و ہنگامہ ہوا تو اس پر اصرار چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ کے خواب والے معاملے میں صاف صاف لکھ گئے کہ میں نے پوچھا مذاہب اربعہ میں کون سا مذہب پسندیدہ ہے؟ فرمایا کوئی نہیں۔

مصلحت دید من آن است کہ یاراں ہمہ کار
بہ گزارند و خم طرۂ یارے گیرند!

قبولیتِ عوام کا فتنہ حضرت علیؓ نے یہ فرمایا ہو یا نہ فرمایا ہو لیکن یہ خود شاہ صاحب

قدر بلگرامی نے "جلوۂ خضر" حصۂ اوّل میں اس سفر و ملاقات کا مفصل حال لکھا ہے۔ غالب کے مکان و طریقِ زندگی کی بعض جزئیات اس سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

قدر بلگرامی نے "آبِ حیات" کی نقالی میں جلوۂ خضر لکھا ہے، مگر محض بے معنی ہے کوئی خاص بات نہیں، البتہ اس سفر و ملاقات کا حال دلچسپ ہے۔ بعض باتیں غالب کی زبانی ایسی نقل کی ہیں جو مجھے مشتبہ معلوم ہوتی ہیں اور بناوٹ کی بو آتی ہے مثلاً شاعری کے باب میں ایک تحریر نقل کی ہے جو تمام تر ان کے اس رقعہ کی نقل ہے جس میں انھوں نے ؎

مشو منکر کہ در اشعارِ ایں قوم
ورائے شاعری چیزے دگر ہست

لکھ کر میر و مرزا اور قائم چاندپوری کے اشعار نقل کئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پورا رقعہ غالب کی زبان تقریر بنا دیا گیا ہے۔

نادر شاہ خاں شوخی

آخری عہد کے شاگرد } مرزا غالب کے آخری عہد کے ایک شاگرد نادر شاہ خاں شوخی رامپور کے باشندے کلکتہ میں رہتے تھے۔ میری تیرہ چودہ برس کی عمر تھی کہ شاعری کا خبط ہوا اور اس خبط نے اُن سے ملایا سنہ ۱۹۰۱ء اور سنہ ۱۹۰۲ء کی بات ہے۔ دہلی کے ایک جوہری سید اخلاق حسین، جو کاروبار کے سلسلے میں کلکتہ آتے رہتے تھے اُن کے شاگرد تھے۔ انھوں نے میرے اشعار شوخی کو سنائے اور کہا۔ تیرہ برس کی عمر میں قلم برداشتہ غزلیں لکھتے ہیں۔ انھیں بہت ہی استعجاب ہوا۔ جامع مسجد کے نیچے مولوی ضیاء الرحمٰن عمر پوری (برادر مولوی عبدالجبار عمرپوری) امام مسجد اہلِ حدیث نے کتابوں کی دوکان کر رکھی تھی۔ عصر کے بعد گاہ گاہ وہاں نئی کتابوں کے شوق میں چلا جایا کرتا تھا۔

یہ رنگ مجاز سے لائے، لیکن حیران ہوں کہ مرزا مظہر جان جاناں نے یہ جام کس میکدۂ حقیقت سے حاصل کیا تھا؟

سرّ خدا کہ عارف و زاہد بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

شاہ فاخر کے مآثر

افسوس ہے کہ شاہ محمد فاخر جیسے جامع کمال فرد کے تمام مآثر ضائع ہو گئے۔ ۱۹۰۸ء میں مولانا شبلی مرحوم کے ساتھ دائرہ میں گیا تھا اور اس خاندان کے آثار و مصنفات کا بڑا ذخیرہ موجود پایا تھا۔ پھر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ نا اہلوں نے خاندان کے اثاثہ کے ساتھ تمام کتابیں بھی لڑ جھگڑ کر آپس میں بانٹ لیں اور پھر اس طرح ضائع ہو گئیں کہ اب کوئی سراغ نہیں ملتا۔ صرف ایک مثنوی جو رفع بدعت کے اثبات میں ہے، ایک صاحب کے پاس موجود ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

قدر بلگرامی اور غالب کی ملاقات

غلام حسنین قدر بلگرامی آروی غدر کے بعد دہلی گئے تھے اور صرف مرزا غالب کی زیارت کے لئے گئے تھے۔ مرزا نے انہیں جامع مسجد کے قریب ایک حویلی میں اتروا یا تھا۔ ضیاء الدین خان کے یہاں سے کھانا جاتا تھا۔ بلگرامی کے ساتھ بہار کے کچھ آم بھی تھے۔ تھوڑے سے مرزا صاحب کو بھی بھجوا دیئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ ابھی ان کے پاس اور بھی ہیں تو فوراً ایک رباعی لکھ کر بھیجی:

کھانا نہ انھیں کہ یہ پرائے ہیں آم

اور سب منگوا لیئے:

تماش بینوں کی اصطلاح میں " خانہ ساز آشنا" اسے کہتے ہیں جسے طوائفیں اپنے جی کے
بہلاؤ کے لئے لگا رکھتی ہیں۔

ملکہ جان کا مکان جامع مسجد سے بالکل متصل تھا۔ اسی کے سامنے غلام قدوس عطار
کی دوکان کے اوپر مرزا داغ آکر ٹھہرے تھے جس کا ذکر انہوں نے اپنی مثنوی میں کیا ہے

سامنے نا خدا کی مسجد تھی

ناخدا کیا، خدا کی مسجد تھی

مکان کے پھاٹک کے اندر ایک کرسی بچھی رہتی تھی اور سہ پہر کو نادر شاہ خاں
اسی پر بیٹھے ہوئے بازار کی سیر دیکھا کرتے تھے جو بھلا آدمی اُن سے ملنا چاہے، وہیں
جائے اور ملاقات کرے۔

شعر پڑھنے کا طریقہ

مشاعرے میں غزل عجیب انداز سے پڑھتے تھے ایک اچھا
خاصا ہنگامہ بپا ہوجاتا تھا، جونہی شمع سامنے آتی تھی، آس
پاس سے ہٹ کر لوگ دور جا بیٹھتے کیونکہ جانتے تھے، اب پاس والوں کی خیر نہیں، دلبر
سے بستر سے، کی طرح پر اُنھوں نے غزل پڑھی۔

ہوئی شوخی جو صحبت وصل میں اس ماہ پیکر سے

گواہی ہم نے دلوادی شکن آلودہ بستر سے

دوسرا مصرعہ پڑھتے ہوئے اس طرح فرش مجلس کو مٹھیوں میں بھینچ بھینچ کر
شکن آلود کرنے کی کوشش کی کہ ساری مجلس نے محسوس کیا کہ اُن کے نیچے سے فرش
نکل رہا ہے، کئی آدمی فرش کے ساتھ کھنچ کر صفوں سے باہر نکل آئے۔ بہت سے
مضطرب ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے کہ معاملہ کیا ہے!

غدر کے چشم دید واقعات

بات کیا کہی جا رہی تھی اور کہاں نکل گیا مقصود یہ ہے کہ غالب

شعر گوئی کا امتحان

ایک دن دوکان میں بیٹھا تھا کہ نادر شاہ آ گئے اور کہنے لگے صاحبزادے میاں! آپ کی شاعری کی تو بڑی دھوم ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں یہ حضرت مولانا کا کلام ہوگا (یعنی والد مرحوم کا) میں نے کہا شاید آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت شاعری نہیں کرتے اور اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ مجھے یہ خبط ہوا ہے تو سخت ناراض ہوں، کہنے لگے میاں برا نہ ماننا، میں اسی وقت ایک طرح دیتا ہوں دو شعر کہہ کر سنا دو۔ عمر بھر دعائیں دیتا رہوں گا۔ میں نے غالب جیسے اُستاد کی آنکھیں دیکھی ہیں، میری دعائیں لوگے تو خوش رہوگے۔ میں نے کہا فرمائیے۔ انہوں نے ایک شعر یاد نہ ہو شاد نہ ہو فرمایا۔ میں نے اسی وقت پانچ چھ شعروں کی پوری غزل لکھ کر دے دی

وعدۂ وصل بھی کچھ طرفہ تماشے کی ہے بات
میں تو بھولوں نہ کبھی اُن کو کبھی یاد نہ ہو

تحسین کا ہنگامہ

کہہ نہیں سکتا کہ انہوں نے غزل سن کر کیا تماشا دکھایا۔ سندر باغ کا بازار شام کا وقت، کاندھے سے کاندھا چھل رہا تھا، راہ گیروں نے جو یہ عالم دیکھا تو ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگ گیا، پہلے بیٹھے بیٹھے تحسین کی پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور پکار پکار کر داد دینے لگے اور اس طرح جھوم جھوم کر کہ لوگوں نے سمجھا کہ کوئی دیوانہ رقص کر رہا ہے۔ !

اس کے بعد ان کا دستور ہو گیا، ہفتے میں دو ایک مرتبہ میرے یہاں خود آتے۔

گوہر جان اور ملکہ جان

یہ بھی عجیب شخص تھے۔ رات دن گوہر جان کے مکان میں پڑے رہتے، یہ گوہر کے کمالِ عروج و شہرت کا زمانہ تھا نواب امیر حسن خاں سے تعلق تھا، مشہور تھا کہ امیر حسن خاں نے انھیں رقیبوں سے پاسبانی کے لئے متعین کر رکھا ہے، یہ خود بھی گوہر کی ماں ملکہ کے خانہ ساز آشناؤں میں رہ چکے تھے۔ لکھنؤ کے

بریلی اور مرادآباد سے مل سکتی تھی، لیکن چونکہ رسالدار تھے، انھیں اس متاع کے لئے شناسا نہیں سمجھتے تھے۔ حیران تھے کہ کس شخص سے کام لیں۔ میں ایک دن حاضر ہوا تو مجھ سے یہ حال بیان فرمایا، میں نے عرض کیا، آپ کا حکم ہو تو میں شراب اپنے حلق میں انڈیل لوں، خرید کر لانا کونسی بڑی بات ہے؟ مجھے نام، قسم اور قیمت بتا دیجئے ابھی جا کر بریلی کے ایک شراب خانہ پر دستک دونگا۔ فرمایا:۔ نہیں، میاں ایک قطرہ بھی نہ پینا، اگر پینے پر آجاؤ گے تو مجھے کیا لاکر دو گے۔ ہاں جس طرح میں بتلا دوں اسی طرح یہ کام پورا کر دو۔ بہر حال انہوں نے شراب کا نام بتلایا، میں نے کہا اس کی خالی بوتل دکھائیے۔ زیر استعمال بوتل دکھا کر رنگ و شکل سے آشنا کیا، پھر صرف ایک بوتل لانے کا حکم ہوا۔ اگر حسب منشا آئی تو دوبارہ بھیج کر مزید منگوائیں گے۔ قیمت کے علاوہ دو روپے اور مرحمت فرماتے تھے کہ خرچ کے لئے رکھ لو۔ لیکن میں نے بہ ہزار منت و الحاح اس سے باز رکھا اور عرض کیا پہلے مجھے وہاں سے ہو آنے دیجئے پھر جو کچھ مطلوب ہو گا عرض کر دوں گا

خدمتگزاری } میرے والد فوج میں رسالدار تھے، منتیں کرکے ان سے روپیہ لیا اور بریلی روانہ ہو گیا۔ مرزا صاحب نے صرف ایک بوتل کے لئے فرمایا تھا میں نے پانچ بوتلیں خریدیں اور لا کر سامنے رکھ دیں۔ یہ ٹھیک ان کی فرمائش کے مطابق تھیں نہایت درجہ خوش ہوئے۔ فرمانے لگے: میاں! کہتے ہیں شراب پینے والے کی دعا مستجاب نہیں ہوتی، اب میں تمہیں دعا نہ دوں تو اور کیا دوں؟ میں نے عرض کیا حضور! انکی بوتلوں کی شراب نوش جان فرما کر میرے لئے دعا کیجئے۔ میرا ایمان ہے کہ انکی دعاؤں سے میرا عقدہ حل ہو گا۔

غزل کی اصلاح } بہت اصرار فرمایا کہ روپے لے لو مگر میں ارادہ کر چکا تھا کہ کبھی نہ لوں گا دوسرے دن حاضر ہوا تو فرمایا، وہ تمہاری غزل کہاں ہے؟ جو اس دن لائے تھے؟ وہ تو ہر وقت میری جیب میں رہتی تھی، میں نے پیش کر دی۔ اسے

کے شاگرد تھے اور اُن کے قیامِ رامپور کے حالات بڑی دلچسپی کے ساتھ بیان کرتے تھے ۔ صرف تذکرہ چھیڑ دینے کی دیر تھی ، پھر ایک پوری داستان شروع ہوجاتی غدر کے حالات بیان کرنے کا بھی انھیں بڑا شوق تھا ۔ بریلی کے معرکوں کے چشم دید شاہد تھے ۔ افسوس ہے کہ پچھلی نسل کے ساتھ غدر کے یہ تمام افسانے بھی مدفون ہوگئے اگر قلم بند ہوتے تو تاریخ کے نئے قیمتی سرمایہ ہوتا ۔

غالب کا سفر رام پور

کہتے تھے جب مرزا غالب پہلی دفعہ رام پور آئے تو میں بڑے جوشِ عقیدت سے خدمت میں حاضر ہوا اور تلمذ کے لئے خواستگار ہوا ۔ لیکن مرزا صاحب نے صاف انکار کردیا ۔ فرمایا : تم جانتے ہو میں نواب صاحب کا بلایا ہوا حاضر ہوا ہوں ، انھوں نے اصلاحِ شعر کی خدمت میرے سپرد کی ہے ۔ بغیر ان کے حکم و اجازت کے یہاں اور کسی کام پر اصلاح نہیں دے سکتا ۔ بڑی مایوسی ہوئی ۔ لیکن صبح شام برابر حاضری دیتا رہا ۔ رام پور میں[۱] اُن کا معمول تھا کہ جس دن نواب صاحب کے یہاں جاتے ، سہ پہر کا دیوان خانہ ملتوی رہتا ۔ ورنہ سہ پہر کو عام طور پر لوگوں سے ملاقات کرتے ، ریاست میں جس قدر اہلِ علم و فن تھے مرزا کی موجودگی کو مغتنم تصور کرتے اور بالالتزام آیا کرتے ۔ شب کو صحبت خاص ہوتی تھی ، کیونکہ یہ اُن کے کیف و سرور کا وقت ہوتا تھا ، صرف اپنی لوگوں کو حاضری کا موقعہ دیتے جن سے کسی طرح کا تکلف نہ ہوتا ۔

شراب کی ضرورت

اتفاق سے ایک معاملہ ایسا پیش آگیا جس نے مجھے خدمتگزاری کا ایک خاص موقعہ دے دیا ۔ مرزا صاحب دہلی سے چلے تو انھوں نے اپنے ساتھ عرق نوشی کا اتنا سامان لے لیا تھا کہ مہینے بھر کے لئے کفایت کرے ۔ انھیں خیال تھا ، اس سے زیادہ قیام نہ ہوگا لیکن قیام زیادہ ممتد ہوا ۔ جب آخری بوتل کی نوبت آگئی تو بہت متردد ہوگئے ۔ رام پور میں انگریزی شراب کی کوئی دوکان نہ تھی

۱؎ مرزا غالب کا ۔

مولوی سید رجب علی

پُرانے دہلی کالج کی انگریزی کلاس سے انگریزی دانوں کا پہلا گروہ جو شمالی ہند میں نکلا تھا۔ اُن میں سے ایک مولوی نجف علی[1] بھی ہیں۔ مرزا موہن لال جس نے برنز کے ساتھ کابل ہرات اور ایران کی سیاحت کی اور پھر افغانستان کے حملۂ اوّل کے معاملات میں رہا اور مولوی شہامت علی جو اندور کی ریذیڈنسی کے میر منشی ہو گئے اور انگریزی میں اندور کے معاملات پر کتاب لکھی، نجف علی کے کلاس فیلو تھے

جب سکھوں کی پہلی لڑائی کے بعد سر ہنری لارنس دربار لاہور کے انتظامی بورڈ کے صدر مقرر ہوئے تو انھوں نے نجف علی کو اپنا میر منشی مقرر کر لیا اور اس کی سرپرستی سے فائدہ اُٹھا کر پولیٹیکل سررشتہ کے کارندوں میں داخل ہو گئے۔ غدر میں جب میجر ہاڈسن کو حکم ہوا کہ بے قاعدہ سواروں کا ایک دستہ بھرتی کر کے دہلی کی حملہ آور فوج میں شریک ہو تو اُس نے نجف علی کو بطور منشی اور معاون کے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ یہ یک چشم تھے، اس لئے وہ اپنے خطوں میں انھیں سر ہنری کا فیورٹ یک چشم نجف علی لکھتا ہے۔ انگریزی کیمپ سے دہلی اور قلعہ میں جس قدر خفیہ نامہ و پیام ہوتا تھا اور سازشوں کے جال پھیلائے جاتے تھے، تمام تر اُنھیں کے ذریعے انجام پاتے تھے۔ ہاڈسن دہلی کے معاملات میں سخت بدنام ہوا تھا۔ علاوہ شہزادوں کے قتل کے معاملہ کے اس پر بڑا الزام لوٹنے اور دولت سمیٹنے کا تھا، لکھنؤ میں اس کی جان بھی اسی عالم میں گئی کہ لوٹنے کے لئے سب سے پہلے دوڑ کر ایک مکان میں

---

[1] مولوی سید رجب علی۔ اس نوٹ میں مولانا کو اشتباہ ہوا۔ وہ رجب علی کو نجف علی سمجھ کر یہ سب کچھ لکھ گئے۔ یعنی یہ بیانات و تاثرات سید رجب علی کے بارے میں ہیں۔

دیکھ کر جا بجا اصلاح دی، اصلاح دیتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ ہدایات و افادات کا سلسلہ بھی جاری تھا بس اس دن سے اُن کی شاگردی کی سعادت ہاتھ آ گئی، پھر دہلی گیا اور کئی ماہ تک اُن کی خدمت میں رہا۔

ضرورتمندوں کا ہجوم

دہلی میں ایک دن کہنے لگے تمہارے رامپور کے تعلق نے مجھے موت سے بچا لیا، مگر زندگی بھی اجیرن ہو گئی، اصل حال خلقت کو معلوم نہیں، اتنی بات سُن لی ہے کہ رئیس رامپور کے استاد ہیں۔ بس ہر شخص اپنے اپنے قیاس کے مطابق میری دولت کا حساب لگاتا ہے اور چرچے پھیلاتا ہے۔ عزیز و اقارب تک باور نہیں کرتے کہ وہاں کے صرف سَو روپیوں پر جی رہا ہوں۔ اہلِ حاجت آتے ہیں اور اپنی اپنی بربادیوں کی کہانی سناتے رہتے ہیں، ایسا دل کہاں سے لاؤں کہ خشک جواب دے دوں؟ قرض دام لے کر بھی اُن کی حاجت روائی کرنی پڑتی ہے۔

اصلاح شدہ قطعہ

نادر شاہ خاں نے مجھے اپنا ایک قطعہ دکھایا تھا جس پر مرزا غالب کے قلم کی اصلاح تھی۔ ایک موٹے مقوّے پر لگا کر وصلی کی طرح اسے محفوظ رکھا تھا۔ میں ہمیشہ اُن سے کہتا تھا کہ مجھے دیدیجئے مگر ہاں ہاں کر کے ٹال دیتے تھے۔ نہیں معلوم اس کا کیا حشر ہوا، میں پھر بمبئی چلا گیا، واپس آیا تو اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔

تھا کہ چھینٹ کا ایک میلا کچیلا انگرکھا جسم پر تھا، یہ حال دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ ان کی ضروریات کا انتظام کر دوں، مگر انھوں نے قبول نہیں کیا۔ وہ کہتے تھے کہ آپ کے خاندان سے ارادت رکھتا ہوں، میری جگہ نذر پیش کرنے کی ہے نہ کہ لینے کی۔

بہرحال چند دنوں تک مہمان رہے، پھر والد مرحوم نے شریف سے انھیں بلا دیا۔ اس بے نوائی کی حالت میں بھی انہوں نے گوارا نہیں کیا کہ بغیر کسی تحفہ کے ملیں۔ ایک قیمتی تسبیح ان کے پاس رہ گئی تھی وہی بطور تحفہ پیش کر دی۔

کئی سال کے بعد جب شاہجہاں بیگم والیہ بھوپال حج کے لئے گئیں تو والد مرحوم نے ان کے حال پر توجہ دلائی۔ انھوں نے رباطِ مکہ کی سالانہ رقم کے ساتھ ایک رقم ان کے لئے بھی مقرر کر دی تھی۔ آخر تک یہ معمول رہا کہ ظہر کے اوّل وقت حرم شریف میں آتے تھے۔ پھر عشا پڑھ کر گھر واپس جاتے۔

والد مرحوم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تجمل حسین خاں دہلی آئے تھے اور ایک ماہ تک مقیم رہے تھے۔ اسی زمانے میں مولانا منور الدین والد مرحوم کے نانا سے انھوں نے بیعت کی تھی۔

"آسماں کے لئے" والی غزل قلعہ کے مشاعرہ کی ہے، خواجہ حالی مرحوم کہتے تھے اسی مشاعرہ میں مرزا غالب ذوق سے ہم طرح ہوئے۔ عجب نہیں تجمل حسین خاں اسی زمانے میں دہلی آئے ہوں۔

والد مرحوم سے ان کے ورود کا ٹھیک زمانہ معلوم نہیں ہوا۔[۱]

---

[۱] میری معلومات کے مطابق یہ سنہ ۱۸۴۳ء کا واقعہ ہے

داخل ہوگیا تھا۔ دہلی میں مشہور تھا کہ ہاڈسن کی غارتگریوں کے لئے اس کے یہ ہندوستانی ذکر آلہ کار تھے۔ مال ومتاع کے منتخب مقامات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے اور ہاڈسن کو وہاں پہنچا دیتے، خود ہاڈسن کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حوالی دہلی میں ایک دفینہ کے نکالنے کا بھی لوگوں میں چرچا تھا۔ لوگ کہتے تھے بڑی دولت اس کے قبضہ میں گئی، کچھ ہندوستانی ساتھیوں کو بھی بانٹ دی گئی۔

بادشاہ اور شاہزادوں کو مقبرہ ہمایوں سے نکالنے اور ہاڈسن کے قبضہ میں دلانے کا سارا معاملہ بھی اسی نجف علی اور الٰہی بخش کے ذریعہ انجام پایا تھا۔

نوّاب تفضّل حسین خاں

یہ نواب تجمل حسین خاں اور اُن کے بھائی تفضل حسین والد مرحوم کے نانا رکن الدین[۱] کے مرید تھے۔

غدر میں تفضل حسین نے انقلابیوں کا ساتھ دیا اور لکھنؤ کے سقوط کے بعد جب برجیس قدر کی فوج نیپال کی طرف ہٹنے لگی تو نانا کی فوج کے ساتھ یہ بھی اسی طرف آگئے پھر دو معرکوں کے بعد انھوں نے اپنے تئیں انگریزوں کے حوالے کردیا، اس شرط پر کہ انھیں مکہ معظمہ بھجوا دیا جائے۔ چنانچہ فوجی حراست میں جدہ پہنچا دیئے گئے۔

والد مرحوم کہتے تھے "تفضل حسین خاں بہت شوقین اور خوش پوشاک رئیس تھے۔ کشمیر کے تاجر پہلے اُن کے پاس جاتے، پھر لکھنؤ کا رخ کرتے لیکن جب مکہ معظمہ پہنچے تو یہ حال

---

[۱] مولانا منورالدین۔

سشیروانی اور سہروردی ظاہر کرتے ہیں ۔

یہ مدرسۂ عالیہ میں مدرس تھے، ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات کی تصحیح بھی کرتے تھے ۔ فارسی مثنویوں کے حال میں ایک رسالہ ہفت آسمان لکھا تھا جو سوسائٹی نے چھاپ دیا ہے ۔

منطقی مصادرہ

مرزا کے حالات میں ضروری ہے کہ اس معاملہ پر بہ تفصیل نظر ڈالی جائے "برہانِ قاطع" کی جو خرافات اُنھوں نے نقل کی ہیں اُنھیں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ کوئی صاحبِ علم و بصیرت کیونکر اُن کی تائید کر سکتا ہے؟ مگر مصیبت یہ ہے کہ سارا معاملہ ایک طرح کا منطقی مصادرہ تھا ۔ اعتراض ہندی لغت نویسوں پر تھا اور ہندی لغت نویسوں ہی کا کلام بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ۔!

انجمن آرائے ناصری

رضا قلی خاں ہدایت صاحبِ مجمع الفصحا نے مرزا غالب کے چند سال بعد فرہنگ انجمن آرائے ناصری لکھی جو طہران میں چھپ گئی ہے اور بمبئی کے تاجروں سے مل سکتی ہے، اسے بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور اس معاملہ پر امثلہ و مباحث نقل کرکے بہ تفصیل بحث کرنی چاہئے فارسی لغت کے لئے صرف یہی لغت مستند تصور کی جا سکتی ہے ۔

درفش وغیرہ کی طباعت

کیا اچھا ہو اگر درفشِ کاویانی کو بعد کے مباحث کے اضافے کے ساتھ ازسرِنو شائع کر دیا جائے یا تیغِ تیز اور لطائفِ غیبی بجنسہٖ آخر میں شامل کر دی جائیں ۔

"درفشِ کاویانی" میں طباعت کی غلطیاں بہت ہیں ان کی تصحیح ضروری ہے

قاطعِ بُرہان

اُردو مطالعے کا آغاز میری تیرہ برس کی عمر تھی کہ مدراس کے ایک اخبار "جریدۂ روزگار" میں "یادگارِ غالب" کا اشتہار دیکھا۔ یہ اخبار ہر ہفتہ ہر ورق پر ایک مخمس قدسی کی مشہور نعتیہ غزل ،، مرحبا سید مکی مدنی العربی "پر چھاپا کرتا تھا ، اس لئے حافظ ولی اللہ (والد مرحوم کے خادمِ خاص ، اور میرے بچپن کے الف بے سے کے اُستاد) اسے بڑی دلچسپی سے پڑھا کرتے تھے۔ والد مرحوم کے ایک مرید حاجی مصلح الدین سوداگر انھیں ہر ہفتہ لاکر دے دیا کرتے تھے۔

مباحثِ قاطع برہان کی بہر حال میں نے بڑے شوق سے کتاب منگائی۔ یہ میرے اردو مطالعہ کا بالکل آغاز تھا۔ کتاب میں "برہانِ قاطع" کے معرکے کا جب حال پڑھا تو شوق ہوا کہ یہ تمام کتابیں دیکھنی چاہئیں۔ چنانچہ "قاطع برہان" اس کا دوسرا ایڈیشن "درفشِ کاویانی" "قاطع القاطع" "ساطع برہان" "محرقِ قاطع" "موید برہان" تیغِ تیز، "شمشیرِ تیز تر" وغیرہ تمام رسائل بہ سعی و جستجو جمع کئے۔ چونکہ اس زمانے میں فارسی ادب اور فارسی لغات کے مطالعہ و تحقیق کا بھی شوق تھا اور تصحیحِ الفاظ کی بڑی کاوش رہتی تھی، اسلئے پوری دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کا موقع ملا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرزا غالب نے یہ چند اجزا لکھ کر علم و تحقیق کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ افسوس ہے کہ خواجہ حالی نے اس بحث کو زیادہ تفصیل کے ساتھ نہیں لکھا

مویدِ بُرہان کی "قاطع برہان" کے رد میں سب سے زیادہ مبسوط کتاب مولوی احمد علی کی "مویدِ بُرہان" ہے۔ یہ ڈھاکہ کے باشندے تھے، مگر ایرانیت کے تصنع میں اپنے نام کے ساتھ آغا لکھوا لیتے تھے۔ کلکتہ کے فارسی دانوں میں اس تصنع کا مرض عام طور پر رہا ہے۔ اب بھی بنگال کے بہت سے خاندان اپنے کو غزنوی غوری

کے اُستاد تھے۔

حملاتِ حیدری، حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے حالات میں انھی عبدالرحیم نے لکھی ہے۔ جان مارشمین کلارک کی ہسٹری آف انڈیا کا بھی انھوں نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ صرف پہلا حصہ شائع ہوا

قلعے کی تنخواہ

یہ نہ کہیے کہ صرف ایک مرتبہ[1] ایک مرتبہ حالات نے ایسی شکل اختیار کی عرضداشت منظوم لکھنی پڑی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس زمانے میں قلعہ کی تنخواہیں ماہوار بآسانی مل جایا کرتی تھیں۔ تنخواہ کے تقرر سے کہیں زیادہ مشکل اس کا ماہ بہ ماہ وصول کرنا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب تین چار ماہ کی رقم چڑھ جاتی تو خزینہ دار کہتا دو ماہ کی تنخواہ لے کر یا تین ماہ کی لے کر "بقائے" کے تصفیہ کی رسید دے دو اہلِ غرض بہ ہزار شکر و منت اسے غنیمت سمجھ کر رسید دے دیتے۔

---

[1] میں نے لکھا تھا کہ قلعے والی تنخواہ کے لیے صرف ایک مرتبہ ناگوار صورتِ حال پیدا ہوئی تھی اور غالب کو منظوم عرضداشت لکھنی پڑی۔

غالبؔ و ذوقؔ

خواجہ حالیؔ مرحوم کہتے تھے کہ غالبؔ مشاعرہ میں صرف ایک مرتبہ ذوقؔ سے ہم طرح ہوئے اور وہ بھی شاہی مشاعرہ میں اور بادشاہ کے حکم سے غالبًا یہ وہی مشاعرہ ہے جس میں طرح تھی، " بیاں کے لئے " " زباں کے لئے "، ذوقؔ کی غزل مشہور ہے

وبالِ دوش ہے سر جسم ناتواں پہ مگر
لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لئے

اسی مشاعرہ کی غزل کو چند مدحیہ اشعار بڑھا کر غالبؔ نے فرخ آباد بھیجا تھا۔

دیا ہے اور کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

خواجہ مرحوم نواب مصطفےٰ خاں کی زبانی کہتے تھے ذوقؔ نے اس مشہور شعر کی بے حد تعریف کی تھی۔ اور بار بار دہرایا گیا۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

شہزادہ بشیرالدین میسوری

ٹیپو سلطان کے پوتے تھے۔ سلطان تخلص تھا، فارسی دیوان کلکتہ میں چھپ چکا ہے۔ مولوی عبدالرحیم گورکھپوری شاگرد شاہ عبدالعزیز، جنھیں انگریزی کی تحصیل اور نئے علوم کے اشتغال کی بنا پر لوگوں نے دہری مشہور کر دیا تھا، ان

برس ہوگئے کہ امیر نامہ نظر سے گزرا تھا، محض حافظہ سے لکھ رہا ہوں، خیال نہیں کہ اس میں قابلِ تذکرہ تفصیلات بھی ہیں یا نہیں اسے بھی دیکھ لینا چاہیے۔

لاطینی اور عربی رسم الخط

یہ عجیب بات ہے کہ چلتی ریل میں انگریزی لکھئے تو کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی، لیکن اُردو لکھئے تو لکھا نہیں جاتا اور حرکت چلنے نہیں دیتی۔ جو لوگ سامی رسم الخط کے مخالف ہیں وہ اگر چاہیں تو اپنے دلائل میں اس نئی دلیل کا بھی اضافہ فرمالیں۔

بات یہ ہے کہ عربی رسم الخط میں دوائر بنتے ہیں۔ محض اُوپر نیچے ہونے والی لکیریں نہیں ہوتیں جیسی کہ لاطینی ہینڈ رائٹنگ میں ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اول الذکر بغیر کامل سکون کے لکھا نہیں جاسکتا۔ حرکت سے دوائر کے زاویے بگڑ جاتے ہیں مگر لاطینی خط پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔ ہاتھ کتنا ہی ہلے، لکیریں کھنچتی ہی چلی جائیں گی

۹ر فروری ۱۹۲۹ء مابین کانپور دہلی۔

"کو" کا محل استعمال

(۱)

"کو" کے محل استعمال کا معاملہ ذہن نشین کر لیجئے۔ یہ بہت نازک معاملہ ہے قاعدہ کی رُو سے "ہر طرح کے مطالب کو بے تکلفی کے ساتھ نظم کرتے ہیں" صحیح ہے، مگر محاورہ اور روزمرہ یہاں علامت مفعول کو حشو قرار دے گا۔ میں اسے یوں کہوں گا "ہر طرح کے مطالب بے تکلفی کے ساتھ نظم کرتے ہیں۔" بغیر کو کے کہیے اور کہاں

شہزادہ خضر سلطان

تمام شہزادوں میں یہ سب سے زیادہ خوش فکر تھے مگر اجل نے مہلت نہ دی

گالی سے کون خوش ہو مگر حسنِ اتفاق

جو اس کی خو تھی، وہ ہی مرا مدعا ہوا

(شعر الہند کا ہے)

ذوق کا ذوقِ سخن

طالب مرحوم نواب ضیار الدین کی زبانی روایت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ذوق سے فرمائش کی، اردو کا کوئی شعر ایسا سناؤ جو تمھارے خیال میں سب سے بہتر ہو۔ ذوق نے کچھ دیر تامل کیا اور پھر غالب کا یہ شعر پڑھا۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک

میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

امیر علی

نواب امیر علی باڑھ کے، جو کلکتہ میں وکالت کرتے تھے اور غدر میں کمشنر پٹنہ کے خاص اسسٹنٹ مقرر کئے گئے تھے، غالباً ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں شملہ گئے۔ انہوں نے امیر نامہ میں اپنے سفر کے حالات لکھے ہیں اور دہلی میں مرزا غالب سے ملنے کا بھی تذکرہ ہے تقریباً چالیس

فارسی تراکیب کا معاملہ

"شادمانی افزا" رواں ترکیب نہیں ہے سماعت پر گراں گزرتی ہے اس کی جگہ "عشرت افزا" "نشاط افزا" وغیرہ لکھنا چاہیئے۔

دونوں ترکیبیں بول کر دیکھئے پہلی گراں گزرتی ہے یا نہیں؟ دوسری رواں اور سبک ہے کہ نہیں؟ پہلی میں "شادمانی" باعتبار مقدارِ حروف کے زیادہ وزنی لفظ آگیا ہے۔ اس لئے "افزا" کے ساتھ میل کھاتا نہیں۔ دوسری میں "عشرت" اور "نشاط" رباعی سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی چار حرفوں سے زیادہ نہیں ہیں۔ یعنی چار حرفوں سے زیادہ نہیں اسلئے "افزا" کے ساتھ ترازو میں رکھا تو دونوں پلے برابر ہوگئے۔

اس قسم کی بعض فارسی ترکیبوں کے لئے یہ ایک نہایت دقیق قاعدہ بن گیا۔ اُسے ہر گوشہ میں لے چلیئے اور ہر ترکیب کے لئے کام میں لائیے۔

بعض پنجابی الفاظ و محاورات

یاد رکھئے "آمد" بمعنی آمدنی "زمینداره" بمعنی زمینداری "ٹھاٹھیں مارنا" بمعنی "جوش و خروش"۔ مخول بمعنی "تضحیک" اردو نہیں ہے پنجابی ہے۔ برائے خدا ان سے احتراز کیا جائے۔

کیا مصیبت ہے کہ اردو اخبارات کی سرخیوں تک میں ٹھاٹھیں مارنا بلا تامل لکھا جارہا ہے! مولوی ظفر علی خاں اسے غالباً قلعۂ معلیٰ کی زبان سمجھے ہوئے ہیں۔

---

۵۱ جو نکتہ بیان فرمایا وہ خاص توجہ کا محتاج ہے ۵۲ یہاں یہ عرض کر دینا چاہیے کہ میرزا غالب نے اپنے مکاتیب میں آمد بمعنی آمدنی غالباً ایک سے زیادہ مقامات پر لکھا ہے اور میں نے مولانا کی خدمت میں عرض کر دیا تھا۔

لگائے رکھئے، خود کان کہہ دے گا "کو" زائد ہے۔

(۲)

اردو کی علامت مفعول کا یہ استعمال خلاف محاورہ ہے[۱]۔ اوائل میں مجھ سے خود یہ تسامح ہوا ہے "زمانے کی حالت کو سامنے رکھ کر" نہیں کہنا چاہئے "زمانے کی حالت سامنے رکھ کر"۔ بغیر "کو" کے عبارت کی تقدیر معنوی علامت مفعول سے مستغنی ہوتی ہے۔ اسی طرح یاد رکھنا چاہئے "مجھ کو کہا" یا "مجھ کو بھیجا" خلاف محاورہ ہے۔ "مجھے کہا" اور "مجھے بھیجا" لکھنا چاہئے۔ مزید مثالیں اس پہ قیاس کر لیجئے

الفاظ و تراکیب

"تمتع اندوز" صحیح ترکیب نہیں بنی۔ تمتع باب تفعل سے "خود حاصل کروں" کا افادہ رکھتا ہے۔ اگر یہی صیغہ استعمال کرنا ہے تو صاف لفظ "متمتع" ہے لکھیئے "دو برس سے زیادہ متمتع نہ ہو سکے" تمتع اندوز کی دور دراز اور کج راہ کیوں اختیار کی جائے۔؟

یہ بھی یاد رکھئے کہ الفاظ و تراکیب میں بہ قصد و تکلف موٹے لفظ نہیں لانے چاہئیں۔ ان لفظوں کو معانی و مفاہیم کی نزاکتوں کے تقاضے سے خود بخود آنا چاہئے اور وہی بلاغت کی شان پیدا کرتے ہیں۔ یہاں ایک زبان داں دوسرے صاف و سہل لفظ بول جاتا۔ مثلاً دو برس سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکے۔

---

[۱] مذکورہ بالا فقرے جیسے ایک دو فقروں کے سلسلے میں مولانا نے سابقہ رائے کا اعادہ فرمایا۔

حصہ سوم

مرادفات کا استعمال

ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے مرادف الفاظ کو جمع کر دینا فارسی انشا پردازی کا ایک خاص اسلوب تھا، اردو میں اس کا تتبع کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ "بات ظاہر و روشن ہے" یا "زید کی مالی و معیشتی حالت" لیکن بلاغت کا مقتضیٰ اس کے خلاف ہے۔ ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہر مفہوم کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کیا جائے، اگر ایسا لفظ جو اپنے محل میں پوری طرح موزوں ہو جب ایک لفظ ایسا بول دیا گیا، تو اب ہر دوسرا مرادف حشو ہو گا۔ اور حشو بلاغت کے خلاف ہے

ضمائر میں ایجاز کی رعایت

ضمائر میں ایجاز کی جس قدر رعایت کی جائے گی عبارت کا حسن نمایاں ہو گا اس کا خیال رکھئے۔ مثلاً یہاں "مولانا بھی باغیوں کی اعانت سے متہم ہوئے اور "ام کھیں" حبسِ دوام کی سزا ملی" "ام کھیں" بہ لحاظِ محاورہ و روزمرہ زائد ہے"۔ بغیر "ام کھیں" کے پڑھئے۔ روانی کتنی بڑھ جاتی ہے۔

یہاں سے مولانا کی دوسری تحریرات شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً عزیزانِ
پنجاب کے نام پیغام، بعض متفرق مکاتیب جو براہِ راست میرے نام
نہ تھے، مگر کسی نہ کسی وجہ سے میرے پاس آئے اور محفوظ رہے۔ خواجہ
حسن نظامی مرحوم نے ۱۹۱۶ء میں ایک چھوٹی سی کتاب "اتالیق خطوط
نویسی" کے نام سے شائع کی تھی۔ اس کے دوسرے حصے میں اکبر، شبلی،
اقبال، مولانا وغیرہ کے متفرق خطوط شائع کیے تھے۔ یہ کتاب مدت
ہوئی ناپید نظر آتی ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ مولانا کے خطوط اس مجموعے
میں شامل کر دوں تا کہ محفوظ ہو جائیں۔

مولانا ابوالکلام کا پیام
تمام عزیزانِ پنجاب کے نام

الحمد للہ وحدہٗ۔ جن عزیزوں نے گزشتہ سال یا امسال یا اس سے پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان سب کی اطلاع کے لئے میں یہ سطریں شائع کرتا ہوں۔ انھوں نے میرے ہاتھ پر پانچ باتوں کا عہد کیا ہے۔

اوّل:۔ امر بالمعروف، عن المنکر او تواصیہ صبر کا یعنی ہمیشہ نیکی کا حکم دیں گے برائی کو روکیں گے اور صبر کی وصیت کریں گے۔

ثانیاً:۔ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا یعنی اس دنیا میں ان کی دوستی ہوگی تو اللہ کے لئے اور دشمنی ہوگی تو اللہ کے لئے۔

ثالثاً:۔ لایخافون فی اللہ لومۃ لائم کا یعنی سچائی کے راستے میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کریں گے اور خدا کے سوا کسی اور سے نہیں ڈریں گے۔

رابعاً:۔ اس بات کا کہ اللہ اور اس کی شریعت کو دنیا کے سارے رشتوں ساری نعمتوں اور ساری لذتوں سے زیادہ محبوب رکھیں گے۔

خامساً:۔ اطاعت فی المعروف کا یعنی شریعت کے ہر حکم کی اطاعت بجا لائیں گے جو اُن تک پہنچایا جائے گا

میں اُن کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ یہ اُن کا قول تھا اور اب چاہئے کہ اپنے عمل سے بھی اس کی پوری تصدیق کریں اور کامل انقطاع اور راست بازی کے ساتھ اپنے تئیں

جو مسلمان مجھ سے اپنی بیعت کا رشتہ قایم رکھنا چاہتا ہے، اس کا فرض ہے کہ ان باتوں پر کاربند ہو جس نے اُن پر عمل نہ کیا، اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول، فیتبعون احسنه اولٰئک الذین ھداھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب[1]!

ابوالکلام احمد

---

۲۹ رجولائی سنہ ۱۹۲۴ء

حبی فی اللہ السلام علیکم

خط پہنچا۔ اس سے پہلے کوئی خط آپ کا یا چودھری صاحب کا نہیں ملا۔ دہلی کا جلسۂ جمعیت ملتوی ہو چکا ہے۔ لیکن اگر ملتوی نہ ہوتا جب بھی میرے لیے وقت نکالنا مشکل تھا۔ آپ نے اپنے ارادوں کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ اس قدر مجمل ہے کہ میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ بہتر ہے کہ بہ تفصیل لکھیے۔

میں دہلی میں مکان لے چکا ہوں جو غالبًا ستمبر یا اکتوبر تک خالی ہو جائیگا یہاں مشینیں کھل رہی تھیں جو اب مکمل طور پر کھل چکی ہیں اور اب اُنھیں پیک کرنا باقی ہے۔ میں چاہتا ہوں اکتوبر تک منتقل ہو جاؤں۔

قصد ہے کہ حتی الوسع وسیع پیمانے پر پریس وہاں قائم کر دیا جائے۔ روپیہ کا انتظام کر رہا ہوں، آپ لکھیے آنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟ مختلف کاموں

---

[1] یہ تحریر سنہ ۱۹۲۱ء کی ہے، یہ میرے نام نہ تھی اور نہ میرے حوالے ہوئی تھی، لیکن اس کا مسودہ حسنِ اتفاق سے مجھے اسی زمانے میں مل گیا تھا، اسے یہیں درج شائع کیا جاتا ہے کہ مولانا بیعت امامت کے وقت جو عہد لیتے تھے اس کی کیفیت واضح ہو جائے خود میں نے مولانا کی بیعت سنہ ۱۹۲۳ء میں کی تھی۔

اللہ کے سپرد کر دیں۔ یہ اُن کا عہد مطالبہ کرتا ہے کہ حسب ذیل باتیں ان کی روزانہ زندگی میں نمایاں ہو جائیں اور ہر شخص اُن کو ان کی خصلتوں اور طریقوں کی وجہ سے ممتاز دیکھ لے۔

۱۔ ولایتی کپڑوں کا خریدنا، بیچنا، پہننا، پہنانا یک قلم ترک کر دیں اور دیسی کھدر کا لباس اختیار کر لیں۔

۲۔ اسلامی خلافت اور بلادِ اسلامیہ کی حفاظت ہندوستان کی آزادی پر موقوف ہے پس جہاں تک ان کے امکان میں ہو اپنے دل سے اپنی زبان سے، اپنے مال سے اپنے عمل سے اس کام میں مدد دیں۔

۳۔ کسی مسلمان کی طرف سے اپنے دل میں کینہ وعداوت نہ رکھیں، اگرچہ وہ اُن کا کیسا ہی دشمن ہو۔ تمام مسلمانوں سے صلح ومحبت کا برتاؤ کریں اور اپنی جانب سے کسی مسلمان کے خلاف قدم نہ اُٹھائیں، دوسرا اُٹھائے تو جہاں تک بھی ان کے امکان میں ہو بخش دیں۔ کسی طرح بھی اپنے وجود کو تفریق جماعت کا سبب نہ بنائیں۔

۴۔ احکام ومصالح شرعیہ کے مطابق ہندوؤں سے ہمارا اتحاد ہے پس کامل اتفاق اور سازگاری کے ساتھ رہیں اور اُن کی جانب سے اپنے دل میں کسی طرح کا کھوٹ نہ رکھیں، اور کوئی بات لڑائی جھگڑے کی ایسی نہ کریں جس سے اس اتحاد کو نقصان پہنچے۔

تمام احکام وارکانِ اسلام کی پابندی اور ٹھیک ٹھیک بجا آوری۔ ان چار باتوں کے علاوہ ہے اور ان سے مقدم ہے اور ان کی بابت وہ بیعت کرتے ہوئے سب سے پہلے عہد کر چکے ہیں۔

۱۹۲۴ء

اخبار "زمیندار" کے لئے اپیل

اخبار "زمیندار" اور اس کے ارکان نے گذشتہ چند سال کے عرصہ میں ملک و قوم کے لئے جو عظیم الشان قربانیاں کی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں۔ متعدد بار ہزارہا روپے کی ضمانتیں ضبط ہوگئیں۔ بارہ مدیر و طابع و ناشر قید ہوئے۔ ایک انگریز افسر نے مولانا ظفر علی خاں صاحب اور مولانا عبدالمجید خاں صاحب سالک پر بہ سلسلۂ ازالۂ حیثیتِ عرفی پندرہ ہزار روپے کا دیوانی دعویٰ دائر کر دیا اور اسے یک طرفہ ڈگری دے دی گئی۔ غرض مصیبتوں اور آزمائشوں کا ایک سلسلہ ہے جس پر کارپردازانِ "زمیندار" نے اس اخبار کو جاری رکھا ہے۔

اس آخری مقدمہ دیوانی کا اپیل آج کل ہائی کورٹ میں دائر ہے اور چونکہ اب حکم ڈگری کے اجراء کے لئے احکام امتناعی حاصل نہیں ہوئے، اس لئے اندیشہ ہے کہ آج ہی کل میں مدعی "زمیندار" کے منی آرڈر قرق کرا لے۔ لیکن ہم اہلِ ملک کو اطمینان دلاتے ہیں کہ کارپردازانِ "زمیندار" نے اسے بدستور جاری رکھنے کا عزم صمیم کر لیا ہے اور خواہ اس سے بھی زیادہ سخت رکاوٹیں پیش آجائیں لیکن اس کے عزمِ راسخ میں تزلزل نہیں ہوگا۔

اگرچہ مذکورہ بالا مقدمہ کی اپیل ہائی کورٹ پنجاب میں کی گئی ہے، لیکن ضروری ہے کہ پندرہ ہزار روپے کا جلد سے جلد انتظام کر دیا جائے تاکہ اس کی وجہ سے "زمیندار" کے قیام و اشاعت پر کوئی ناگوار اثر نہ پڑے۔ ہمیں امید ہے کہ اہلِ ملک کے لئے اس رقم کو فراہم کر دینا کچھ دشوار نہ ہوگا اور اس اپیل کی مکرر اشاعت کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

ہندوستان میں "زمیندار" کا معاملہ فی الحقیقت پریس کی آزادی کے لئے قیام و فتح کا معاملہ ہے۔ اگر وہ اس کشمکش میں کامیاب نہ ہو سکا تو یہ ملک کی آزادی طباعت

کے لئے مختلف اشخاص کی ضرورت ہوگی اور مجھے امید ہے کہ پنجاب کے احباب و مخلصین اس کام میں مساعد ہونگے "

"آپ نے "زمیندار" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی تفصیل طلب ہے۔ بہتر ہو اگر آپ ایک دو دن کے لئے کلکتہ آجائیں اور زبانی باتیں ہوجائیں۔ ممکن ہے ۱۰ اگست کو حکیم[۵۱] صاحب بھی کلکتہ آجائیں۔

---

[۵۱] حکیم صاحب سے مراد مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم ہیں جو مولانا کے نہایت عزیز دوست اور سیاسی و قومی کاموں میں رفیق خاص تھے۔

[۵۲] یہ مکتوب مولوی شفاعت اللہ خاں مرحوم کے نام تھا۔ جو مولانا ظفر علی خاں اور مولوی اختر علی خاں کی قید کے زمانے میں "زمیندار" کے منیجر تھے۔ ساتھ ساتھ حسب ضرورت ایڈیٹری کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ کمال یہ تھا کہ لیڈر بھی لکھتے، نوٹ بھی اور مزاحی کالم بھی، خبروں یا مضمونوں کا ترجمہ بھی کرتے تھے۔ مولوی اختر علی خاں قید سے رہا ہو کر آگئے تو شفاعت اللہ خاں نے سب کچھ ان کے حوالے کر دیا اور خود کوئی مستقل شغلہ اختیار کر لینے کی تجویزیں سوچ رہے تھے۔ غالباً اسی سلسلے میں مولانا کو لکھا تھا۔ ابتدائی فقرے میں "چودہری صاحب" سے مولانا کا اشارہ میری طرف ہے۔ شفاعت اللہ خاں مرحوم نے مکتوب میرے حوالے کر دیا تھا، لیکن مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ انہوں نے اپنے متعلق یا میرے متعلق مولانا کو کیا لکھا تھا۔ مولانا دور ترک موالات کی قید سے رہا ہوئے تھے تو انھیں کانگرس کے اجلاس خاص منعقدہ دہلی ۱۹۲۳ء کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ اس اجلاس میں میرے علاوہ شفاعت اللہ خاں اور مرتضیٰ احمد خاں میکش بھی شریک تھے اور ہم مولانا کے ساتھ دریا گنج میں ٹھہرے تھے اس وقت مولانا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کلکتہ سے دہلی آجائیں۔ چنانچہ دریا گنج میں مکان بھی لے لیا تھا۔ اور کلکتہ سے پریس کی مشینیں بھیج رہے تھے۔ بنگال کے مشہور سیاسی لیڈر دیش بندھو داس کو اس کا علم ہوا تو وہ اس شدت سے مزاحم ہوئے کہ مولانا کو دہلی آنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا اور یہاں جو مکان لیا تھا کئی مہینے کا کرایہ دے کر اسے چھوڑ دیا۔

بنگلہ حافظ حلیم صاحب
کانپور۔ ۲۶۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۹ء

بھائی نظامی!

عرصے کے بعد تم ملے اور پچھلی بے غرض خلوص اور بے تکلفانہ صحبتیں یاد آگئیں۔ مگر جھوٹ کا عادی نہیں۔ سچ یہ ہے کہ باوجود میرے مکرر سکرر اصرار کے تمہارا ایک دن کے لئے بھی نہ ٹھہرنا مجھے سخت گراں گزرا۔ یہ انکار اس لئے تو نہیں تھا کہ ایک عقیدت کیش کی معیت تھی اور میری بے تکلفیاں خوف دلاتی تھیں کہ کہیں کوئی مضر اثر نہ پڑے؟ اگر ایسا خیال ہو تو کچھ بے جا بھی نہیں۔ کلکتہ اور بمبئی میں خود مجھ کو اپنے احباب بے تکلف سے کبھی کبھی ایسا خوف ہو جاتا ہے، مگر چند گھنٹوں کی صحبت میں، اس کا تو تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ ارادت اندیشوں کی موجودگی میں میرا سلوک کیسا ہوتا ہے۔ ہر شخص کی زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے کسی قدر متضاد و مختلف ہوں۔ خود میں گلیم زہد اور قبائے رندی کو ایک ہی وقت میں اوڑھنے پہننے کا مجرم ہوں۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے ایک دوست سے جو سلوک میخانہ کی چھت پر کریں، اسی کا مستحق اسے سجادۂ خانقاہ پر بھی سمجھیں؟

اس کی طرف سے تو مطمئن رہو اور مجھے اپنا سچا خیر خواہ، اعزاز طلب اور دوست سمجھو۔ جیسا کہ برسوں سے باہم سمجھا کئے ہیں، مگر خدا کے لئے یہ بتلاؤ کہ اس اعراض و اغماض کا کیا مطلب تھا؟

آج کل جو کام تم نے شروع کیا ہے، گو میرا راستہ اس سے الگ ہے، مگر میں تو ہر راہ میں تیز گام ہوں۔ اگر ضرورت سمجھو تو یہاں مجھ سے کافی اعانت مل سکتی ہے

ابوالکلام آزاد دہلوی

کی نہایت افسوسناک شکست ہوگی ۔[1]

ابوالکلام

سید محمود (بیرسٹرایٹ لا، پٹنہ)

محمد علی خادم کعبہ (رئیس الاحرار مولانا)

۱۱۔ کولوٹولہ اسٹریٹ، کلکتہ

۸۔ دسمبر ۱۹۰۶ء

بھائی نظامی

کیا حال ہے ؟ وکیل نے علالت کی خبر سنائی اور تم اپنے نحیف جثہ کو لئے ہوئے سامنے آگئے۔ افسوس کہ تم ڈاکٹری علاج سے متنفر ہو۔ بہرکیف جلد اچھے ہوجاؤ اور خدا کرے کہ کانفرنس میں آکر ملو۔ سفر بنگالہ کا اس سے بہتر پھر موقعہ ہاتھ نہ آئے گا۔

وسط جنوری سے ایک مستقل اخبار میری ایڈیٹری میں کلکتہ سے نکلے گا "دارالسلطنت" میری دلی خواہش ہے کہ اس کے پہلے نمبر میں تمہارا ایک دلآویز مضمون ہو، خدا نہ کرے کہ تمہاری علالت امید برآری میں حارج ہو۔

میں نے دہلی میں تمہارا شام تک انتظار کیا اور پھر مایوس ہوکر روانہ ہوگیا۔

ابوالکلام آزاد دہلوی

---

[1] مسٹر آئس مونگر نے ایک تحریر کی بنا پر "زمیندار" کے خلاف بہ سلسلۂ ازالۂ حیثیت عرفی پندرہ ہزار کی ڈگری دی تھی۔ یہ رقم بالاقساط ادا کی گئی۔ یہ اپیل اسی زمانے میں شائع ہوئی تھی اور رقم آہستہ آہستہ جمع ہوگئی تھی۔

۱۴-فورٹ اسٹریٹ بمبئی

واحدی صاحب - تسلیم

مضمون قصداً ناتمام بھیجا تھا کہ بیماری اور سفر کی حالت میں جتنے صفحے قلم سے نکلے انھیں کو غنیمت سمجھ کر بھیج دینا مناسب نظر آیا۔ تین دن کے بعد کچھ مہلت ملی تو باقی مضمون مرتب کیا اور وہ بھی خواجہ صاحب کے نام کلکتہ بھیج دیا۔ حیرت ہے کہ اب تک صرف پہلی قسط کیوں بھیجی گئی؟ بہر کیف اگر ضائع ہو گیا ہے تو اب نہ اتنی مہلت ہے کہ پھر لکھوں اور نہ اس میں اتنی اہمیت ہے کہ دوبارہ وقت صرف کیا جائے۔ یہ بھی خواجہ صاحب[1] کا اصرار تھا کہ "سرمد" کے حالات لکھے ورنہ تاریخ کے سینکڑوں ارباب اجتہاد و تجدید شکوہ سنج بے التفاتی ہیں۔ انھیں چھوڑ کر "سرمد" وغیرہ پر کون وقت ضائع کرے۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ !

ابوالکلام آزاد دہلوی

کلنگا بازار سٹریٹ کلکتہ

۳ رجون ۱۹۱۰ء

یہ مسلسل خاموشی کیوں؟

کہئے تو "سرمد" کا بقیہ مضمون لکھ بھیجوں؟ بمبئی سے آتے ہوئے "سرمد" یاد آگئے تھے۔ ان کی رباعیات کا دیوان ساتھ لے لیا تھا۔ کبھی نظر پڑ جاتی ہے تو خیالات موجزن ہوتے ہیں۔ آپ چاہیں تو قلم بند کر کے بھیج دوں!

---

[1] خواجہ صاحب سے بداہتہً حسن نظامی مراد ہیں۔ خط پر تاریخ درج نہیں لیکن بظاہر یہ بھی ۱۹۱۰ء ہی کا معلوم ہوتا ہے۔

۱۴ - میکلوڈ سٹریٹ
کلکتہ

برادرم!

پتہ بدل گیا ہے آئندہ سے مندرجہ صدر نشان پر خط لکھا کیجئے۔ پرچہ پہنچا، کھولا، تو آپ کا مضمون نظر پڑا، دُمدار تارے کے اثرِ نحوست کا اقرار صالح، نیز اس کے علاج سے اتفاقِ کلی لیکن ۹۳ کی قید پر اصرار کیجئے گا تو مجھے مجبوراً الگ ہو جانا پڑے گا۔ یہ تیسیر پسندی کے خلاف ہے، پھر صورتاً بھی تعجب کی کہ "عم یتساءلون" کے اجزاءِ اخیر کو نظر انداز کر دیا حالانکہ ایسے کاموں کے لئے تو سورۂ انا اعطینا اور قل ہو اللہ سے بڑھ کر اور کوئی مفید نہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ ۹۳ کے جز دوم کو حذف کر دینے پر ہم آپ باہم سمجھوتہ کر لیں۔ اختلاف کو طول دینا مضر ہے۔ انصاف کیجئے کہ اگر پانی میں دم کر کے گھر سے نکلوں کہ کلکتے کے تمام کونوں پر چھڑک دیا جائے تو دو ماہ سے پہلے واپسی ممکن نہیں۔

خیر یہ تو لطیفہ تھا، جی چاہتا تھا کہ آپ سے ہنس بول لوں۔ اب یہ کہئے کہ جواب کیوں نہیں دیتے؟ دو خط لکھ چکا ہوں۔ اجمیر کا ارادہ قطعی کیجئے تو شاید میں بھی نکلوں، اگرچہ وقت نکلنا مشکل ہے، کیونکہ چاہتا ہوں کہ پہلی رجب سے اخبار نکال دوں[1]۔ مشورۃً بہت کچھ کہنا ہے، بشرطیکہ پچھلے مراسلات کا جواب مل جائے۔ کلکتہ کا مکرر عزم کیجئے۔

ابوالکلام آزاد دہلوی

---

[1] یہ خط ۱۹۱۱ء کا معلوم ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ اخبار سے اشارہ "الہلال" ہی کی طرف ہے۔ مولانا نے خود "الہلال" کے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھا تھا کہ وہ اپنا اخبار نکالنے کا فیصلہ قیامِ امرتسر ہی کے زمانے میں کر چکے تھے۔ پھر اتفاقات کی بنا پر تاخیر ہو گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۲ء میں "الہلال" نکلا۔

ہمدردانہ کہتا ہوں کہ یہ آپ نے اچھا نہ کیا کہ لوگوں کو مخالف بننے دیا۔ مصلحت اندیشی اور حزم و احتیاط کا راستہ دوسرا ہے۔ کام خاکساری اور فروتنی سے کرنا چاہیئے کہ دشمنوں کو خاکسار بنانے کی گنجائش نظر نہ آئے۔ اب آپ کی مخالفت زور شور سے کی جائے گی بلکلتہ اس دنیا سے الگ ہے مگر یہاں بھی مخالفانہ خیالات سخت درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔ ایک بہت بڑا مضمون لکھا جا رہا ہے۔ مجھ سے بھی کہا گیا۔ میں نے کہا کہ مجھے ان باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ چاہتا ہوں کہ اس آگ کو دبا دیا جائے۔ اگر آپ پسند کریں تو میں تفصیلی مشورہ دے سکتا ہوں ؛

ابوالکلام آزاد

۱۴۔ میکلوڈ سٹریٹ، کلکتہ۔

یکم دسمبر ۱۹۱۱ء

مجی،

خط پہنچا تھا۔ علالت و عدیم الفرصتی نے مہلت نہ دی۔ اب تو خود حاضر ہو رہا ہوں، نامہ بر کی منت پذیری کیوں ؟

کل رات کو پونے گیارہ بجے "دربار اسپیشل ٹرین" سے روانہ ہوں گا، بشرط زندگی انشاءاللہ دہلی میں ملاقات ہوگی۔

۱؎ معلوم نہیں اس کا تعلق کس واقعے سے ہے ؛

علامہ امام الدین لاہیجی ثم الضغبانی دہلی میں آپ سے ملے، نہیں معلوم کیسی گذری

ابو الکلام آزاد دہلوی

---

۸۹ - کلنگا بازار سٹریٹ کلکتہ

۱۵ر جون ۱۹۱۰ء

بھئی!

اصل بات یہ ہے کہ عدیم الفرصت بہت ہوں اپنے ذاتی اشغال کے علاوہ چند کام ایسے سر پر پڑ گئے ہیں کہ ایک گھنٹہ بھی فرصت کا نصیب نہیں ہوتا۔

چند تفصیلی مضامین بعض اہم معاملات کے متعلق ہیں کہ بہت جلد شائع ہو جانے چاہئیں ان کی بھی فکر ہے۔ ان سب پر طرہ اخبار جو ۱۵ رجب سے شائع ہو جائے گا، پھر اپنی بعض تالیفات جن کو مکمل کر دینا چاہتا ہوں کہ جو زندگی عنقریب شروع ہونے والی ہے وہ اس کی مہلت بہت کم دے گی

"سرمد" کا ذکر تو یوں آگیا کہ آپ خاموش تھے اور چاہتا تھا کہ کوئی ذکر چھیڑ دوں کہ بات کا پہلو نکل آئے۔

قطعی وعدہ نہیں کرتا۔ پہلی رجب کو دیر ہی کتنی ہے، ممکن ہے کہ ایک دن ہاتھ آجائے اور لکھ کر بھیجدوں۔ بمبئی پہنچا تو کتب خانہ پر نظر ڈالی احالات بھی زیادہ معلوم ہو گئے ہیں۔

کیا اب کے اجمیر کا ارادہ ہے؟ ضعیف سا ارادہ میرا بھی ہے۔ اگر آپ کا آنا قطعی طور پر معلوم ہو جائے تو ممکن ہے کہ ضعف اپنی جگہ ارادہ مصمم کے حوالے کر دے صاف صاف لکھئے۔ واحدی صاحب کو خدا جلد شفا دے۔ یہ دوسری بات ہے، مگر مجھ سے پوچھئے تو آدمی کو ہمیشہ بیمار رہنا چاہئے۔

ابو الکلام آزاد دہلوی

خواہ وہ یونیورسٹی کا افسانہ ہی کیوں نہ ہو، جب تک تمام دنیائے اسلام میں ایک بین الاقوامی عالمگیر اتحاد کی تحریک نہیں ہوگی زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چالیس کروڑ مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں ؟

بہرحال یہ داستان طویل ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ سردست ایک جلسہ کا انتظام ہو سکے جو عام اور زیادہ تر عام آبادی پر مشتمل ہو۔ کچھ ضرور نہیں کہ دہلی کا کوئی سربرآوردہ یا خطاب یافتہ بھی اس میں شریک ہو، آپ بھی اس پر غور کیجئے اور جلد جواب دیجئے۔ آتے اتوار کو دوسرا جلسۂ عام ہے، اس کے بعد قطعی ارادۂ سفر والاتمام من اللہ

وانا الفقیر المکنّٰی بابی الکلام الدہلوی۔

○

وعلیکم السلام،

۱۔ قائل ہوں

۲۔ اس کا اتفاق نہیں ہوا

۳۔ ایک اتنا بڑا مذہبی اجتماع کیوں نہ مفید ہو، البتہ ضرور ہے کہ اصلاح کی جائے نیز ضرور ہے کہ تبدیلیاں ہوں۔[1]

فقیر ابوالکلام

---

[1] خواجہ حسن نظامی نے تین سوال کیے تھے، اول یہ کہ آپ کرامات اولیاء کے قائل ہیں، دوم یہ کہ آپ نے خواجہ اجمیر کی کوئی کرامت دیکھی ہے، سوم یہ کہ کیا آپ خواجہ اجمیر کی درگاہ اور عرس کو کسی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں اور کہا تھا کہ جواب دو سطری ہونا چاہیے۔ مولانا کا مکتوب انہیں استفسارات کا جواب ہے

داحدی صاحب کو سلام شوق [1]

ابوالکلام

---

۲۳ - میکلاوڈ سٹریٹ - کلکتہ
۳ - نومبر ۱۲ء

زادنا اللہ سبحانہ وایاکم حمیۃ الاسلام

خط پہنچا۔ یہ سچ ہے، مگر اس میں مصر و شام کی کیا خصوصیت ہے؟ سیاحت قلبی کے جغرافیہ کی کوئی حد نہیں ؛

یہ تمام موانح جو آپ نے لکھے ہیں، پیشتر ہی سے پیش نظر تھے، ..... کو میں نے ان کی افسردہ جوابی پرچہ صفحے کا خط لکھا، جو اگر حس غیرت مر نہیں گئی تو نشتر بن کر مدت العمر چبھتا رہے گا۔ تمام سربرآوردہ مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ ان خوش پوش غلاموں سے کوئی امید نہیں۔ علی گڑھ کی تحریک نے مسلمانوں کو عضو شل بنا دیا ہے، لیکن بہرحال فرصت قلیل اور وقت نازک ہے۔ فیجیوری میں جو مجلس ہوئی، کافی نہیں۔ اس کی روئداد بھی متضاد خبروں کا مجموعہ۔ ایک صاحب حکیم جی [2] کو صدر بتلاتے ہیں۔ دوسرے شرکت محض ہی پر ساکت ہیں۔ چندے کا طالب نہیں لیکن صرف ایک اجتماع عام ہونا چاہیئے، باسم دعائے نصرت و فتح۔ اصل مقصود اتحاد بین الملی اسلام کہ بنیاد حقیقی ...... واصل رشتہ ارتقاء و اصلاح اسلام ہے، اور اس کے لئے اس موقعے سے بہتر اور پھر کوئی وقت نہ ملے گا۔ آج کوئی وطنی یا مقامی تحریک مسلمانوں کو فائدہ نہیں

---

[1] اس خط پر $\frac{11}{12}$ رکیم نومبر ۱۹۱۲ء درج ہے، میرے نزدیک $\frac{12}{19}$ ہونا چاہیئے رکیم دسمبر ۱۹۱۲ء دربار اسپیشل ٹرینیں اسی زمانے میں چلی تھیں جب شاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کی تقریب دہلی میں منائی گئی تھی ؛ [2] مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں مرحوم۔

○

کلکتہ۔ ۲۱۔ جولائی۔

صدیقی العزیز۔

والانامہ پہنچا۔ میں نے ایک اطلاعی خط لکھوادیا تھا اور خود خط رکھ لیا تھا کہ جواب لکھوں گا۔ مجھے جو کچھ اس بارے میں کرنا تھا، کردیا ہے اور منتظر جواب ہوں۔

یہ فتح پور میں ندوہ کے متعلق جلسہ کن لوگوں نے کیا تھا؟

خط کے جواب وغیرہ میں، مجھ سے جو قصور ہوجایا کرتا ہے اس کی بنا پر میرے دل کی نسبت کوئی رائے قائم نہ کیجیے۔ میں ہر حال میں ہر طرح کی خدمت کے لیے مستعد ہوں اور علی الخصوص آپ کی تو اپنے دل میں جگہ رکھتا ہوں۔

ابوالکلام

○

اسمی لاج مسوری

۱۸۔ اگست

صدیقی العزیز،

آپ کے متواتر خطوط پہنچتے رہے۔ میں اس تمام عرصے میں بہت زیادہ گرفتار تفکر وتردد رہا۔ اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ میں لکھنؤ میں تھا۔ آج صبح واپس آیا اور آپ کی شکایتوں سے رفع کسل سفر میں مدد ملی۔ کل کلکتہ روانہ ہوں گا اور ان شاء اللہ وہاں سے تفصیلی خط لکھوں گا۔ احتیاطاً آپ کی کتاب کی نسبت آج ہی دفتر لکھ دیا ہے۔

ابوالکلام

نیاز فتح پوری کے نام

۲۴۔ جون ۱۹۱۴ء[1]

صدیقی الاعز!

سخت نادم ہوں کہ اتنے عرصے کے بعد جواب لکھتا ہوں۔ آپ کا خط پڑھ کر معمولاً رکھ دیا تھا کہ ضروری خطوں کے ساتھ جواب لکھوں گا۔ ہفتہ میں ایک رات یہی کام ہوتا ہے لیکن غلطی سے وہ وہیں رہ گیا اور میں سمجھا کہ جواب لکھ چکا ہوں۔ آج کاغذات دیکھے تو بجنسہٖ موجود تھا۔ سخت شرمندگی ہوئی۔ خواستگار معافی ہوں۔

نظم النشہ درج "الہلال" ہو گی۔[2]

ایک دوسرے امر کے لیے آپ نے لکھا ہے مجھے بہمہ وجوہ اور ہر حال میں مستعد خدمت یقین کیجیے۔ اگر کوئی سعی مفید مقصد نکلے تو اسے بہترین عبادت سمجھوں۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ بہ تفصیل لکھیں۔

میری طرف سے کبھی کوتاہی نہ ہو گی۔ تاخیر کے لیے سخت نادم ہوں۔

فقیر ابوالکلام

---

[1] خواجہ صاحب نے تاریخ ۱۹۱۶ء درج کی ہے، یہ صحیح نہیں۔ جون ۱۹۱۶ء میں تو مولانا رانچی میں نظر بند ہو گئے۔ میں نے ۱۶ کو ۱۴ بنا دیا۔ [2] غالباً یہ وہی نظم ہے جو یکم جولائی ۱۹۱۳ء کے "الہلال" میں "التجائے پروانہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔

(۱۸۱)

میں نے ایک عریضے میں دو باتیں پوچھی تھیں :-

۱۔ آپ نے "غبار خاطر" میں ایک جگہ عرفی کا ایک شعر بہ تغیر الفاظ درج فرمایا، یعنی :

من ازیں رنج گرانبار چہ لذت یابم
کہ بہ اندازۂ آں صبر و ثباتم دادند

میں نے اسے یوں دیکھا ہے :

من ازیں درد گراں مایہ چہ لذت یابم
کہ بہ اندازۂ آں صبر و ثباتم دادند

بدلا ہوا ٹکڑا اصل سے بہتر معلوم نہیں ہوتا، پھر اس کے بدلنے کی وجہ کیا تھی ؟

۲۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ شرف جہاں قزوینی کے دیوان پر تبصرہ لکھا تھا۔ کیا یہ دیوان بہت اچھا ہے نیز کیا اس تبصرے کا کوئی حصہ آپ کے مسودات میں موجود ہے ؟

جواب میں فرمایا :

۱۔ ہو سکتا ہے میرے حافظے میں وہی الفاظ ہوں، جو میں نے لکھ دیے۔ اگر آپ نے دیوان عرفی دیکھا ہے تو وہی الفاظ ٹھیک ہیں[1] ؎

---

[1] دیوان عرفی کے جتنے نسخے میری نظر سے گزرے، ان میں سے کسی میں بھی یہ شعر نہیں۔ ملا سرخوش نے کلمات الشعرا میں لکھا ہے ناصر علی سرہندی سے جب پوچھا گیا، عرفی کا بہترین شعر کون سا ہے تو اس نے یہ شعر لکھ دیا تھا۔ اس امر کا ذکر متعدد اصحاب نے کیا ہے ؎

۵

کلکتہ

صدیقی الاعز،

خط پہنچا، .... صاحب کا تو یہ حال ہے :

کاں نیز گہے با من و گہہ باد گرے داشت

لیکن اس سے مطمئن رہیئے کہ طے شدہ امور میں بے ثباتی و تزلزل ممکن نہیں۔ آپ روزانہ اثباتِ وجود کرتے ہیں

.... صاحب ذاتی اور شخصی تعلقات میں اس درجہ محکم و استوار ہیں کہ موجودہ عہد میں شاید بہ مشکل اس کی نظیر ملے۔ میں مطمئن ہوں اور آپ بھی مطمئن رہیں :

غالباً میں نومبر کی ۱۵ تک دہلی آؤں، اگر اس وقت تک نقل و حرکت کے لئے آزاد رہا۔

ابوالکلام

(۲) شرف جہاں قزوینی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے فارسی شاعری میں وقوعہ گوئی کے طرز کی بنیاد ڈالی۔ وقوعہ گوئی اس معاملے میں بولا جاتا ہے، جس معنی میں اُردو میں معاملہ بندی کہتے ہیں۔ اس کے مسودات ضائع ہو گئے۔ موجود نہیں ہیں[1] ؛

—————:(۴):—————

[1] یہ مکتوب ابتدا میں مل نہ سکا۔ کہیں کاغذوں میں گم ہو گیا تھا۔ کتاب مطبع کے حوالے ہو رہی تھی تو ملا، لہٰذا اسے یہاں درج کیا جاتا ہے ؛